شامِ اودھ

محمد حسن فاروقی

قیمت
صہ

ملنے کا پتا
مصنّف
والا قدر روڈ
چوکھی، لکھنؤ

اس ناول کی ہیروئن کے نام

اس شعر کے ساتھ

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے

وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

زور کی آندھی کے بعد چھینٹا پڑ کر ابھی آسمان صاف ہوا تھا ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنیں چھتر منزل کی سنہری چھتری والی چوٹی کو ایک طرف اور رزیڈنسی پر اڑتے ہوئے یونین جیک کو دوسری طرف چمکا رہی تھیں۔

چھتر منزل سے قریب ایک فرلانگ پچھم کی طرف اور رزیڈنسی سے اتنی ہی دور اتر کی طرف گومتی کے کنارے ریتلی زمین پر بہت سے آدمی کچھ قریب قریب اور کچھ الگ الگ ٹہل رہے تھے۔ دریا کے کنارے سے لگی ہوئی کچھ کشتیاں اور ایک عمدہ بجرا تھا۔ گومتی اپنی خاص نزاکت سے بہہ رہی تھی اور شفق کی ہلکی سرخی عجیب ہلکے روحانی رنگ کی طرح اس پر چھا رہی تھی۔

کچھ لوگ ایک ٹولی بنائے ہوئے باقی لوگوں سے الگ کھڑے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں ایک صاحب تھے جو صاف شفاف انگرکھا اور دو پلی ٹوپی پہنے تھے اور جن کے سرخ و سفید چہرہ سے شان ٹپکتی تھی۔ انکی طرف باقی سب لوگ ادب سے متوجہ تھے اور انکی بات کا تہذیب سے جواب دیتے تھے۔ ان صاحب نے ایک لمبی سانس بھری اور کہا۔

"اف۔ فوہ۔ بڑی دیر ہوگئی۔ حضور اباجان ابھی تک آ ہی نہیں چکے۔

واللہ یہ اسی لیے ہم کہیں آنے جانے سے گھبراتے ہیں۔ انتظار کھلتا ہے یہیں واللہ آپ بھلے اپنا گھر بھلا"

ان کے سامنے ایک صاحب کھڑے تھے جو موٹے کپڑے کی اچکن پہنے تھے۔ ان کا رنگ سانولا تھا اور چہرہ لمبا اور انکی نوکدار ناک پر پُرانی سی عینک رکھی ہوئی تھی۔ انکے بشرے سے سنجیدگی ٹپکتی تھی مگر ان کو زیادہ غور سے دیکھنے والا مسکرا ضرور دیتا۔ ان صاحب نے کہا۔

"اے صاحبزادے صاحب۔ ہمارے حضور نواب صاحب کا آنا ہے کوئی معمولی بات تھوڑی ہے۔ اور اب ہمارے حضور باہر ہی کب نکلتے ہیں۔ کیا معلوم جوہریوں نے کوئی نیا جواہر پرکھنے کے لیے پیش کیا ہو۔ ایسی ہی باتوں میں دیر لگ گئی ہو گی"!

"مگر اتنی دیر چلے تو ہم لوگ کچھ ہی پہلے تھے۔ واللہ یہ تو کھل گیا میر صاحب"

میر صاحب جواب دینے ہی کو تھے کہ ایک آواز آئی"وہ دیکھئے! وہ دیکھئے" سب کی آنکھیں ان صاحب کی طرف ہو گئیں جو کنارے کے بالکل پاس کھڑے یہ الفاظ دہرا رہے تھے۔ یہ صاحب عجیب ہستی تھے۔ یہ نہایت ہی دبلے تھے اور ان کا دُبلاپن اس وجہ سے اور بھی نمایاں ہو رہا تھا کہ یہ ایک کچھ میلا اس قدر بڑا انگرکھا پہنے ہوئے تھے جو ان کے ایسے چار جسموں پر ٹھیک ہوتا۔ ان کے سر پر دوپلی ٹوپی بھی اتنی بڑی تھی کہ پورے ماتھے کو ڈھانکے تھی اور پیچھے گدّی کے نیچے تک پہنچ رہی تھی۔ ان کے سیاہ گلّے ایسے پچکے ہوئے تھے جیسے کوئی ٹین کا ڈبہ جو کسی گاڑی کے پہیئے سے دب گیا ہو۔ ان کی ناک ضرورت سے زیادہ لمبی تھی اور اس کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ الگ سے لگا دی گئی ہے۔ ان کی آنکھیں بالکل گول گول تھیں اور باچھیں اس قدر چری ہوئی تھیں کہ ایک کان کو

دوسرے کان سے ملاتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

نواب زادے صاحب نے کچھ بلند آواز میں پوچھا۔

"کیا ہے میر کلو صاحب۔ کیا دکھا رہے ہیں آپ۔ کچھ پینک میں تو نہیں ہیں واللہ؟"

"جی نہیں صاحبزادے صاحب" میر کلو نے صاحبزادے کی طرف آتے ہوئے کہا "وہ دیکھئے حضور انگریزوں کی ڈونگیاں اور ہمارے حیدر نواب وہ ڈونگی کھے رہے ہیں اور سامنے ان کے ایک میم بیٹھی ہوئی ہے۔"

سب لوگ دریا کی طرف غور سے دیکھنے لگے اور کسی نے کہا "ہاں ہیں تو وہی" "ہاں ہیں تو حیدر نواب" اور ایک صاحب نے کہا "یہی کوئی میم ویم انہیں پھانس پھولس لے گی۔"

دوسرے صاحب بولے "کیا معلوم پھنس بھی چکے ہوں جب ہی تو ہم سب سے الگ الگ رہتے ہیں اور انگریزوں کے بغیر انہیں قرار ہی نہیں۔"

میر صاحب بولے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اپنے خاندان کا نام بھی خراب کیا۔"

ایک تیسرے صاحب نے کہا "انگریزی پڑھوانے کا اور نتیجہ ہی کیا۔ نہ مذہب رہا نہ تہذیب رہی، ہمارے حضور سرکار عالی جاہ بہادر نے بس کیا کہیں بہت طرح دے رکھی ہے ان کے معاملہ میں۔"

"یہ تو ہے ہی" میر کلو بولے "نواب کا لڑکا انگریزی پڑھانہ محل کا نہ کیلب کا۔"

"واللہ آپ کی سلائیں تو الگ ہی ہے میر کلو" نواب زادے صاحب نے کہا "حیدر نواب کے اطوار سے میں تو خوش ہوں ابا جان قبلہ نے اچھا کیا جو عمو مرحوم کی وصیت پر عمل کیا۔ واللہ ہے مجھے عمو جان بہت یاد آتے ہیں۔"

"حضور آپ کی جان سے دور قرآن درمیان آپ کے ساتھ کے کھیلے ہوئے تھے مرحوم"
ایک صاحب نے کہا

"ہاں اگر میرے کوئی لڑکا ہوتا۔ کیا کروں میرے لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں۔ تو میں بھی اسے انگریزی اسکول میں ضرور بھیجتا!"

"جی حضور" میر کلو بولے "پڑھے انگریزی اور ہوئے لاٹ۔ آج کل حضور بہت ضروری ہو تا جارہا ہے یہ عنا"

"و! ہوا لکھا یا پڑھا۔ آپ نے نا" میر صاحب بولے۔

"میر عنایت حسین صاحب واللہ۔ اب حضور چھوٹے نواب کے سامنے کیا کہوں واللہ۔ آپ تو بالکل وہی ہیں۔ بات سمجھتے نہیں اور بس۔ میں ہمیشہ صحیح بات کو مانتا ہوں۔ وہ کیا مثل ہے نہیں ؟"

"نہ ہو کوئی مثل تو آپ گڑھ ڈالیے نا!"

"تو آپ مجھے ....."

یہ جملہ ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ ایک صاحب نے کہا "بڑی عمر ہے ہمارے ...!!! جاہ کی وہ دیکھئے سواری آرہی ہے"

سب لوگ پچھم کی طرف جہاں دھول اڑ رہی تھی دیکھنے لگے۔ ادھر ادھر سے سب لوگ آکر ایک جگہ کھڑے ہو گئے کچھ بچے جو ادھر ادھر دوڑ رہے تھے ان لوگوں کے درمیان آ گئے۔ دو چوبدار لمبی سبز چکنیں پہنے ہاتھوں میں بڑے بڑے چاندی کے عصے لیے اور ان کے پیچھے آٹھ سپاہی سبز وردیاں پہنے ڈنڈے باندھے اپنی اپنی جگہ پر تن کر کھڑے ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں دو عمدہ مشکی گھوڑے جتی ہوئی ایک چھت کھلی لینڈو گاڑی آکر ان لوگوں کے سامنے ٹھہری۔ کوچ بکس سے ایک چوبدار اترا اور پیچھے سے دو سائیس سبز کرتیاں پہنے دھوتیاں باندھے اور سروں پر چندری کے صافے لگائے جلدی سے اتر کر گاڑی کے دروازوں کے پاس آئے اور دروازوں کو کھولا۔

۵

گاڑی میں تین حضرات بیٹھے تھے۔

ایک طرف ایک نہایت شاندار بزرگ تشریف فرما تھے۔ ان کا گورا چوڑا چہرہ، سفید پٹھے اور سر پر سفید دوپلی ٹوپی، سفید داڑھی، سب کا مکمل تاثر دیکھنے والوں کے دماغ پر ایک عجیب رعب اور اطمینان کا اثر ڈالتا تھا۔ ان کے ماتھے اور رخساروں پر بکثرت جھریاں پڑی ہوئی تھیں جن میں ہلکا گلابی خون جھلکتا تھا۔ یہ سفید جامدانی کا انگرکھا زیب تن کئے ہوئے تھے۔ یہ نواب ذوالفقار علی خاں ذوالقدر جنگ بہادر سلیماں قدر میرزا تھے۔ اودھ کی مٹتی ہوئی تہذیب اور وضعداری ان پر ختم سمجھی جاتی تھی۔

دوسری طرف ایک تو نواب صاحب کے بڑے صاحبزادے سلطان علی خاں دارا قدر میرزا بیٹھے تھے۔ یہ شباہت میں بہت کچھ اپنے والد سے ملتے جلتے تھے۔ مگر یہ ان کے مقابلہ میں بہت دبلے تھے اور چہرہ پر شان بھی بہت کم تھی۔ یہ بھی بہت کافی بڈھے معلوم ہوتے تھے۔ اپنے والد کے سامنے نہایت ادب سے جھکے بیٹھے تھے۔

ان کے پاس ایک صاحب ماتھے پر قشقہ کھینچے، کرتا اور دوپلی ٹوپی پہنے بیٹھے تھے۔ یہ صاحب نواب صاحب سے تو کافی کم سن مگر صاحبزادے صاحب سے زیادہ سن رسیدہ معلوم ہوتے تھے۔ ان کا رنگ سانولا تھا اور جسم دوہرا۔ یہ نواب صاحب کے مدارالمہام لالہ مدن مہاری لال تھے۔

نواب صاحب گاڑی سے اترے اور ان کے پیچھے لالہ جی اور ان کے بعد بڑے صاحبزادے صاحب۔ منتظرین نے جھک جھک کر سلام کیے۔

نواب صاحب میر عنایت حسین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

"وہ بھئی میر صاحب۔ ابھی ایک بھانڈ نے کیا بات کہی۔ طبیعت پھڑک گئی۔

گاڑی کے پاس ایک لڑکا آگیا اور قریب تھا کہ کچل جاتا مگر بچ گیا۔ اس پر کیا آواز لگاتا ہے کمبخت، ارے کچل جانے دو۔ ایسے سخی کی سواری سے دو کچلا ہوا برسات آنے پر پھر سے اُگ آئے گا۔"

"واہ سرکار واہ۔ کیا بلندیٔ خیال ہے۔ کیا بات ہے۔ کیا زبان۔ یہ تو اچھے قصیدہ کا شعر ہوتا اگر کلام موزوں ہوتا"

"اور حضور کی درگاہ سے" میر کلو بولے "کچھ تو نے جیا ہوگا ضرور آخر لالہ صاحب ساتھ ہی تھے۔ افسوس نہ ہوئے ہم۔"

لالہ جی نے کہا "سرکار عالی پانچ ہزار والی ہیرے کی انگوٹھی اُتار کر پھینک ہی تو دی"

نواب صاحب کا بشرہ کچھ ترشی کی طرف مائل نظر آیا اور سب خاموش ہوگئے۔

نواب صاحب اور ان کے چھوٹے صاحبزادے معہ اپنے بچوں کے بجرے پر رونق افروز ہوئے اور باقی سب لوگ کشتیوں میں بیٹھے۔ ملاحوں نے بہاؤ کے خلاف کھینا شروع کیا۔

(۲)

ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا کہ نواب صاحب کی گاڑی ان کے محل قصر الفضا کے شاندار پھاٹک میں داخل ہوئی اس سے کچھ ہی دیر پہلے اس پھاٹک کے اندر ایک خوبصورت، وجیہہ، تندرست اور شاندار جوان گھوڑے پر سوار شرٹ اور برجلیں پہنے داخل ہو چکا تھا۔ اس جوان نے پیچھے مڑ کر نواب صاحب کی گاڑی کو دیکھا اور فوراً گھوڑے سے اُتر پڑا گاڑی اس کے قریب آئی اور

اس نے جھک کر نواب صاحب کو سلام کیا۔

نواب صاحب اس کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ جیتے رہو بیٹے۔ سلامت رہو۔ اپنے کیلپ (کلب) سے آرہے ہو؟"

جوان نے نہایت ادب سے جواب دیا۔ "جی حضور اباجان"

"اچھا۔ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ نماز کا وقت ہونے کو ہے" نواب صاحب نے فرمایا

کوئی بیس گز چلنے کے بعد نواب صاحب کی گاڑی ان کی بارہ دری کے سامنے رکی۔ وہ گاڑی سے اترے اور بارہ دری کے زینہ پر آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے چبوترے پر پہنچے۔ یہ چبوترہ کوئی پچاس گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا اور خاص بارہ دری کی چوکی کا ایک حصہ تھا۔ بارہ دری چوکور سو گز لمبی اور تیس۳۰ گز چوڑی سفید عمارت تھی اور اس کے خاصی بڑے بڑے پانچ دروازے اسی چبوترے پر کھلتے تھے۔

نواب صاحب کے بڑے صاحبزادے جو بڑے نواب کہلاتے تھے اور ان کے مدار المہام نواب صاحب کو سلام کر کے رخصت ہوئے۔ نواب صاحب آگے بڑھ کر ایک جگہ آئے جہاں ایک تخت بچھا تھا جس پر صاف سفید چاندنی کا فرش تھا اور پاس ہی چار نوکر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

نواب صاحب نے اپنے انگرکھے کے بند کھول دیے اور ایک نوکر نے پیچھے آکر انگرکھا اتار لیا۔ وہ تخت کے ایک کنارے پر اکڑوں بیٹھے اور دو نوکر سلفچی اور آفتابہ اٹھا کر ان کو وضو کرانے لگے۔

وضو کے بعد نواب صاحب مصلے پر تشریف لے گئے اور نماز مغربین میں مصروف ہوئے۔

نواب صاحب مصلے کو الٹ کر کچھ انگلیوں پر پڑھ ہی رہے تھے کہ ایک

صاحب کالے کھترے اور نہایت موٹے ان کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور ادب سے سلام کرکے بولے "حضور خاصہ حاضر کیا جائے؟"

نواب صاحب نے پڑھتے ہی میں "ہوں" کہا اور وہ صاحب چلے گئے۔

کچھ دیر کے بعد نواب صاحب بارہ دری کے اندر تشریف لائے۔ خاص دروازے سے دس گز بعد محرابیں تھیں اور یہاں سے سنگ مرمر کی زمین پر دری اور چاندنی کا فرش بارہ دری کے پورے بیچ کے حصے پر تھا۔ یہ حصہ ایک بہت بڑے ہال کی طرح تھا۔ اس کی چھت چاروں طرف بڑے بڑے اونچے اونچے محرابدار دروں پر رکی ہوئی تھی جن پر بڑے بڑے کمخواب کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ بالکل سامنے ایک بڑی مسند مع گاؤ تکیہ تھی اور اس پر عمدہ زردوزی مخمل کا شامیانہ گنگا جمنی چھڑوں پر ایستادہ تھا۔ چھت کے بیچوں بیچ میں ایک بہت بڑا پنج سوتی کا جھاڑ لٹکا ہوا تھا۔ اِدھر اُدھر متعدد جھاڑ لٹک رہے تھے اور درمیان میں متعدد رنگوں کی ہانڈیاں تھیں۔ محرابوں اور ستونوں پر کنول لگے ہوئے تھے۔ ان تمام میں موم کی بتیاں روشن تھیں اور سارے میں عجیب دلکش روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

نواب صاحب آکر مسند پر گاؤ سے لگ کر بیٹھے۔ داروغہ باورچی خانہ جو نواب صاحب سے خاصہ کے لئے پوچھ گئے تھے آئے اور دسترخوان بچھایا گیا۔ خوانوں میں کھانا آتا گیا اور دسترخوان پر بڑی بڑی غوریوں میں لگایا گیا۔ تمام صاحبزادگان اعزہ اور مصاحبین آتے گئے اور حسب مراتب بیٹھتے گئے۔

قریب سو آدمی دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ کچھ آپس میں باتیں بھی کرتے جاتے اور کچھ خاموشی کے ساتھ کھانے میں مصروف تھے۔ نواب صاحب نے ایک کھانے کی بہت تعریف کی اور اس پر سب ایک زبان ہو کر بولے "واہ حضور خوب پکا ہے"

داروغہ باورچی خانہ نے جھک جھک کر سلام کئے۔ نواب صاحب دورویہ بیٹھے ہوئے حاضرین پر نظر ڈالتے جاتے تھے۔ ایک صاحب کا ہاتھ رکا دیکھا تو بولے "ارے بھئی کھانا نہیں کھا رہے ہو کیا بات ہے" اور ان صاحب نے جواب دیا "جی حضور کھا رہا ہوں، خوب کھا رہا ہوں"

میر کلو میٹھے کھانوں کی طرف زیادہ راغب تھے۔ نواب صاحب ان کو دیکھ کر مسکرائے اور بولے، "کہو میر کلو میٹھا اس کیسی ہے؟"

"حضور کی شکر کی قسم خوب کھا رہا ہوں"

میر کلو اپیچی تو تھے ہی اور نئے محاورے ایجاد کرنے میں ان کو ملکہ حاصل تھا اس لیے انہوں نے نواب صاحب سے اجازت لے لی تھی کہ بجائے ان کے نمک کی قسم کے شکر کی قسم کھایا کریں گے۔

کوئی گھنٹہ بھر تک دسترخوان چھا رہا۔

(۳)

خاصہ کے بعد نواب صاحب بارہ دری سے باہر آئے۔ چبوترے کے دکھن کی طرف والے زینہ سے اُتر کر چمن میں پہنچے۔ یہ چمن نہایت کشادہ اور پُر فضا جگہ تھی۔ ہلکی ہلکی چاندنی ہری گھاس کے لانول پر پڑ رہی تھی۔ جگہ جگہ سرو کے لمبے درخت سیاہ رنگ کے معلوم ہو رہے تھے۔ کیاریوں میں مختلف قسم کے پھول تھے اور گل شبو کی مہک خاص طور پر نمایاں تھی۔

چمن کے بیچوں بیچ میں بارہ دری کے متوازی ایک بڑی نہر تھی جس کے

بیچ میں ایک پُل بندھا ہوا تھا اور جس کے کنارے جگہ بہ جگہ بیٹھنے کے لیے سنگ مرمر کی چوکیاں بنی تھیں۔ پورب کی طرف نہر کی چوڑان سے ملا ہوا ایک کُشادہ چبوترا تھا جس پہ ایک سنگ مرمر کی چھوٹی بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ نہر کے چاروں طرف روشیں تھیں۔

نواب صاحب نے خراماں خراماں ٹہلتے ہوئے پُل کو پار کیا اور چھوٹی بارہ دری کی طرف مڑے۔ اس بارہ دری کے چبوترے پہ آکر وہ ایک سنگ مرمر کی چوکی پہ پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

میر کلو نہر کی دیوار پہ ناپ ناپ کر قدم رکھتے ہوئے کسی محویت کے عالم میں ادھر کی طرف آرہے تھے۔ نواب صاحب ان کو دیکھ کر ہنسے۔ میر کلو نے منھ اُٹھا کر دیکھا اور قدم جلدی جلدی آگے بڑھائے۔ جلدی میں انکی پیر سے چار اُنگل ٹپی زیر پائی نکل کر نہر میں گر گئی اور یہ جو بوکھلائے تو یہ بھی ساتھ ہی ساتھ نہر میں آرہے۔

نواب صاحب قہقہہ مار کر ہنسے اور تمام مصاحبین نے قہقہے لگائے۔ میر کلو نہر میں اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ نہر میں پانی دوسرے شخص کے کمر کمر ہوتا مگر میر کلو کے سینے تک تھا۔ وہ منھ سے پانی نکالتے ہوئے چلائے۔

"ارے حضور۔ جلدی نکلوائیے مجھے نہیں میں ڈوبا!!"

"ارے میں تو آپ پانی سے اوپر اور ڈوبیں گے کیسے!!"

"ارے حضور ان میر عنایت حسین کے لیے سمندر بھی ناکافی ہے مگر مجھ ایسے جیادار کے لیے نہر بھر ہی کافی ہے۔ حضور جلدی حکم فرمائیے۔ یہ میرے پیر کے نیچے خدا معلوم کتنے مینڈھک۔ سانپ۔ مچھلیاں۔ نہ معلوم کیا کیا دبے ہوئے ہیں حضور یہ سب مجھے کاٹ لیں گے۔ حضور جلد حکم ہو ابھی کو"

"ارے بھائی اپنے پیروں سے چلے آؤ بڑھتے ہوئے" میر عنایت حسین نے کہا

"حضور اس سبکسار ساحل کی زبان روک لیجیے۔ آپ کو جناب امیر کا واسطہ مالی کو حکم فرمائیے!"

"خوب ہم سبکسار ساحل ہیں اور آپ گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں"

"گرداب میں کشتی ہوتی تو اچھا تھا۔ یہاں تو ہیرنہ معلوم کون کون پانی کے جانور پکڑے ہوئے ہیں۔ قدم آگے اُٹھتا ہی نہیں۔ کہیں کھسل جاؤں۔ منھ کے بھل آرہوں۔ حضور ڈوب جاؤں گا میں۔ سرکار یہ غلام آپ کے شکر شربت سے ادا ہوتا ہے جلد مدد فرمائیے"

نواب صاحب نے زور سے کہا "مالی"

"جی حضور" کہکر مالی سامنے آیا۔ نہر میں لانگ باندھ کر اُترا۔ میر کلو کو پیٹھ پر لاد کر واپس آیا اور نواب صاحب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ ان کو چوہے کی طرح بھیگا دیکھ کر سب لوگ ہنسی کے مارے لوٹے جا رہے تھے۔

"جاؤ ان کو نہلواؤ اور کپڑے بدلواؤ" نواب صاحب کا حکم ہوا۔ اور داروغہ توشہ خانہ کے پیچھے پیچھے میر کلو چلے گئے۔

نواب صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور بارہ دری کو واپس آنے لگے۔ اس وقت ایک شخص آگے آیا جو صورت سے مرد معلوم ہوتا تھا مگر کپڑے کچھ زنانے مردانے ملے جلے پہنے تھا سر پر اسکے چوٹی تھی اور اس پر کام دار ٹوپی پہنے تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور شخص تھا جو سفید پاجامہ اور کُرتہ پہنے تھا۔ دونوں نے جھک جھک کر سلام کیے اور پہلے شخص نے عرض کیا۔

"حضور یہ شمبھو مہاراج حضور سے اپنی محنت کی داد چاہتے ہیں"

نواب صاحب نے شمبھو کی طرف توجہ کی اور فرمایا "کہو شمبھو کیا کوئی نیا گُل کھلایا؟"

"جی حضور والا جاہ۔ آپ کے اقبال کی قسم جو کچھ باپ دادا نے آپکی جوتیاں سیدھی کرکے سیکھا تھا اس کا ایک ذرہ یہ غلام بھی جانتا ہے اور اسی کی مدد سے کچھ سکھا دکھا کے اپنے پیٹ کا سہارا کرتا ہے۔ فی الحال حضور ایک لڑکی کو کچھ دنوں سے تعلیم دی ہے۔ اب حضور کی نگاہ کا اُمیدوار ہوں۔ قدر گوہر شاہ داند۔ حضور ملاحظہ فرمائیں کہ اس غلام کی محنت ٹھکانے لگی یا نہیں"

"اچھا لاؤ اسے بارہ دری میں۔ ہم اس کا ناچ دیکھیں گے اور گانا سُنیں گے"

"اور حضور ایک عرض اور ہے"

"کیا؟"

"حضور اس لڑکی کی ماں بہنیں بھی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو وہ بھی بارگاہ میں سلام عرض کریں"

"ہاں آئیں"

نواب صاحب نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور فرمایا:

"آؤ بھئی آج گھنٹے دو گھنٹے ناچ گانے ہی میں تفریح رہے گی"

"جی بالکل بجا سرکار" سب نے کہا۔

اتنے میں میر کلو نواب صاحب کے اُتارے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے چاندنی میں پھدکتے ہوئے دکھائی دیے۔ قریب آکر نواب صاحب کو سلام کیا۔ نواب صاحب نے فرمایا۔

"آئیں تم آگئے اتنی جلدی!"

"حضور دیر کی کیا بات تھی۔ داروغہ صاحب نے کپڑے دیے میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے پہنے اور آگیا۔ بس زیر پائی ملنے میں ذرا دیر لگی حضور"

"ابھی ناچ گانا ہو گا"

"اچھا سرکار۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اس غلام کو تو پہلے ہی سے معلوم ہو گیا تھا کہ آج ناچ گانا ہوئے گا ہی۔ میرے کان کھجلا رہے تھے اور دونوں آنکھیں بھی"

سب لوگ ہنس دیے۔

نواب صاحب اب خراماں خراماں بارہ دری کے زینہ تک پہنچ گئے تھے۔ اس وقت وہی جوان جس کو ہم ناؤ پر انگریزوں کے ساتھ بیٹھا اور شام کے وقت گھوڑے پر سے اتر کر نواب صاحب کو سلام کرتا دیکھ چکے ہیں آگے بڑھا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

"حضور ابا جان صاحب گستاخی معاف۔ مجھے آج کے ناچ سے معافی دیجئے میرا امتحان قریب ہے۔ پڑھنا ہے مجھے"

"اچھا بیٹے اچھا۔ تم جاؤ"

جوان نے جھک کر سلام کیا۔ نواب صاحب نے جواب دیا۔

"جیتے رہو۔ جیتے رہو۔ خدا حافظ و ناصر"

(۴)

نواب صاحب بارہ دری میں آکر مسند پہ جلوہ افروز ہوئے۔ سب لوگ ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ ایک نوکر نے آگے پیچوان لگایا۔ دوسرا ایک بڑا سونے کا خاصدان لیے آیا اور حضور کے سامنے رکھ دیا۔ متعدد نوکر چاندی

کی جھڑیں لگے ہوئے عمدہ کپڑوں کے نیکھے جھلنے لگے۔ لالہ جی بھی گھر سے کھانا کھا کر واپس آگئے تھے اور نواب صاحب کی مسند کے پاس قالین پر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر پان وغیرہ تقسیم ہوتے رہے۔ اتنے میں سازندے آئے۔ نواب صاحب کو سلام کرکے بیٹھے اور اپنے ساز ٹھیک کرنے لگے۔

شمبھو مہاراج چار عورتوں کو ساتھ لیے آئے۔ ان میں ایک عورت تو بڑھیا تھی اور سادے کپڑے پہنے تھی۔ دو عورتیں جوان تھیں۔ یہ زرق برق پیشوازیں پہنے خاص ادا سے چلتی ہوئیں آئیں۔ ایک لڑکی تھی جو کپڑے کچھ زیادہ اچھے نہیں پہنے تھی اور جس کی ناک میں نتھنی تھی۔ چاروں نے نواب صاحب کو جھک جھک کر سلام کیے اور ایک کنارے بیٹھ گئیں۔ شمبھو مہاراج سامنے آئے اور عرض کی۔

"حضور خداوند۔ یہ لڑکی میری شاگرد ہے۔ یہ دونوں اس کی بہنیں ہیں اور یہ بڑی بی ان تینوں کی ماں ہیں"

شمبھو مہاراج طبلہ لیکر بیٹھے اور نتھنی والی لڑکی سامنے کھڑی ہوئی۔ تاتا تھئی۔ ناچ شروع ہوا۔ مہاراج کی تھاپ پر لڑکی خوب خوب ناچی۔ پوری محفل وجد میں آگئی۔ لڑکی لپسینہ لپسینہ ہوگئی۔ نواب صاحب نے فرمایا۔

"خوب۔ بڑا اچھا اٹھان ہے"

"سب حضور کی جوتیوں کا طفیل ہے۔ پرماتما جانے آپ کی داد سے میں پھولے نہیں سماتا ہوں؟

"اور گانا بھی سکھایا ہے؟" نواب صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ حضور"

اچھا تو پھر ایک آدھ چیز۔ مگر یہ لڑکی تھک گئی ہے۔ اس سے کہو ہماری

اجازت ہے بیٹھ کے گائے"

اسی درمیان میں بڑے نواب صاحب نے ایک نوکر کو اشارہ کیا۔ وہ پاس آیا تو انہوں نے اسکے کان میں کہا "وہ دیکھ رہے ہو۔ وہ گلابی پیشواز والی۔ ہاں"

"جی سرکار۔ جی ہاں"

اس نوکر نے بڑھیا نائیکا کے پاس جاکر اس کے کان میں کچھ کہا اور پھر اپنی جگہ پر جاکر کھڑا ہو گیا۔

لڑکی نے بیٹھ کر گانا شروع کیا۔ پہلے ٹھمری پھر دادرا اور آخر میں ایک غزل گائی۔ نواب صاحب بہت خوش ہوئے، ہر ایک نے داد دی۔

نواب صاحب نے لالہ جی کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ نواب صاحب نے فرمایا "دیدو ایک ہزار" اور لالہ جی نے شال باف کی سو سو روپیہ کی دس تھیلیاں یکے بعد دیگرے شمبھو کی طرف پھینک دیں، سب سازندے اور عورتیں آداب بجا لائیں۔

نواب صاحب نے کہا "محفل برخاست" اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کر کے جانے لگے۔

حضور مسند سے اُٹھ کر گاؤ تکیہ کے پیچھے آئے۔ یہاں نوکر نے جوتا سامنے رکھا اور وہ جوتا پہن کر بیچ کی محراب کی طرف بڑھے نوکر نے کمخواب کے پردے کو اُٹھایا اور نواب صاحب آرام گاہ میں داخل ہو گئے۔

(۵)

آرام گاہ بارہ دری کی عمارت کا وہ حصہ تھا جو بالکل پچھم کی طرف

تھا۔ یہ ایک کشادہ برآمدہ سا چاروں طرف محرابوں ہی پر ٹکا ہوا تھا۔ تمام محرابوں پر کمخواب کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ زمین پر عمدہ قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف ایک چھپر کھٹ بچھی ہوئی تھی۔ بیچوں بیچ میں ایک سبز جھاڑ لٹک رہا تھا جس کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی تھی سامنے کی پانچ محرابوں کے پردے بندھے ہوئے تھے اور باہر ایک بیس گز چوڑا چبوترہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس پر بھی ایک چھپر کھٹ بچھی ہوئی تھی۔

نواب صاحب آرام گاہ میں داخل ہوئے۔ ایک نہایت خوبصورت اور جوان لونڈی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے جھک کر تسلیم کی۔ یہ لونڈی عجیب مجسمۂ حسن تھی۔ اس کے گیہوئے رنگ، نشیلی آنکھوں، کھلے ہوئے ہونٹوں پر جھاڑ کی سبز روشنی پڑ کر ایک عجیب عالم حسن کا نقشہ دکھا رہی تھی اس کے کندھوں پر پھولدار ریشم کا دوپٹہ، اس کے جسم پر محرم اور کرتی اور اسکا پیڑی دار ریشم کا لہنگا اس کے لمبے قد کو ایسی خوشنمائی سے ظاہر کر رہے تھے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ لڑکی عجیب کرشمہ تھی۔ اس کے حسن میں یہ کیفیت تھی کہ اسے دیکھنے والا نئے طور سے زندہ ہو جاتا اور ایک نئے پرکیف عالم میں کھو جاتا۔

نواب صاحب کی اس لڑکی کو دیکھ کر باچھیں کھل گئیں اور وہ بولے "تو بہار تو نے ناچ دیکھا"

"جی ہاں میں پردے میں سے جھانک رہی تھی" اور وہ بڑھ کر آگے آئی اور نواب صاحب کے انگرکھے کے بند کھولے نواب صاحب عجب محویت سے اسکی طرف دیکھتے رہے اس نے اپنے خوبصورت بازوں تک کھلے ہاتھ نواب صاحب کی گردن تک اٹھائے اور انگرکھے کو اتار لیا

"تجھے ناچ پسند آیا؟"

"جی ہاں بہت، وہ غزل"

"وہ غزل مجھے بھی پسند آئی، ایک شعر تو اس میں قیامت کا تھا"

"جی ہاں مجھے وہ یاد ہوگیا"

"کون سا شعر؟"

"آج ہم روئے بہت دیکھ کے تصویرِ شباب + یاد تازہ ہوئی بھولے ہوئے افسانوں کی"

"ارے برزبان بود مرا ہر چہ تراد ردل بود۔ واہ کیا شعر تھا۔ تجھے یاد بھی ہوگیا" اور یہ کہہ کر نواب صاحب نے نوبہار کو سینہ سے لگا لیا۔

"حضور گرمی ہے۔ باہر چھپر کھٹ پر تشریف لے چلیں"

نواب صاحب نوبہار کے کندھے پر ہاتھ رکھے چبوترے پر آئے اور چھپر کھٹ پر بیٹھ گئے۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور شعر پڑھا ؎

آج ہم روئے بہت دیکھ کے تصویرِ شباب یاد تازہ ہوئی بھولے ہوئے افسانوں کی

"میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ یہ شعر حضور کو بہت پسند آئے گا!"

"اور تجھے نہیں پسند آیا۔ یہ بڑھاپے کی تسکین کے لیے ہے۔ تو تو ابھی ایک کلی ہے جو ابھی چٹکی اور بڑھ کر پھول ہو رہی ہے تجھے بڑھاپے سے کیا کام"

"نہیں سرکار۔ آپ کو جتنی محبت میری جوانی سے ہے مجھے اتنی ہی محبت آپ کے بڑھاپے سے ہے۔ میرا دل آپ کی طرف کھنچتا ہے"

"سچ"۔ نواب صاحب چھپر کھٹ پر لیٹ گئے۔ نوبہار نے باریک جالی کے پردے کھول دیئے۔

"بیٹھ جا نوبہار" وہ زمین پر چھپر کھٹ کے پاس پٹی پر دونوں ہاتھ رکھ کر

بیٹھ گئی۔

"نہیں، نہیں، اوپر یہاں بیٹھ!" نوبہار پٹی پر بیٹھ گئی۔ نواب صاحب اس کے چہرہ کو بڑی حسرت سے دیکھ رہے تھے اور بولے۔

"تجھے دیکھ کر نئے سرے سے جان آجاتی ہے۔ میں بڈھا کب کا مر چکا ہوتا۔ تو ہی مجھے زندہ رکھ رہی ہے!"

"حضور ایسی باتیں نہ کیجئے خدا نہ کرے!"

"مرنا برحق ہے!"

"حضور رات کے وقت ایسی باتیں نہ کیا کریں مجھے وہم آتا ہے۔ خدا آپ کو زندہ رکھے جب تک گنگا جمنا میں پانی ہے!"

"اچھا وہ شعر"

"اس شعر کو جانے دیجئے۔ موا رونا شعر ہے۔ کسی رونے بڈھے کا کہا ہوا۔ اور آپ تو لاکھوں جوانوں سے بہتر ہیں"

"مجھے بہلا رہی ہے نوبہار"

"نہیں حضور دل کی بات ہے۔ کیسے اپنا دل چیر کے دکھا دوں حضور کو"

"خیر جب تک تو میرے سامنے ہے میں جوان ہوں ع
ہوا رہ مرا عید زدیدار تو ہوار اچھا مجھے غنودگی معلوم ہوتی ہے.... آ جاؤ!"

چار لونڈیاں بالکل نوبہار کے سے کپڑے پہنے ہوئے سب قبول صورت اور طرحدار، زینہ چڑھتی ہوئی چبوترے پر آئیں اور چھپر کھٹ کے پاس بیٹھ گئیں۔ دو پائینتی بیٹھ کر پاؤں دبانے لگیں اور دو اِدھر اُدھر پٹی کے پاس بیٹھ گئیں۔ نوبہار سرہانے بیٹھ کر حضور کے سر میں تیل لگانے لگی۔ تھوڑی دیر میں حضور آرام کر گئے۔

(۶)

نوبہار چھپر کھٹ کے پاس سے دبے پاؤں کھسکی اور چپکے چپکے زینہ اتر کر سڑک پر آئی لپکتی ہوئی لونڈی خانہ کی طرف جا رہی تھی کہ ایک جوان سپاہی وردی پہنے ڈنڈا لیے اس کے سامنے آیا اور سینہ پر ہاتھ مار کر بولا "ہائے رے"

نوبہار کچھ مسکرا کر بولی "ہٹ مونڈی کاٹے۔ میں تیری بات کی طرح دیتی ہوں تو تو سر پر ہی چڑھا آ رہا ہے۔ مردہ مرتا بھی نہیں بڑا عاشق بنا ہے"

"کسی دن دل میں چھرا بھونک کر ختم کر دونا"

"ہٹ ادھر سے نہیں میں زور سے ڈانٹ دونگی اور ابھی ٹھاکر جی آکر تیرا دم نکال دیں گے"

"ارے خفا نہ ہو۔ ہم اپنے دل کی حسرت یوں ہی نکال لیتے ہیں بھلا چھو سکتے ہیں تم کو۔ تم تو خاصے کی چیز ہو"

"دیکھ موئے...."

"اچھا سنو تو ایک بات ہے"

"کیا؟"

"ارے تمہارے عاشقوں کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ نواب زادے تو سب بڑے آدمی ہیں۔ وہ چھوٹک اب مر ہی جائے گا"

"کیوں کیا ہوا اس موئے کو"

"بتاؤ نہیں بتاتے۔"

"اللہ بتا دو۔ مجھے رات بھر خیال رہے گا۔ نیند نہیں آئے گی۔"

"اچھا سنو۔ مگر ہم کیوں بتائیں۔ تم جا رہی تھیں جاؤ۔"

"اچھا۔ تو جیسے ہم مر ہی تو جائیں گے۔ میری جوتی کی نوک پہ ہو تم اور چھوٹک دونوں" یہ کہہ کر عجب ناز سے اس نے اپنا منھ پھیر لیا اور قدم آگے بڑھایا۔

"سنو تو۔ چھوٹک تو تمہارے اوپر عاشق ہے"

"یہ کون سی نئی بات ہے، ہاں اس موئے بڈھے کو بڑھبس لگی ہے"

"اب ایسی بات تو نہ کہو ہمارے نواب صاحب سے تو چھوٹک چھوٹا ہی ہے"

"ارے مردے مجھے کچھ کہنا بھی ہے کہ یوں ہی میرا راستہ کاٹ رہا ہے"

"خیر سنو۔ منشی جی کو تم جانتی ہو۔ کتنے پہنچے ہوئے آدمی ہیں۔ چھوٹک نے ان کی خوب چلمیں بھریں پاؤں دبائے اور کچھ کھلایا بھی ہو گا۔ منشی جی تو بغیر اس کے آگے بڑھتے نہیں۔ خیر منشی جی نے اسے ایک وظیفہ بتایا۔ ادھر کنواں ہے نہیں۔ اس میں پیر لٹکائے اب بھی وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ کئی دن ہوئے پڑھتے ہوئے اور روز منشی جی سے کہتا ہے مؤکل تو آتے ہیں مگر معشوق نہیں آتا۔"

"مؤکل! سچ مچ کے؟"

"مؤکل جانتی ہو کون ہیں۔ ہم رجب علی۔ بکھنی۔ دلآرام۔ کرم الدین بس ہم سب ہیں۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے کوئیں کی طرف منہ کیے بیٹھا ہے اور اسکی پیٹھ ہماری طرف ہے اور ہم لوگ خوب آواز بنا کر باتیں کرتے ہیں۔ آؤ چلیں وہاں تماشا رہے گا۔"

نوبہار کچھ ہچکچائی اور خاموش رہی۔

"تمہیں ڈر لگتا ہے تو نہ جاؤ۔"

"نہیں میں چلونگی۔ تیری مجال پڑی ہے کہ مجھے انگلی بھی چھوا ئے۔ وہ ڈانٹ دونگی کہ بھاگ کر جی اکر تیری کھوپڑی توڑ دیں۔"

"اچھا چلو"

وہ دونوں کنوئیں کے پاس آئے۔ یہ کنواں قصر الفضا کی اتری دیوار کے پاس تھا اور اس پر ایک بڑا پیپل کا پیڑ سایہ کیے ہوئے تھا۔ چھوٹک اس کنوئیں کی جگت پر اندر پیر لٹکائے بیٹھے تھے۔ انکی آنکھیں بند تھیں اور وہ کافی زور زور سے یہ وظیفہ پڑھ رہے تھے "مدارک کروگے سجن مچھلنڈر کو"

نو بہار چونک کر دھیرے سے بولی "یہ مردہ پڑھ کیا رہا ہے۔"

"منشی جی کا مذاق تو ہے ہی۔ کیا وظیفہ بتایا ہے۔ اور روز منشی جی دلاسا دیتے ہیں کہ اکھوا پھوٹنے والا ہے اور نکلنے ہی والی ہے دُم۔"

نو بہار بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اچھا دیکھو اب ہم مؤکل بنتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے ایک کھنکھار لی اور غوں غوں کرکے بولا "ہمارے مالک حضور چھوٹک صاحب۔ آپ کا یہ ناچیز مؤکل بڑی مشکل میں ہے۔ آپ کا معشوق عجب معشوق ہے۔ ہما سنکھوں برس مؤکلی کرتے ہوگئے اور آپ کا سا معشوق نہیں دیکھا۔ خیر ہمیں بھی تخت سلیماں کی قسم تھی آج اس کو پکڑ ہی لائے۔"

چھوٹک کی پیٹھ پر پیپل کے پتوں کا عکس کچھ ہلا اور وہ وظیفہ کو زیادہ جلدی جلدی پڑھنے لگے۔ حمید نے نو بہار کو اشارہ کیا اسے یہ کھیل سوجھا اور وہ بولی۔

"ارے ہمیں کیوں کا جز کیا ہے۔ ہمیں یہ مواد ہیاتی بڑھا ہ"

اکثر ٹہلا کرتے ہیں۔ کیا معلوم کیا درد ہے دل میں اور کس کے لیے ہے؟"

"وہیں اسکول میں کوئی ہوگی میم ویم"

"نہیں"

"تو کیا تمہارے اوپر عاشق ہیں"

"وہ تو کسی طرف دیکھتے ہی نہیں۔ خیر ہٹو نہیں کیا۔ لاؤ روپے ڈھیلے کرو"

"کیسے؟"

"ہونھ۔ کیسے۔ میری ذات سے تو ملے"

"مگر وہ تو پیر کی فاتحہ کے ہیں"

"ہونھ۔ ہوں۔ جیسے مؤکل۔ ویسے پیر۔ ویسا وظیفہ۔ روپے دسوں

"نہیں تو میں چھوٹک سے سب بھانڈا پھوڑے آتی ہوں"

"اچھا آدھے لے لو"

"نہیں میں سب لونگی"

"دیکھو چھوٹک منشی جی سے کہہ کر شروع کریں تو وہ لے لیں گے۔ اب پانچ تم لے لو۔ وہ ہمارے بھی حساب منشی جی سے بتا دیں گے۔ تمہارے پانچ کو منشی جی کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ بھی تو۔۔۔"

"دیکھو اب بک بک نہ لگا"

"دیکھو تم بے فضول کی ضد کرتی ہو۔ منشی جی کا بیچ ہے۔۔۔ اور میرا پیرا خالی ہے"

روپے چھمیا کے ہاتھ ہی میں تھے۔ چھمیا نے جھپٹا مار کر چھینے۔ ایک دو گر پڑے اور باقی دونوں کی طرح [illegible]۔ چھمیا کرنے ہی تھا کہ چپنے جمعدار کا خیال آیا اور گرے ہوئے روپے ڈھونڈھنے لگا۔ ایک [illegible]

"خیر" کہکر وہ اپنے پہرے کی طرف واپس ہوا۔ دل میں کہہ رہا تھا کہ "للا کی تیز ہونڈیا ہے۔ ایسے مگر نواب صاحب کے خاصے کی ہے۔ بڑے نواب تک تو جی مسوس کے رہ گئے۔ ہم سے کچھ ہنس کر بول تو لیتی ہے!"

(۷)

حسب معمول بعد نماز صبح نواب صاحب ایک پہر دن ڈھلے تک آرام گاہ کے اندر والی چھپر کھٹ پر آرام کرتے رہے۔ نوبہار ان کو بیدار کرانے آئی اس کے تمام کپڑے گلابی تھے اور اس کا مسکراہٹ سے کھلا ہوا چہرہ بھی گلاب کے پھول کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ ایک سارنگی لیکر وہ سرہانے کھڑی ہوئی اور تاروں کو چھیڑا۔ نواب صاحب نے آنکھیں کھول دیں اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرہ پر اور زیادہ سرخی نمایاں ہوئی۔ سارنگی رکھکر اس نے سہارے سے نواب صاحب کو اٹھا کر بٹھا دیا۔

چھپر کھٹ سے اُٹھ کر نواب صاحب داہنی جانب والی محراب کا پردہ اُٹھا کر پاخانہ میں گئے۔ نوبہار چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب پھر آرام گاہ میں آئے اور آواز دی "یہاں آؤ"

دو نوکر حاضر ہوئے اور بائیں طرف والی محراب کا پردہ اُٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ نواب صاحب پردے کے اُدھر آبدار خانہ میں داخل ہوئے۔ یہاں وہ ایک پتھر کی چوکی پر اُکڑوں بیٹھ گئے اور دونوں نوکر سلفچی اور آفتابہ اُٹھا کر

منھ دھلوانے لگے۔

نواب صاحب منھ دھو ہی رہے تھے کہ سامنے کی محراب کا پردہ اُٹھا اور ایک صاحب آبدار خانے کے اندر آئے۔ ان صاحب نے جھک کر حضور کو سلام کیا اور جیب میں سے ایک بڑی کنجی نکال کر آرام گاہ کی محراب کے سامنے جو دروازہ تھا اس کا قفل کھولنے لگے۔ یہ دروازہ ایک کمرے کا تھا جسے توشہ خانہ کہتے تھے۔ یہاں نواب صاحب کے کپڑے وغیرہ رکھے رہتے تھے۔ منھ دھونے کے بعد نواب صاحب اس کمرے میں گئے اور کپڑے بدل کر آبدار خانے میں ہوتے ہوئے بیٹھک میں آئے۔

اس حصہ میں جو نشست یا بیٹھک کہلاتا تھا ایک طرف محرابیں تھیں جن پر پردے پڑے تھے۔ ان پردوں کے اِدھر بارہ دری کے بیچ کا حصہ تھا۔ ان محرابوں کے سامنے والی محرابیں کھلی ہوئی تھیں اور ان کے بعد کوئی دس گز چوڑا چبوترہ دکھائی دیتا تھا۔ بیٹھک میں تین تخت الگ الگ اندر والی محرابوں سے ملے بچھے ہوئے تھے۔ بیچ کے تخت پر مسند بچھی تھی اور مخمل کا گاؤتکیہ لگا ہوا تھا۔ اِدھر اُدھر والے تختوں پر قالین بچھے تھے اور سفید کپڑے کے گاؤ رکھے تھے۔

نواب صاحب بیچ کے تخت پر گاؤ سے لگ کر بیٹھے۔ دو نوکر آکر اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے۔ ایک چنور ہلانے لگا اور دوسرا پنکھا جھلنے لگا۔

داروغہ دوا خانہ ایک کشتی میں متعدد ٹھنڈائیاں ایک آدمی کے سر پر رکھوائے ہوئے حاضر ہوئے۔ نواب صاحب کے سامنے یہ کشتی رکھی گئی داروغہ نے سب ٹھنڈائیوں میں سے ذرا ذرا سی چکھیں۔ حکیم صاحب تشریف لائے۔ یہ ادھیڑ سن کے صاحب تھے۔ انکے سر پر چوگوشیا ٹوپی تھی اور جسم پر

ایک سیاہ قبا۔ یہ تخت پر نواب صاحب کے قریب آکر بیٹھے۔ نبضیں دیکھیں
گردن ہلا کر بولے "ماشاءاللہ حضور ماشاءاللہ۔ بھئی داروغہ صاحب یہی دوائیں
رہیں گی"۔ حضور نے دواؤں کے پیالے اٹھا اٹھا کر پیے۔ ایک نوکر لوٹا
لیئے آگے آیا اور نواب صاحب نے سامنے رکھے ہوئے اگالدان میں کلّی کی
ایک نوکر نے سونے کا خاصدان کھول کر حضور کے آگے بڑھایا۔ حضور نے
پان کھایا۔ ایک اور نوکر پیچوان لیکر آیا اور کمرے کے بیچ میں زمین پر رکھ کر
چلا گیا۔

سامنے چبوترے پر کسی شخص کے پیر کی چاپ سنائی دی۔ نواب صاحب
نے فرمایا "کون ہے"

"میں ہوں حضور" آواز آئی۔

"اچھا لالہ۔ آؤ۔ آؤ بھئی" حضور نے جواب دیا۔

لالہ مدن بہاری لال نے آکر نواب صاحب کو سلام کیا اور مسند کے
کونے پر بیٹھ گئے۔ حکیم صاحب وغیرہ سلام کرتے رخصت ہوئے۔ حضور بولے
"کوئی خاص بات ہے"

"کچھ نہیں۔ یہی کاغذات وغیرہ ہیں"

"یہ کام تو میں نے برخوردار سلطان نواب کے سپرد کر دیا تھا"

"مگر دستخط تو بہر حال حضور کبھی ایک نگاہ ڈال لیا کریں اور آپ ہی دستخط
کر سکتے ہیں تو بہتر ہے حضور"

"اچھا۔ تخلیہ" نواب صاحب نے کہا اور دونوں نوکر باہر چلے گئے۔
اب نشست میں نواب صاحب اور ان کے مدار المہام ہی رہ گئے تھے۔

"حضور کسی طرح اخراجات سنبھالے نہیں سنبھلتے۔ آمدنی پانچ ہزار

سرکار انگریزی سے وثیقہ اور خرچ پچاس ہزار اور موقع بے موقع وقت بے وقت کے متفرقات کو چھوڑ کر۔ ادھر خزانہ تین حصے خالی ہو چکا ہے۔ حضور کسی دن خزانہ میں تشریف لے چلیں!"

"مجھے بڑی تکلیف ہوگی وہاں کی سب حالت دیکھ کر۔ میں جانتا ہوں کہ میں ایک ریت کے ٹیلے پر کھڑا ہوں اور میرے پیروں کے نیچے سے ریت برابر کھسک رہی ہے"

"حضور نے اخراجات بہت کم کر دیے ہیں۔ فیل خانے کے ہاتھی سب بانٹ دیے اور اونٹ بھی۔ مہمان خانہ پر جب سے بجلی گری اس کو بنوایا ہی نہیں گیا اور یہیں بہانہ مل گیا مہمانوں سے معذرت کا۔ اسی طرح بہت سے اخراجات میں ترمیم ہو گئی ہے"

"میرا خیال ہے کہ اب یہ چڑیا خانہ ہی مد فاضل رہ گیا ہے۔ اسے بھی ختم کر دوں"

"مگر حضور یہی تو آپ کا شوق رہ گیا ہے۔ اصل میں تو کوئی اخراجات کم ہو ہی نہیں سکتے۔ اصطبل ضروری ہے اور اب گھوڑے بھی کوئی بار ہو گئے ہیں"

"اور میں باہر بھی نہیں نکلتا اب بالکل۔ باہر نکلنے میں خرچ ہوتا ہے۔ اچھے جوڑے ہر طرح وضعداری نبھانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد میاں سلطان نواب کی باری ہے"

"حضور کو خدا قیامت تک زندہ رکھے پر حضور کے بعد دونوں محل میں نہیں رہ سکتا۔ سب الگ ہو جائیں گے اپنی اپنی ٹکڑی اور اپنا اپنا راج"

"وہاں دیکھو بھئی سلامت علی خان۔ بھائی ذوالقدر علی خاں اور

سب کے یہاں سب الگ الگ ہو ہی گئے کیا کرتے کہاں سے لاتے؛
"جی حضور" لالہ جی نے بستہ کھولا۔ قلمدان اور کاغذات نکالے۔
"جی حضور یہاں دستخط" کہتے گئے اور نواب صاحب دستخط کرتے گئے۔
لالہ جی نے بستہ باندھا اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "حضور اجازت ہے"
نواب صاحب نے پیچوان منہ میں لگاتے ہوئے کہا "اچھا... بڑے نواب دفتر کا کام دیکھتے رہتے ہیں"
"جی سرکار۔ اس وقت دفتر ہی میں ہیں"
اور سلام کر کے لالہ جی رخصت ہوئے۔ مصاحبین ایک ایک کر کے آتے گئے اور ادھر اُدھر کے تختوں پر بیٹھتے گئے۔ حضور پیچوان سے شوق فرما رہے تھے اور چہرے سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کسی خاص فکر میں ہیں۔ میر کلو نے سامنے آکر جھک کے تسلیم کی تو انگرکھے کی آستین اُنگلیوں سے اوپر آکر لٹک گئی۔ حضور ہنس دیے اور سب مصاحبین بھی۔ میر کلو بولے۔
"حضور آپ کا انگرکھا بھلا کچھ فرق تو ہونا چاہیئے ہی"
حضور نے مسکرا کر کہا "ٹھیک ہے"... "یہ کیوں کیا ہے؟" یہ الفاظ حضور نے اس چوبدار سے کہے جو سامنے چبوترے پر آکر ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا تھا۔
"حضور عالی جاہ۔ خاص محل کی محلدار آئی ہے" چوبدار نے کہا۔
"سامنے آئے" حکم ہوا۔
محلدار ایک کالی موٹی چکلی عورت چبوترے پر سامنے آئی۔ اس کا پھولا ہوا سپٹری دار لہنگا اور موٹے کپڑے کا دوپٹہ اسے اور بھی زیادہ بھدا دکھا رہے تھے۔ اس عورت نے جھک کر سلام کیا اور عرض کی۔
"ہماری سرکار بیگم صاحب نے یاد فرمایا ہے"

"اچھا چلو ہم آتے ہیں"

(۸)

نواب صاحب نے خاص محل کی ڈیوڑھی پہ قدم رکھا۔ محلدار ڈیوڑھی سے محل کے اندر آئی اور آواز لگائی، ہوشیار ہو جائے۔ حضور عالی جاہ تشریف لاتے ہیں"

نواب صاحب باواز بلند آتش کا یہ شعر پڑھتے ہوئے محلسرا میں داخل ہوئے ؎ یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے ٭ ہم اور بلبل بیتاب گفتگو کرتے۔

یہ بڑی محلسرا ایک کشادہ جگہ تھی۔ ڈیوڑھی کے سامنے ایک لمبی چوڑی انگنائی کے بعد ایک عالی شان شاہ نشین بنی تھی یعنی آگے ایک بڑا محرابوں والا برآمدہ تھا اور اس کے پیچھے کچھ دریچے اوپر چڑھ کر ایک اور بہت بڑا کمرہ سا تھا۔ انگنائی کے داہنی طرف ایک بڑا کمرہ تھا جس میں اونچے اونچے دروازے لگے تھے۔ اس کمرے کے اِدھر اُدھر ایک ایک کھلی محراب تھی جس کے نیچے ہو کر اس محل سے ملے ہوئے محلوں میں راستے تھے۔ انگنائی کے بائیں طرف ایک لمبا برآمد تھا جو نوکروں ملازموں کے لیے تھا۔

نواب صاحب شاہ نشین کے پہلے حصہ میں تشریف لائے۔ اوپر کے حصہ میں ایک لمبے تختوں کے چوکے پر مسند تھی جس پر گاؤ سے لگی ہوئی بڑی بیگم صاحب یعنی خاص محل بیٹھی تھیں اور اِدھر اُدھر بہت سی بیگمات تھیں۔ یہ سب نواب صاحب کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ نواب صاحب تختوں کے پاس آئے۔ سب

بیگمات نے جھک جھک کر تسلیمیں کیں اور نواب صاحب نے ایک ایک کی طرف دیکھ کر دعائیں دیں۔ بڑی بیگم نواب صاحب کی تعظیم میں مسند پہ ہاتھ ٹیک کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور نواب صاحب آکر ان کے پاس بیٹھ گئے۔

بیگم صاحب نواب صاحب کی ہمسن ہی ہونگی۔ نہایت بوڑھی مُنہ پہ تمام جھرّیاں پڑی ہوئی مگر رنگ جیسے میدے میں شہاب۔ چہرہ سے شان ٹپکتی تھی حالانکہ جسم نہایت دُبلا اور نحیف تھا۔ یہ سُرخ رنگ کا لمبا پائینچوں دار پاجامہ پہنے تھیں اور پائینچوں کا ڈھیر ان کے سامنے لگا تھا۔ سر پہ چکے بیٹھے کا سُرخ دوپٹہ تھا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں، ناک میں نتھ اور کانوں میں لمبے لمبے بندے تھے۔ اس بڑھاپے میں بھی سب سنگھار کی اس لیے ضرورت تھی کہ ابھی سہاگن تھیں۔

نواب صاحب نے بیگم صاحب سے دریافت کیا۔

"کیوں بیگم کاہے کے لیے بُلایا؟"

"کچھ خاص مشورہ کرنا ہے"۔

"تختوں پر تمام بیگمات اب تک کھڑی تھیں۔ نواب صاحب نے انکی طرف دیکھ کر کہا "آئیں تم لوگ اب تک کھڑی ہو بیٹھو بیٹھو"! اور ہر ایک اپنے پائینچے سنبھالتی ہوئی بیٹھ گئی۔

ہماری انجو نہیں دکھائی دیتی "نواب صاحب نے کہا اور ایک بیگم کی طرف مخاطب ہو کر بولے "اے بہو صاحب، سلطنت بہو انجو کہاں ہے"؟

"حضور ابا جان وہ آ ہی رہی ہوگی بیقرار تھی آپ کے دیکھنے کے لیے"

سلطنت بہو نے کہا اور انگنائی کی طرف دیکھ کر بولیں "وہ آ رہی ہے"

[illegible] ہی ہے"، نواب صاحب نے کہا اور مسکرائے۔
[illegible] بیگم نواب صاحب کے چھوٹے صاحبزادے کی سب سے چھوٹی لڑکی [illegible] والدین کے محل سے نکل کر انگنائی میں آگئی تھی اور شاہ نشین کی طرف آرہی تھی۔ یہ لڑکی گلشن شباب کی نوشگفتہ کلی تھی اسکی والہانہ چال، آزادی، اور الھڑپن سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ عالم جوانی کی مستی کا پہلا نشہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے، اس کی چال قیامت تھی اور اسمیں عجب توازن عجب قدرتی رقص پیدا تھا۔ ریشم کا چھوٹا پاجامہ پہنے سر سے رو پٹہ اوڑھے جسم لہراتا ہوا وہ اس طرح آرہی تھی جیسے کہ کوئی نزاکت کا مجسمہ سامنے آرہا ہو۔ ہر ایک کی یہ رائے تھی کہ انجمن آرا پہ نزاکت ختم ہے اور ہر دیکھنے والے کے دل پر اس کا قد زیبا اس کی چال اور اس کا حسن ایک ایسی ہلکی تحریر بنا دیتا تھا جو ہمیشہ کے لیے نقش ہو جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بوڑھی عورت سفید کپڑے پہنے ہوئے آرہی تھی اور پیچھے ایک سیاہ فام لونڈی تھی۔

انجمن آرا شاہ نشین پہ آئی اور جھک کر سلام کیا۔ اس کے گورے چہرہ پہ ہلکی ہلکی سرخی۔ اس کے ہونٹوں پہ ہلکا تبسم اس کی جھکی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں میں جادو اور اس کے بشرے میں نزاکت کے ساتھ ایک بھولا پن ملا ہوا تھا۔ غرضکہ وہ ایک عجیب مجسمۂ حسن و نزاکت تھی جس پر ہر بیگم کی نگاہیں جمی ہوئی تھیں باوجود اس کے کہ وہ اسے ہر وقت دیکھتی رہتی تھیں۔ نواب صاحب کو بھی اسے دیکھ کر یہ خیال ہوتا کہ ان کے خزانے میں ایک اتنی بیش بہا حسن و نزاکت کی ہمہ تن تصویر موجود ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا۔

"یہاں آؤ بیٹی۔ میرے پاس آ میری پیاری بچی"

انجمن آرا عجب انداز سے جوتی اتار کر تخت پر آئی اور نواب صاحب کے پاس جا بیٹھی۔ نواب صاحب نے اسکی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

"اتنی دیر کہاں ہو گئی تھی بیٹی"

"وہ میں دادا ابا۔ گڑیوں کو صندوق میں رکھ رہی تھی"

"آئیں۔ اب تم کب تک گڑیاں کھیلتی جاؤ گی۔ اب تم ماشاءاللہ جوان ہو" بیگم صاحب جو انجمن آرا سے کچھ ناراض سی رہتی تھیں بولیں "آپ نے اس لڑکی کو لاڈ میں خراب کر دیا۔ ابھی کل تک ہر وقت آپ کے ساتھ باہر رہتی تھی۔ اب پانچ چار برس سے پردے میں بیٹھی ہے تو بھی وہی مردوں کی خصلتیں آگئی ہیں کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں صاحبزادی کو"

"ابھی بچہ ہے بیگم"

"واہ کیا خوب بچہ ہے۔ میری لڑکی کو دیکھئے۔ دو برس چھوٹی ہی ہے آشدو میرے پاس"

ایک نوجوان لڑکی کچھ موٹی گدبدی سی، چھوٹا قد، گورا رنگ، ناک نقشہ اچھا خاصہ، آنکھیں ذرا چھوٹی اور چہرہ پر ذرا بھدا پن اٹھ کر بیگم صاحب کے پاس آبیٹھی۔ بیگم صاحب فرمانے لگیں:

"دیکھیے۔ ان دونوں کے دوپٹہ اوڑھنے ہی میں فرق دیکھ لیجئے"

نواب صاحب نے دونوں لڑکیوں کو غور سے دیکھا۔ شاہ آرا بیگم عرف شدو بہت ہی باقاعدہ دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی اور اس کا سر اور کان پورے ڈھکے ہوئے تھے۔ آنچل باقاعدہ بائیں کندھے پر پڑے تھے۔ انجمن آرا کا دوپٹہ سر سے بھی ڈھیلا تھا۔ مانگ دکھائی دے رہی تھی اور کانوں پر سے اس قدر لٹک آیا تھا کہ گلا صاف دکھائی دیتا تھا۔ نواب صاحب نے شدو کو دیکھ کر

[illegible] کو دیکھا تو لبوں پر مسکراہٹ آ ہی گئی اور بولے۔

"بیگم میرے پیار کرنے میں اس کا دوپٹہ نادرست ہو گیا۔ بیٹی آنچل ٹھیک کر لو۔"

"اے ہے" بیگم صاحب نے جھنجھلا کر کہا "آپ کی اس بے جا طرفداری ہی سے لڑکی کو شہ ملتی ہے اور وہ بگڑتی ہی چلی جا رہی ہے۔ آخر پرائے گھر جانا ہے اس کو!"

"اچھا جانے بھی دیجئے۔ آپ کی لڑکی اچھی سہی۔ اور رشدہ بھی تو میری بچی ہے۔ آ رشدہ میں تجھے پیار کروں"

شاہ آرا آگے بڑھی اور نواب صاحب نے اسکی پیشانی پر بوسہ دیا۔

نواب صاحب بولے۔

"بیگم بات یہ ہے کہ اپنی جگہ پر یہ دونوں لڑکیاں اچھی مگر دونوں مختلف ہیں اور مجھے انجو ہمیشہ سے زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے"

"آپ ہمیشہ سے انجو کی طرفداری کرتے ہیں۔ رشدہ ہمیشہ رو رو آتی تھی کہ دادا ابا نے انجو باجی کو گود میں لیا مجھے تو گود میں نہیں لیا!"

"خیر یہ سب باتیں جانے دو۔ ہاں بھئی لڑکیو تم نے ہمارے انگرکھے پہ بوٹیاں بنا لیں؟"

"جی ہاں دادا ابا۔ کل تک ختم کر لونگی" رشدہ نے کہا۔

"اور تم نے انجو؟"

"میں بھی کل تک ختم کر دونگی"

"اونہہ" بیگم صاحب بولیں "صاحبزادی نے ابھی تک شروع بھی نہ کیا ہوگا"

"شروع تو اُسی دن کر لیا تھا مگر ابھی باقی ہے" انجو نے سر جھکا کے کہا۔
نواب صاحب اس بوڑھی عورت کی طرف متوجہ ہوئے جو انجمن آرا کے ساتھ آئی تھی اور دالان میں اپنے پائینچے ہاتھ میں سنبھالے کھڑی تھی اور کہا۔
"کیوں بی ہرمزی خانم یہ کیا؟ میں نے تم کو اتالیق کاہے کے لیے رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انجو کوئی کام نہیں کرتی اور تم بھی کوئی دیکھ بھال نہیں کرتیں۔ اب گڑیاں الگ کرو"
ہرمزی خانم نے اپنے خاص لڑکھڑاتے ہوئے لہجہ میں کہا "ارے حضور عالی جاہ میں کیا کروں بیگم کا دیدہ ہے کہ لگتا ہی نہیں۔ ڈانٹ کے تھک گئی گھرک کے تھک گئی حضور عالی جاہ مگر کچھ اثر ہی نہیں"
"اس کے معنے تو یہ ہوئے کہ تم نااہل ہو"۔
"اب جو حضور کی رائے"
"اچھا تو بیگم کیا کیا کرتی ہیں"
"وہی کچھ دیوان۔ داستانیں دیکھتی ہیں اور ہمارے صاحبزادے صاحب وہ بھلا سا نام ہے وہ اخبار کبھی کبھی بھجوا دیتے ہیں وہ دیکھتی ہیں"
بڑی بیگم بولیں "یہ اخبار نگوڑا کیا ہے۔ خدا غارت کرے اُس کو۔ یہ نئی ہی نکالتے ہیں موئے"
نواب صاحب بولے ہاں وہ اِدھر اُدھر کی خبریں چھپوا کے کچھ ہنسی مذاق کی باتیں نکالتے ہیں اودھ پنچ "میں چندہ تو میں نے بھی دیا مگر اخبار کا کوئی پتہ ہی نہیں۔ میں پڑھتا وڑھتا نہیں ہوں۔ مگر عورتوں سے اُسے کیا سروکار میں کہتا ہوں یہ اکبر نواب کیا کرنا چاہتا ہے"
بڑی بہو صاحب بڑے نواب کی بیوی تھیں اور ہر وقت بڑی بیگم صاحب

کے ہر کام میں دخیل تھیں۔ اس وقت وہ بیگم صاحب کی مسند سے لگی ہوئی بیٹھی تھیں۔ وہ بولیں۔

"پاگل ہیں اچھے خاصے"

نواب صاحب ہنسے "بھئی یہ تم دیور بھاوج کی بات ہے۔ ہاں مگر اکبر کے خیالات کو یہ کرار مرحوم نے بگاڑا تھا!"

"چھوٹے عمو تو بالکل سڑی تھے ابا جان۔ گھر میں آتے تھے تو میں ڈر جاتی تھی کہ کہیں مارنے نہ لگیں"

"میں نے تو اس کا نام لنگور رکھا تھا۔ اس کی ارواح نہ شرمائے۔ جب کبھی آتا تھا تو پکارتا تھا مرحوم کہ یہ لنگور آیا ہے سنبھل کر بیٹھ جائیے بھابھی جان۔ ہائے مگر جوان مرگیا" بیگم صاحب نے کہا۔

"اس کو تو بیگم ضد تھی ہماری بات سے۔ وہ یاد ہوگا آپ کو شادی کے موقع پر آپ آخر بھاوج تھیں کتنا کتنا آپ نے سمجھایا مگر ایک نا ہزار نا۔ آخر خاندان میں دھبہ لگا ہی لیا۔ اب حمید رہے ہر طرح اچھا لڑکا ہے مگر کون خاندان میں شادی کرے گا۔ غیر کفو ہے۔ اور میاں اکبر ہر وقت ان کی دُم کے پیچھے"

"حضور ابا جان میں نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا تب تو انھوں نے حمید کا اپنے گھر میں آنا بند کیا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا ان کے۔ بس مجھ سے ٹھیک رہتے ہیں"

"خیر" کہہ کر نواب صاحب پھر ہرمزی خانم کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے "اور کیا کرتی ہیں بیگم؟"

"بس ایک دھن ہے حضور۔ لکھنا سکھا دیجیے۔ لکھنا سکھا دیجیے۔

"آئیں" نواب صاحب نے بڑے زور سے کہا اور ان کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا "آئیں۔ انجو یہ کیا ہے لکھنا؟ ہمارے خاندان میں لڑکیاں نہیں سیکھتیں۔ ہماری ناک کٹ جائے گی۔ بس حد ہو گئی۔ ہمارے خاندانی طریقوں میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔ ہمارا حکم اٹل ہے کس کو خط لکھنے کی شدت پڑی ہے جو لکھنا سیکھنے پر جان جاتی ہے۔ ابھی تو پوری جوان بھی نہیں ہوئی ہو صاحبزادی۔ کھلانے سونے کا نوالا اور دیکھے خون کی نگاہ۔ بس حد ہو گئی۔"

انجمن آرا بیچاری سہم گئی۔ اس کا نازک بھولا چہرہ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔ کانپنے لگی اور ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اس کی ماں نے جو بڑی بہو صاحب کے پاس ہی بیٹھی تھیں اشارہ کیا اور انجمن آرا نے فوراً اپنا سر اپنے دادا کے پاؤں پر رکھ دیا اور بولی۔

"حضور دادا با، تین خطائیں خدا معاف کرتا ہے ایک آپ معاف کر دیجئے۔ اب میں بھی لکھنا سیکھنے کو نہیں کہوں گی معاف کیجئے۔"

نواب صاحب کے چہرہ پر غصہ کے آثار دور ہو گئے اور وہ مسکرائے اور لڑکی کا سر اٹھا کر اپنے سینہ سے لگایا اور بولے۔

"ہاں۔ میری پیاری بچی تو ابھی بچہ ہے۔ ہمارے خاندان کے قاعدوں کا خیال سب سے پہلے فرض ہے..... اچھا وہ ہمارا انگرکھا!"

"وہ آپ کو کل تیار مل جائے گا!"

"یہ کیسے"

"تین رات دن بیٹھ کر بوٹیاں بنا ڈالوں گی!"

نواب صاحب کھل گئے اور بیگم صاحب کی طرف رخ کر کے بولے۔

"بیگم آپ نہیں سمجھتیں۔ یوں تو یہ دونوں میری دو آنکھیں ہیں مگر انجمن کو میں اس لیے زیادہ چاہتا ہوں کہ اس کا ذہن ماشاءاللہ تیز ہے۔ یہ کام نہیں کرے گی مگر جب کرنے پر آئے گی تو قیامت کر دیگی اور رشدہ مستقل کام کئے جائے گی تیزی نہیں دکھا سکتی"

"خوب گھر کی سلیقہ مند لڑکیوں میں تیزی کس کام کی۔ کمبخت تیزی مجھے نہیں اچھی لگتی"

"خیر جانے دو ان باتوں کو بیگم اچھا لڑکیو بتاؤ اس شعر کا مطلب ہے

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ہے ناز ہے کس کی

ہزاروں اٹھ گئے پھر بھی وہی رونق ہے محفل کی"

انجمن آرا کا چہرہ چمک اٹھا اور وہ بولی۔

"واہ خوب شعر ہے داد دا۔ خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ہے ناز ہے کسی کی؟ ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی"

"یہ دیکھیے اس کو شعر یاد بھی ہوگیا رشدہ کے پلّے بھی نہیں پڑا۔"

"دیکھو" بیگم صاحب جھنجھلا کر بولیں "لڑکیوں کو آپ کے ان شعروں سے کیا... اچھا تم لوگ سب اپنے اپنے کنارے جاؤ بس بڑی اور چھوٹی بہو صاحب یہاں رہیں"

(۹)

سب بیگمیں اپنی اپنی طرف چلی گئیں۔ ماں بھی دالان سے باہر نکل گئیں

بیگم صاحب نے بات شروع کی۔
"بات یہ ہے نواب صاحب کہ انجمن آرا کی بات چیت آئی ہے۔ اسی کے بابت آپ سے مشورہ کرنا تھا۔ اس لیے آپ کو تکلیف دی گئی"
"اچھا کہاں سے؟"
"نواب صفدر علی خاں کے یہاں سے آئے ہمارا ہی خاندان ہے۔ مجھ سے ذرا دور کا رشتہ ہے۔ مگر آپکی منجھلی بیگم کے تو بالکل قریب کے عزیز ہیں سگے چچا زاد اور سگے خالہ زاد بھائی"
"ہاں۔ ہاں یہ سب میں جانتا ہوں۔ لڑکے کو دیکھے ہوئے کچھ عرصہ ہوا مگر یاد ہے مجھے۔ کچھ دبلا بہت تھا سنا تھا کہ کچھ افعال بھی قابل اطمینان نہیں ہیں"
"جی ہاں وہاں کی محلدار نے بھی مجھ سے کہا ہے کہ صاحبزادے کو ایک رنڈی نے بھلا سا نام بتایا تھا اسکا تو اس نے گرویدہ کر لیا ہے۔ اسی سے ابتک ماشاءاللہ تیس برس کا سن ہوا شادی کرنے سے انکار کرتے رہے۔ مگر اب کچھ کچھ راضی ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ شادی ہونے پہ طبیعت بدل جائیگی ان کی ماں کو شادی کا بڑا ارمان ہے اور پھر سے گھر بھی سنبھل جائے گا۔ آگے ہماری لڑکی کی قسمت ہے"
"میں بھی کچھ برا نہیں سمجھتا۔ رنڈی ہونا تو ایسی بات نہیں اور اگر رنڈی کو نہ چھوڑا تو نہ چھوڑیں ہمیں اس سے کیا۔ ہماری لڑکی تو گھر کی بہو ہوگی۔ ایک اں کا دم ہے پھر گھر گرستی کی مالک بھی ہو گی۔ اور پھر جوڑا بھی ماشاءاللہ ٹھیک ہے۔ ہماری انجو کوئی سولہ برس کی ہو گی۔ کیوں سلطنت جہاں ہو"
"جی ہاں پندرہ پھر کے سولہواں لگا ہے۔ بیٹ کا ڈال کے سوا کی ہوتی"

"ہاں بس پندرہ سولہ کی یہ تیس بتیس کا وہ ٹھیک ہے جوڑا میری رائے میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے"

"اے حضور ابا جان" چھوٹی بہو نے کہا "آپ بزرگوں کے سامنے ہماری کیا رائے۔ جو آپ کی رائے ہو وہ میرے لیے بجائے حکم ہے"

بڑی بہو بولیں "ہم لوگ تو خدمتی ہیں۔ آپ جب حکم فرمائیں شادی کے سب کام کرنے لگ جائیں"

"مگر" نواب صاحب نے کہا "اگر ہے ....."

بڑی بیگم نے بات کاٹتے ہوئے کہا "اف وہ نواب صاحب۔ آخر ان ہی باتوں سے تو یہ لڑکے سیر ہوتے ہیں۔ اسکی تین لڑکیاں بیاہ چکے ہیں ہم"

"جی ہاں جتن بتن تو بہت کرتے ہیں چھوٹے بھائی مگر آپ رہنے دیجئے میں اسی سڑی سے نبٹ لونگی"

بڑی بیگم بولیں "تو پھر آپ کو تو کوئی عذر نہیں ہے۔ میں انکی محلدار کو بلوا کے کہدونگی"

"ہاں ہاں۔ کوئی ایسی بات نہیں" نواب صاحب نے کہا۔

(۱۰)

انجمن آرا بڑے محل سے اپنے والد کے محل میں آئی۔ اس محل کی عمارت بھی بالکل خاص محل کی طرح تھی مگر یہ حصہ بہت زیادہ چھوٹا تھا۔ یہاں دالان میں تختوں کے چوکے پر ایک چھپر کھٹ بھی پڑا تھا۔

انجمن آرا اس پر آکر بیٹھ گئی۔ پائنتی ایک کھٹولہ بچھا ہوا تھا جس پر اس کی لونڈی آکر بیٹھ گئی۔ یہ لونڈی انجمن کی ہمسن تھی۔ اس کا رنگ کالا کلوٹا تھا مگر ناک نقشہ درست تھا اور چہرہ پر نمک تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد انجمن آرا کلا کر بیٹھ گئی اور بولی "فضیلت جا لے تو آ میری تھیلی میں آج ہی دادا ابا کا انگرکھا ختم کر ڈالوں گی"

فضیلت پاس کی صحنچی میں سے تھیلی لائی۔ صحنچی میں ہرمزی خانم لیٹی پلنگ پر ڈھیر تھیں اور جیسی کہ ان کی عادت تھی منہ کھولے ہوئے خراٹے لے رہی تھیں۔

فضیلت نے تھیلی لاکر کھٹ پر رکھ دی۔ انجمن آرا نے انگرکھا نکالا، اپنے بائیں گھٹنے پر پھیلایا اور کشیدہ کاری میں مصروف ہو گئی۔ فضیلت انگنائی میں چلی گئی۔

کچھ دیر کے بعد فضیلت انجمن آرا کے پاس آئی۔ تخت پر کھٹ کے نیچے پیر کر کے بیٹھ گئی۔ انجمن آرا نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "ڈھیبوں؟ کیا ہے؟"

فضیلت نے صحنچی میں سوتی ہوئی ہرمزی خانم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ تو پہنچ گئیں"

"وہ تو؟" انجمن آرا نے کہا۔

"وہ تو [illegible] سے اُڑ رہی ہے"

"اچھا، وہ جن اماں دادی اماں کی طرف ہیں [illegible] تو چائے بنا میں ابھی آتی ہوں"

یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی۔ اس کا [illegible] چہرہ کچھ پیلا [illegible] ہو رہا تھا۔

جلدی جلدی وہ پاخانہ کی طرف چلی مگر قریب پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے کوٹھے پر چڑھ گئی۔ کوٹھے پر پہنچ کر اسے ایک سفید کاغذ کی کنکیا اڑتی ہوئی دکھائی دی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور کنکیا ڈھلتی ہوئی اس کے پاس آگری۔ اس نے کنکیا کو اٹھا لیا اور اس پر لکھی ہوئی حسب ذیل عبارت کو پڑھنے لگی:

”میری بیقراری دل بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ کوئی صورت قرار کی نہیں۔ ہم کو ایک دوسرے کو بھول جانا ہی ہوگا یا مجھ کو جان دے دینا ہوگا مگر ابھی تک تو سر کے جٹے جانے ہی کو جی چاہتا ہے۔ پھر کچھ روز سے ایک نیا شوق اٹھا ہے۔ ہمارے کالج میں ہم کو ایک انگریزی داستان پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں ایک عاشق ہے۔ اس کو اس کی معشوقہ کا باپ جادو کے زور سے قید کر دیتا ہے اور اس سے بڑے بڑے لکڑی کے کٹھے اٹھواتا ہے۔ وہ عاشق کہتا ہے کہ میری تکلیفیں مجھے کچھ بھی نہ معلوم ہوں گی اگر صرف دن میں ایک دفعہ میں اپنی معشوقہ کو دیکھ سکوں۔ ان الفاظ کو پڑھ کر میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ ایسی صورت ہو کہ میں بھی دن میں صرف ایک دفعہ تم کو دیکھ لیا کروں۔ گو مجھے یقین ہے کہ تم کبھی کبھی چھت پر آ جاتی ہو مگر یہاں سے تمہاری صورت صاف نہیں دکھائی دیتی۔ ہائے کیسے ہو۔ بہت دنوں سے سوچ رہا تھا۔ تین دن ہوئے جب ایک دوربین مل گئی جس سے دور کی چیزیں بالکل پاس معلوم ہوتی ہیں۔ میرے یہاں کوٹھے کی دیوار میں ایک جگہ میں نے ایک سوراخ بنا لیا ہے جو تمہاری طرف سے دکھائی بھی نہ دیتا ہوگا۔ اس سوراخ میں سے تمہارے گھر کے دالان کا پورب والا کونا اور

اس کے سامنے کی انگنائی کا کونا دکھائی دیتا ہے۔ تم کبھی اس کونے کی طرف آتی بھی نہیں۔ اگر دن میں ایک دفعہ ادھر آجایا کرو تو میں دوربین لگا کر دیکھ لیا کروں اور دل کو تسکین ہوجایا کرے۔"

انجمن آرا نے یہ تمام عبارت پڑھی اور کنکیا کو پھاڑ کر کاغذ کا لکھا ہوا حصہ اپنی چوٹی میں رکھ لیا۔ پھر جلدی جلدی زینے سے اُتر کر پاجامہ میں ہو کر اپنی چھپر کھٹ پر آ بیٹھی اور فضیلت سے انگرکھا لیکر بوٹیاں بنانے لگی۔

فضیلت بولی "ارے بیگم مجھے بھی بنانے دیجئے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ لے یہ دامن تو لے۔ میں یہ لیتی ہوں۔"

"خاصے کے بعد میں نوبہار کو بھی بلا لاؤنگی وہ بھی بنائے گی۔"

"ارے وہ تو کئی دنوں سے ادھر آئی ہی نہیں۔ بلا لانا...... اور دیکھ اُدھر جائے گی تو ان سے کہدینا کہ صبح کے وقت۔"

"بس صبح کے وقت۔"

"ہاں اتنا ہی۔"

(۱۱)

خاصے کے بعد بڑی بیگم صاحب آرام کرگئیں اور بڑی بہو صاحب اپنے محل میں آگئیں یہ محل بالکل اسی طرح کا تھا جیسا کہ چھوٹے نواب صاحب کا محل اس کا رخ پچھم کی طرف تھا۔ یہاں جس دالان میں شاد آرا کی چھپر کھٹ بالکل اس طرح بچھی ہوئی تھی جیسے دوسرے محل میں انجمن آرا کی۔

بڑی بہو صاحب یا گلزار بہو صاحب کی عمر کافی ہو گی مگر چونکہ ان کی کاٹھی اچھی تھی اس لیے زیادہ بوڑھی نہیں معلوم ہوتی تھیں ان کا چہرہ چوڑا چکلا تھا اور رنگ گورا جسم کافی بھاری بھر کم تھا۔ پائنچوں دار پاجامہ سے وہ شاندار معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے چہرہ پر سختی تھی اور ابرو پر بل پڑے رہتے تھے۔ انکی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑی ہوشیار عورت ہیں۔

وہ شاہ نشین والے تختوں کے چوکے پر آکر بیٹھیں اور لونڈی سے کہا "جا دیکھ چھوٹے نواب بارہ دری سے خاصہ نوش کر کے آ گئے اور آ گئے ہوں تو کہنا میں نے بلایا ہے"

کچھ دیر کے بعد صاحبزادے اکبر علی خاں عرف چھوٹے نواب عالم اندر آئے اور قریب آکر بولے۔

"اے آداب عرض ہے بھابی جان ... آج کیا تھا جو ہمیں یاد ہماری آئی"

"ایک مشورہ کرنا ہے"

"ہم سے اور مشورہ۔ ہم کو کسی بات سے کوئی مطلب نہ غرض واللہ ہم سے مشورہ" اور پھر اکبر نواب نے ہاتھ باندھ کر عرض کی "اچھا۔ جو حکم ہو حضور"

"بیٹھو تو پان کھاؤ" اور بڑی بہو صاحب نے خاصدان ان کے سامنے بڑھا دیا۔

اکبر نواب نے منہ میں پان رکھتے ہوئے کہا "یہ پان آپ کے ہاتھ کے ہیں نا بھابی جان" اور پان چباتے ہوئے بولے "واللہ ... اب تک وہی مزا ہے۔ وہی پرانا مزا"

بڑی بہو مسکرائیں اور بولیں "دوسری بات یہ ہے کہ انجو کی اب شادی ہونا چاہیے۔"

"واب آپ آگے نہ کہئے بھابی جان۔ میں سب سمجھ گیا۔ آپ اسے کہاں ڈھکیل دینا چاہتی ہیں"

"اچھا۔ یاد حشت۔ پھر چڑھا جنون"

"جنون تو اس دن سے ہے جس دن آپ یہاں بیاہ کے آئی تھیں۔ اسی دن سے ہم مجنون ہیں"

"ٹھینگا برابر تو تھے نہیں اور مجنون ہو گئے تھے"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا میں نے نہیں کہا تھا امی جان کو کہ بھائی صاحب کی شادی اور کہیں کر دی جائے اور میری آپ کے ساتھ کر دی جائے"

"خیر۔ اب اس وقت کی بات کرو۔ لڑکی کی شادی ہوگی کہیں یا نہیں؟"

"تو اس میں مجھ سے پوچھنا کیا ہے۔ تین لڑکیاں میری آپ لوگوں نے چولھے میں جھونک دیں۔ اسے بھی جھونک دیجئے"

"چولھے میں جھونک دیں۔ آپ تو دکھائی کرتے"

"ارے ہم کہاں کرتے۔ واللہ کوئی اس قابل ہی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ واللہ مجھے"

"تو لڑکیوں کو کب تک رہنے دیجئے"

"بہت اچھا تھا یوں ہی رہ جاتیں"

"خیر تم کر ہی کیا سکتے ہو۔ جو حضور آپا کی رائے ہے وہی ہو کے رہے گا"

"ذرا تجو کے بابت میں زمین آسمان ایک کر دونگا۔ واللہ وہ میری سب سے زیادہ پیاری بچی ہے"

"اچھا۔ اچھا۔ یہ زور ہیں نواب صاحب کے۔ تو تم اس کی شادی کرو گے بھی یا نہیں۔ اب جوان ہے لڑکی جو مہینہ جاتا ہے وہ تم پر ایک خون ہوتا ہے"

"شادی تو کرنا فرض ہے۔ ان لڑکیوں کی دفعہ میرے دھیان میں کوئی لڑکا نہیں تھا۔ مگر اب ہے"

"کون لڑکا ہے بھلا"

"اگر بتا دونگا تو سب بگڑ جائیں گے"

"اچھا چپکے سے ہمارے کان میں بتا دو۔ کیا ہم تمہارے رازدان نہیں ہیں۔ اور دیکھو ہم نے تمہاری بات کبھی کسی سے نہیں کہی"

"اچھا تو کان ادھر لائیے" اور جب بڑی بہو صاحب نے اپنا کان ادھر کیا تو اکبر نواب نے منھ ان کے کان کے پاس لیجا کر کہا "حیدر نواب"

بڑی بہو صاحب نے فوراً منھ ہٹا لیا اور کمال تعجب سے بولیں "ہائیں! ہائے میرے اللہ۔ یہ کیا اف فوہ۔ تمہارے سر پر چھوٹے عمو کا بھوت سوار ہے۔ ہم خاندانی ہو کر اپنی لڑکی غیر کفو کو دیں۔ یہ کیا پاگل پن ہے۔ بالکل سڑی ہو تم۔ جناب امیر کی قسم بالکل سڑی"

"آپ میری رازدار ہیں بھابی جان۔ آپ سے دل کی بات کہہ دی مگر میں جانتا ہوں کہ حضور ابا جان کی زندگی میں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ جو میں چاہتا ہوں وہ ہو ہی نہیں سکتا۔ عمو جان مرحوم نے جب سیدانی سے شادی کی ہے تو میں ہی شریک تھا۔ مہینوں میرا منھ نہیں دیکھا ابا جان نے اور امی جان نے اور پھر آپ ہی نے خطا معاف کرائی تھی میری اور امی جان

نے عمو جان کی۔ وہ بے وقت مر گئے اور میں کیا کر سکتا ہوں واللہ۔ حضور ابا جان ڈانٹ کے کہیں گے میرا حکم ہے اور میں مجبور کیا کر سکتا ہوں۔ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔"

"توبس۔ اس سب خرافات سے کیا فائدہ؟"

"کیا بتاؤں بھائی جان۔ واللہ۔ سوچتا سب کچھ ہوں کر کچھ نہیں سکتا۔"

"اچھا نواب سنو۔ حضور امی جان اور حضور ابا جان نے انجم کی شادی صفدر علی خاں کے لڑکے سے ٹھہرائی ہے۔ تمہاری رائے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر میں نے تم سے ذکر کر دیا۔"

"ارے وہاں۔ اس لونڈے کے ساتھ واللہ وہ قمار باز۔ رنڈی باز لونڈا۔ یہ نہیں ہوگا۔"

"اونھ ہوں۔ یہ جیسے بڑے متقی پرہیزگار ہیں ارے عیاشی ہر رئیس مرد کا شیوہ ہے۔ تم نہیں دو دو ایک اس بغل میں ایک اس بغل میں لیے پڑے رہتے ہو۔ ایسے ہی وہ لڑکا بھی مرد ہے۔"

"مگر بھائی جان واللہ وہ کسی طرح ٹھیک نہیں۔"

"ٹھیک دیک سے ہمیں کیا غرض۔ ہمیں تو گھر سے مطلب ہے خاندان سے مطلب ہے۔"

"اونھ۔ واللہ آپ تو عاجز کرتی ہیں۔ وہ ناز و ادا اب تک باقی ہے واللہ۔ کریں گے آپ لوگ وہی جو کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سے پوچھنے کی کیا شدت تھی۔ اچھا میرا پیچھا چھوڑیے۔"

"تم سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر حضور ابا جان نے کہا

کہ میں ذکر کر لوں تم سے کیونکہ تم ہر بات میں کچھ نہ کچھ ٹن کرتے ہو حالانکہ پھر ٹھیک ہو جاتے ہو۔"

"خوب خوب۔ سبحان اللہ ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے آزادی کی۔ جو چاہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا۔"

(۱۲)

تیسرے پہر کو فضیلت نے بڑے نواب کے محل میں آکر شاہ آرا کو تسلیم کی اور کہا "صاحبزادی صاحب۔ آپ کو ہماری صاحبزادی بلا رہی ہیں۔"

"اچھا تو چل میں آتی ہوں۔"

"اور شاہ آرا تھوڑی ہی دیر کے بعد چھوٹے نواب کے محل میں انجمن آرا کے پاس چھپر کھٹ پر آبیٹھی تھی۔ انجمن کہہ رہی تھی "اور تم نے ابھی تک نہیں ختم کیا شاہدہ۔"

"اللہ دیکھئے آپ ہمیں شاہدہ پدہ نہ کہا کیجئے۔ آپ سے ہم نے کئی دفعہ کہا۔"

"اچھا اب نہیں کہیں گے۔"

"تو آپ نے بجو سچ مچ ختم کرلیا۔ آپ کو ہمارا مردہ پیٹے سچ بتایئے۔"

"دیکھ لو نہ سب ختم ہو گیا۔ فضیلت لا ادھر۔"

"میری آنکھیں پتھرا گئیں چھوڑنے ہی والی تھی کہ فضیلت آگئی۔

"آخر ہم لوگوں سے کیوں کام لیا جاتا ہے گا؟"
"اس لیے کہ ہم لوگ سیکھ جائیں"
"نہیں سیکھ کے کرنا کیا ہے نگوڑے کا"
"اے کوئی وقت بے وقت ضرورت ہو"
"ارے بیٹے باجی - نہ دلہن اماں نہ چچی اماں - نہ کوئی - کوئی بھی نہیں سینا پرونا کرتیں - سب کی مغلانیاں نوکر ہیں"
"ارے ہوگا - ان سب بزرگوں کی ایسی ہی باتیں ہیں"
فضیلت نے صحنچی میں سے انگرکھا لاکر دکھایا تو شدو بولی
"ارے واہ یہ تو سب ہو گیا - میرا تو ابھی ایک دامن باقی ہے - اللہ بجو آپ کو خدا سلامت رکھے ابھی بھجوا دیجئے گا نہیں کل ساتھ ہی ساتھ دونوں بھیجیں گے"
"واہ مجھے ڈانٹ پڑ گئی - میں تو ابھی بھجوا دیتی نوبہار کے ہاتھ مگر میں نے کہا تم سے بھی پوچھ لوں"
"تو آپ نے ہم کو یہ دکھانے کے لیے بلایا تھا کہ دیکھو ہم نے ختم کر لیا تو پیچھے رہ گئیں"
"نہیں - تم ذرا سی بات کو بڑھانے لگتی ہو - اچھا تمہارا انگرکھا بھی ہم ختم کرا لیں"
"نہیں بنا لیں گی - آپ بھیجئے گا میرے ساتھ"
"اچھا ابھی کریں گے اب خوش" انجو نے شدو کے گالوں کو اپنے ہاتھ سے دبا کر کہا "کتنی بھولی بچی ہے - بالکل صاحبزادی"
"اچھا بجو ہم آپ سے ایک بات بتائیں بالکل نئی"

"کیا بات ہے"

"فضیلت تو ہٹ جا یہاں سے، کان میں بتائیں گے آپ کے"

کان کے پاس منھ لے جا کر بولی "آپ کی شادی ٹھہر گئی"

"ہٹو۔ تم کو ایسی ہی باتیں آتی ہیں۔ میرا شادی کے نام سے جی نہیں خوش ہوتا جو مجھے بہلانے چلی ہو"

"اے نہیں بجو میں سب سن رہی تھی۔ شاہ نشین پر ہماری اماں جان اور چچا ابا میں باتیں ہوتی رہیں دوپہر بھر۔ جناب امیر کی قسم"

"اچھا تو کیا باتیں ہو رہی تھیں"

"کچھ چپکے چپکے کچھ زور زور۔ کچھ میں نے سنیں کچھ نہیں سنیں مگر اتنا میں نے سنا کہ صفدر علی خاں ہیں نہیں ان کے لڑکے سے"

"بھائی ابا نے کیا کہا"

"رہ رہ کے غصہ ہو جاتے تھے زور سے بولتے تھے۔ مگر پھر چپکے چپکے بولتے تھے۔ سب کی رائے ہے کہ ہو گی شادی وہیں میں تو یہ سمجھی۔ آئیں باجی آپ کا چہرہ کیوں اُتر گیا۔ آئیں شادی کی خبر سے دل میں گدگدی ہونے لگتی ہے۔ یہ کیا ہوا آپ کو"

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے میرا سر کچھ بھاری معلوم ہو رہا ہے"

"آپ نے بھی تو کمال کیا بجو۔ تھک گئی ہونگی۔ سر میں تیل ٹھکوا لیجیے"

انجمن آرا کو اس خبر سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ منھ لپیٹ کر پڑ جائے مگر شاہ آرا باتیں بنائے ہی جا رہی تھی۔

اتنے میں ایک نوکرانی آئی اور بولی "چلیے صاحبزادیوں

سرکار نے بالائی کی قلفیاں نوش کرنے کو بلایا ہے" اور دونوں صاحبزادیاں ساتھ ساتھ بڑے محل میں چلی گئیں۔

(۱۳)

نواب صاحب نشست میں تشریف رکھتے تھے۔ ادھر ادھر مصاحبین بیٹھے تھے۔ میر عنایت حسین ناک پر عینک رکھے ہوئے نواب صاحب کی شان میں ایک نو تصنیف قصیدہ پڑھ رہے تھے سب لوگ تعریفیں کر رہے تھے اور نواب صاحب بہت خوش تھے۔

حیدر نواب سفید سلک کا انگریزی سوٹ پہنے ہوئے آئے اور جھک کر نواب صاحب کو سلام کیا۔

"جیتے رہو بیٹے آؤ امتحان ہو گیا؟"

"جی ہاں آج آخری پرچہ تھا۔"

"آؤ یہاں پیر لٹکا کے بیٹھ جاؤ۔" وہ تخت کے کونے پر بیٹھ گئے۔

"بھئی اس انگریزی پتلون سے بیٹھنے میں تکلیف نہیں ہوتی؟"

"جی ہاں۔ پلتھی مار کر یا اکڑوں نہیں بیٹھا جاتا۔"

"خیر تمہارا امتحان اچھا ہوا۔"

"جی ہاں۔"

"آج کیا امتحان تھا۔"

"آج فارسی کا دوسرا پرچہ تھا یعنی نظم کا۔"

"فارسی؟"

تو میر کلو سے نہ رہا گیا اور بولے " یہ انگریز بھی فارسی پڑھتے ہیں۔ کوئی انگریزی نما فارسی ہو گی "

"کیوں بیٹے یہ میر کلو کیا کہتے ہیں؟"

"اچھی بات ...... خیر یہ لیجئے پرچہ دیکھ لیجئے۔ حافظ۔ سعدی۔ عرفی۔ قاآنی کے اشعار پوچھے گئے ہیں"

نواب صاحب نے پرچہ ہاتھ میں لیا اور دیکھ کر بولے " مگر یہ جگہ بہ جگہ انگریزی کیسی لکھی ہوئی ہے "

" یوں ہی تو خداوندا انگریزی نما فارسی بنتی ہے " میر کلو بول اٹھے۔

" یہ حضور۔ سوالات ہیں انگریزی میں۔ ان کا مطلب ہے کہ حسب ذیل اشعار کی توضیح کرو وغیرہ وغیرہ "

"اور تم جواب انگریزی میں لکھتے ہو"

"جی ہاں"

میر عنایت حسین بولے " بڑی ہشیار قوم ہے سرکار۔ دیکھیے تمام فارسی کو ٹکڑوں سے ترجمہ کرا کرا کے اپنی زبان میں بھرے لے رہی ہے۔ واہ "

نواب صاحب نے پرچہ کو غور کر کے دیکھا اور شعر پڑھا ؎

اے ساربان آہستہ راں کارام جانم می رود — آں دل کہ با خود داشتم با دلستانم می رود

اور بولے " یہ تو سعدی کا شعر ہے " اور آگے یہ شعر پڑھا ؎

اے نسیم سحر آرام گاہ یار کجاست — منزل آں مہ عاشق کش عیار کجاست

اور بولے " یہ حافظ کا ہے "

" حضور ابا جان یہ تو پورا پرچہ آپ کیے ڈال رہے ہیں۔ انگریزی میں لکھا ہوا

سوال جو ہے اسمیں بھی لکھا ہوا ہے کہ شاعروں کے نام بتاؤ اور پھر توضیح کرو"۔
"تو اگر میں امتحان میں بیٹھتا تو پاس ہو جاتا؟"
"مگر سرکار جواب تو انگریزی میں لکھتا ہے" میر کلو بولے۔
"جی نہیں۔ اگر فارسی میں جواب لکھے جائیں تو ہمارا پروفیسر بہت خوش ہوتا ہے۔ مگر ہم لوگ فارسی سے زیادہ انگریزی میں لکھنا آسان سمجھتے ہیں"
"مگر میں تو فارسی لکھ لیتا اچھی طرح"۔
اتنے میں ایک چوبدار باہر چبوترے پہ آکر کھڑا ہوا۔ نواب صاحب نے منھ اٹھا کر دیکھا اور پرچہ حیدر نواب کو واپس دیتے ہوئے کہا
"کیا ہے؟"
"حضور عالی جاہ۔ نواب مظفر الدولہ بہادر کے یہاں کا ہرکارہ آیا ہے اور ایک خط لایا ہے"
"بلاؤ" حضور کا حکم ہوا۔
نواب مظفر الدولہ کے یہاں کا چوبدار اندر آیا۔ جھک کر تین سلام کیے اور ہاتھوں پر خط کی تھیلی لیکر کھڑا ہو گیا۔
"منشی نوبت رائے" نواب صاحب نے کہا۔
ایک موٹے سانولے سے صاحب جو وضع قطع سے بالکل ہندو معلوم ہوتے تھے۔ اٹھے، تھیلی اٹھائی اور خط نکال کر پڑھا۔
مشفق و مکرم بندہ جناب نواب صاحب دام مجدہٗ ... بعد آداب و تسلیمات کے عرض یہ ہے کہ ہمارے چند بڑے قیمتی کبوتر کچھ روز ہوئے آپ کے یہاں آ گئے تھے۔ مہربانی فرما کر ان کو واپس کرا دیجیے نہیں تو

اتنی سی بات ہمارے اور آپ کے درمیان کیوں کشمکش کا باعث ہو.....
فقط۔ مظفر الدولہ بہادر بقلم نعیم خاں بھٹانے دار۔ سعادت گنج"۔

"آئیں!" نواب صاحب نے فرمایا۔ "یہ کیا۔ رسم کبوتر بازی کو بالکل فراموش کر گئے۔ عجب زمانہ آرہا ہے"۔

"اور سرکار یہ سارا زور اس بقلم کا ہے۔ اس بقلم نے سب کچھ ہی بھلادیا" میر کلو بولے۔

"اچھا۔ میں سمجھا۔ یہ بھٹانے دار کی پشتی پہ یہ سب زور ہیں.... اچھا خیر" اور نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

منشی نوبت رائے بستہ کھول کر قلمدان نکال چکے تھے اور بولے "تو حضور کیا جواب تحریر کروں"۔

"حضور ابا جان۔ اس کا جواب مجھے لکھوانے دیجئے" حیدر نواب نے کہا۔

"اچھا بیٹے تم ہی لکھواؤ مگر یہ سمجھ کے کہ ایک بھٹانے دار کی پشتی ہے"۔

"حضور ابا جان یہ کیا بات ہے۔ اگر مظفر الدولہ کی ایک بھٹانے دار کی پشتی ہے تو آپ کے غلام کی سپرنٹنڈنٹ اور آئی جی تک کی پشتی ہو سکتی ہے"۔

"اچھا!" "جی ہاں منشی جی لکھئے.... حضور آج ہی تو کلب میں مسٹر کراکسلے سے اس نعیم خاں کی بدتمیزی کا ذکر کروں گا اور کل صبح اس کو معلوم ہو جائیگا"۔

"جی ہاں منشی جی جواب لکھئے"۔

مشفقم تسلیمات۔ قواعد کبوتر بازی کے رو سے وہ کبوتر اب ہمارے ہیں۔ اپنی وضع کے مطابق میں نے ان کو خیرات کر دیا۔ کیا معلوم تھا آپ ہی کو بھجوا دیتا۔ دیگر غرض یہ ہے کہ اس سب انسپکٹر

نعیم خاں سے یہ اطلاع فرمادیجئے کہ سرکار انگریزی کا ملازم ہو کر اس کو آپ کے یہاں چٹھی نویسی کی نوکری کر لینے کا اختیار نہیں ہے۔ اس امر کا جواب دینے کے لیے اسے کل صبح مسٹر گراکسلے کو سلام کرنے کے بعد تیار رہنا چاہیئے۔ فقط"

"یہاں مہر لگائیے حضور ابا جان کی اور اس کے بعد لکھئے بقلم حیدر علی خاں اور میرے آدمی گھسیٹے سے کلب کی مہر منگا کر اس پر لگوا لیجئے اور پھر اسی چوبدار کو دیدیجئے"

"حیدر نواب۔ واہ وا" میر کلو اُچھل پڑے،

"سلامت رہو۔ بیٹے۔ کیا خوب جواب دیا ہے" نواب صاحب نے فرمایا

"سرکار منھ توڑ جواب۔ ایسا ویسا منھ توڑ بھی نہیں۔ ایسا منھ توڑ کہ پوری بتیسی باہر۔ منھ پوپلا ہو گیا۔ اب بولا ہی نہیں جاتا۔ اور وہ تھانیدار تو ڈھیر ہو گئے۔ تعزیئے ٹھنڈے"

نواب صاحب بہت خوش ہوئے۔ حیدر نواب کو گلے لگا لیا اور ماتھے پر بوسہ دیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے "بیٹے اس وقت تیرا باپ یاد آگیا۔ وہ کوئی دو برس کا ہوگا جب حضور ابا جان کی وفات ہوئی۔ مرنے سے کچھ قبل فرمانے لگے۔ دیکھو ذوالفقار۔ میں نے آخری عمر میں یہ شادی کی غلطی کی۔ خیر اب یہ سوتیلا بھائی تیرا ہے۔ اسے اپنے بچے کی طرح رکھنا نہیں تو قبر سے میری پیٹھ نہیں لگے گی۔ اور ہمارے اکبر سے کوئی چھ مہینہ کی بڑائی چھٹائی تھی۔ میں نے حتی الامکان اس کا خیال رکھا۔ اس نے پرانے علوم خوب حاصل کیے مگر اپنے کچھ یوں ہی سے خیالات ہو گئے تھے۔ خیر اسکو خدا بخشے جوان ہی مر گیا۔ اور مرتے وقت مجھ سے کہا حضور بھائی صاحب

یہ غلام آپ کا ہے۔ تم اس وقت کوئی تین یا چار برس کے ہو گے۔ اکبر کے یہاں انجو پیدا ہو چکی تھی۔ تمہیں یاد ہیں اپنے باپ؟"
"حضور مجھے کچھ نہیں یاد۔ میں تو آپ ہی کو باپ کہئے چچا کہئے سب کچھ کہتا ہوں۔"
"ہاں تو کہنے لگا مرحوم کہ یہ غلام آپ کے پاس چھوڑے جاتا ہوں اور اسکی ماں جو آپ کے خاندان سے الگ ہے۔ شاید کسی وقت آپ کے کام آئے۔ اور اس کو انگریزی ضرور پڑھوائیے گا۔ یہی میری ایک تمنا تھی۔ اس وقت اس کی روح خوش ہو رہی ہو گی کہ تم نے مجھے ذلیل ہونے سے بچایا۔ میں نے بہت اچھا کیا جو تم کو انگریزی پڑھوائی۔ یہ مظفر الدولہ کی حرکت لاحول ولاقوۃ ہے نادھوبن کا میل اسمیں۔ گیا اپنی ذات پر۔"
"مگر سرکار میں تو کہتا ہوں۔ واللہ واللہ حیدر نواب واللہ۔ کیا خبیثی توڑ جواب دیا ہے۔ قسم جناب امیر علیہ السلام کی۔ خون حسینؑ کی قسم منھ کچل۔ منھ ٹیڑھے ٹکڑے کر جواب دیا ہے۔"
"اب میں سمجھا کہ آج کل انگریزی پڑھنا اور انگریزوں سے ملاقات بہت ضروری ہے۔"
"جی خداوند یہ خاکسار تو پہلے ہی سمجھ چکا تھا اس امر کو۔"
"ہاں"
"جی بندہ پرور۔ اس غلام نے انگریزی خوب سیکھ لی ہے اور ایک بڑے انگریز سے بڑی گاڑھی چھنتی ہے۔"
"اچھا۔ یہ نیا گل کھلا"، کئی حضرات نے کہا۔
"گل کیا۔ ککر متھا کھلا ہو گا" میر عنایت حسین نے کہا۔

"میر صاحب ..... اچھا جانے دیجئے۔ دیکھیے حضور عالی جاہ وہ اس طرح ہوا۔ حضور قصر الفصنا کے مغرب کی طرف ادھر بادرچی خانہ سے نکل کے دور پر ایک بنگلہ بنا ہوا نہیں ہے؟ وہی جس میں سنا تھا آسیب ہے اور بہت سے لوگ آآکے رہے اور نہیں معلوم کیا کیا ہوا اور چلے گئے۔ جی سرکار تو اس بنگلہ میں ایک بڑا انگریز آکر رہا ہے۔ بڑا اونچا عہدہ دار بڑا عالی خاندان۔"

"کیا عہدہ ہے اس کا؟" حیدر نواب نے پوچھا۔

"یہی کوئی اونچا عہدہ ہے" میر کلوست پٹا گئے، "ان لوازمات سے مجھے کیا غرض اور میری دوستی تو میم صاحب اور دوس بابا لوگ سے ہے"

"تم جانتے ہو حیدر وہ کون ہے،" نواب صاحب نے پوچھا۔"

"جی ہاں وہ انجنیر ہے یعنی آبپاشی کے لیے نہریں وغیرہ بنوانے کا انتظام کرتا ہے"

"جی سرکار مجھے بھی یاد پڑتا ہے میم صاحب یہی کچھ بتا رہی تھیں مگر میں نے غور نہیں کیا"

"خیر یہ سب جانے دیجئے اپنا قصہ کہیئے" میر عنایت حسین بولے۔

"واہ میر صاحب واہ قصہ کی ایک ہی رہی۔ میں کوئی فسانہ بیان کررہا ہوں۔ واہ یہ واقعہ ہے سرکار۔"

"خیر تو اپنا واقعہ بیان کرو" نواب صاحب نے کہا۔

"خدا سلامت رکھے حضور کو۔ یہ حقیر ایک دن اُدھر سے گذرا۔ وہ چھوٹی چھوٹی دو میاں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ کودنے لگیں۔ اُچھلنے لگیں"

"یعنی آپ کی وضع قطع، کینڈا دیکھ کر ہنسیں" میر عنایت حسین بولے۔"

"نہیں کیا جی۔ میرا مذاق اُڑایا۔ اے صاحب آپ کیا جانیں وہ ہم پر فریفتہ ہیں فریفتہ"

"یہ تو صورت ہی سے ظاہر ہے"

"حضور دیکھیے۔ یہ میر صاحب اگر ٹرخ ٹرخ بولے جائیں گے تو سب مطلب خبط ہو جائے گا"

"میر صاحب آپ ذرا خاموش رہیے" نواب صاحب نے کہا۔

"خیر تو بندہ پرور۔ تو وہ بڑی خوش ہوئیں۔ ہم کو پکارا۔ بابو۔ بابو۔ بابو ہم نے کہا دیکھو بابو وابو ہم نہیں ہیں۔

بابو بیک نقطہ یابو شود
نگاہش بدہ تا بہ قابو شود

تو بولیں تم کا نیم، ہم نے کہا ہم میر صاحب ہے۔ ہم کو بابو نہ کہنا نہیں تو پھر انگریز لوگ ٹوپی لینے کے لیے بمبئی جائینگے غدر برپا ہو جائیگا اور تمہارے صاحب اور تم لوگوں کو مار مور کے کنوئیں میں چھوڑ دیا جائیگا۔ ہاں بڑا غضب ہو جائیگا"

"آپ یہ سب کہتے رہے چاہے وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں"، حیدر نواب نے کہا۔

"اے میاں نواب وہ سب خوب سمجھیں اور چنانچہ انہوں نے مجھے میر صاحب ہی کہنا شروع کیا۔ خیر سرکار میں نے ان سے انگریزی بولنا شروع کر دی اور اب تو خوب روانی سے بولتا ہوں اور ایسی اعلیٰ ظرافت پیدا کرتا ہوں کہ وہ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ جاتی ہیں۔ سرکار مجھے چائے پلاتی ہیں اور انکی ممی بھی ہوتی ہیں۔ میں خوب فٹافٹ انگریزی میں فقرے چھوڑتا ہوں اور وہ سب کی سب خوب ہنستی ہیں سرکار"

"اچھا میں سمجھا۔ آپ کی انگریزی دانی اور ان کی دلچسپی" حیدر نواب نے کہا"

نواب صاحب بولے "اچھا میر کلو تم انگریزی بول لیتے ہو تو ہمارے حیدر نواب سے کچھ بولو۔"

"جی حضور فوراً...... ہیلو۔بس بس۔ فٹو فوٹ رفوٹو، فوٹو فوٹ فوٹ دین ٹری فین ٹو۔ جیری قوم کا با جا۔"

حیدر نواب بہت زور سے ہنسے اور بولے "تو آپ یہی انگریزی ان لوگوں سے بولتے ہیں۔ خوب خوب کمال ہے۔"

"کیا کہا انہوں نے حیدر نواب صاحب نے دریافت کیا۔

"حضور یہ تو کچھ بھی نہیں۔ محض گٹ پٹ سٹ پٹ ہے۔"

"حضور جان کی امان پائے تو غلام بھی عرض کرے۔ یہ میں نے فصیح اور بلیغ انگریزی بولی۔ ہمارے حیدر نواب ابھی ہیر پھیر آٹھ دن کی پیدائش ابھی کل گئے تھے اسکول انگریزی پڑھنے میری انگریزی کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ میں خالص انگریزوں کی۔ خاص لندن کی زبان بول رہا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ میر صاحب۔ میں ہی نہیں۔ میرے اُستاد انگریز اور کلب والے انگریز کوئی بھی آپکی زبان نہیں سمجھ سکتے۔ وہ انجینیئر کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہی سمجھ سکتی ہیں۔ ایک دن آپ ساتھ کلب چلیئے اور وہاں بولیئے۔"

"کلب ولب میں نہیں جاؤں گا۔ وہاں آپ مجھے نکو بنالیں گے اور میاں صاحبزادے صاحب اور آپ تو نہ ہاری مانیں گے نہ جیتی۔ ابھی آپنے میری ساری توجہ اور ریاضت پہ پانی پھیر دیا۔"

حیدر نواب نے جیب سے گھڑی نکال دیکھی اور نواب صاحب نے ان سے پوچھا۔

"کیا بیٹے جاؤ گے۔ اچھا جاؤ۔ اسکول سے آکر ادھر ہی تو بیٹھ گئے تھے۔ جاؤ کپڑے بدلو"

(۱۴)

حیدر علی خاں اپنی حویلی میں داخل ہوئے۔ ڈیوڑھی میں ان کا خاص نوکر گھسیٹے رہتا تھا۔ ان کے قدم کی چاپ پاتے ہی باہر آیا سلام کیا اور بولا۔

"کاہے بھیا۔ آج تو ن بڑی دیر ہوئی گئی"

"ہاں ذرا اباجان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ کوئی آیا تو نہیں تھا"

"اوئی کالی بیٹوا جج فج میٹں کا تو اوکا ناؤئے نائیں آدت تو ن کئی چکر کر چکی ہے۔ جاوں اوکا بلائے لادوں"

"تم اس کو کیسے بلاؤ گے۔ وہ اندر محل میں ہو گی"

"مین لونڈی کھانے مان جائیکے ؤنھوں کونوں ہوئیے چردر تون جائیکے چپکے سے بلائے لیہئے"

"نہیں تم رہنے دو وہ آپ آئے گی"

حیدر نواب یہ سوچتے ہوئے کہ لڑکی کو کیا کہنا ہے اندر آئے۔ کنگنیا والے خط کا جواب تو انہیں مل چکا تھا امتحان کی وجہ سے ان کو کسی دن بھی صبح کے وقت جھانکنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ خیر اب امتحان ختم ہو گیا تھا اور اب ہر صبح کو کوٹھے پر پہنچ جایا کریں گے۔

قصرالفضامین ہر مکان کے دو حصے تھے ایک زنانہ اور دوسرا دیوان خانہ یا مردانہ۔ ہر زنانے میں خاص عمارت شاہ نشین تھی اور اس کے سامنے ایک بڑا صحن۔ ہر مردانے میں ایک دالان اور در دالان اور اس کے سامنے ایک چمن جس میں کیاریاں پودے وغیرہ لگے ہوئے۔ حیدر نواب کی حویلی سب سے چھوٹی تھی مگر پھر بھی کافی کشادہ تھی۔ باہر کے حصہ میں انہوں نے دالان در دالان کو تبدیل کرا کے انگریزی طریقہ کے الگ الگ کمرے بنوائے تھے جن میں کھڑکیاں اور دروازے لگے تھے اور ایک برآمدہ تھا جس میں گملے رکھے تھے اور کچھ آرام کرسیاں پڑی تھیں۔

حیدر نواب برآمدے میں ہوتے ہوئے لباس کے کمرے میں گئے اور کپڑے بدل کر باہر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک دوربین تھی اور وہ کچھ سوچ میں ڈوبے ہوئے زنانے میں چلے گئے۔

ان کی والدہ شاہ نشین کے دالان میں مسہری پر بیٹھی تھیں سانولی رنگت لمبا منھ۔ ابھی سن رسیدہ بھی نہیں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ سفید دوپٹہ اور سفید کپڑوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ رانڈ بیوہ تھیں۔ حیدر نواب جلدی جلدی انکو سلام کر کے زینہ کی طرف جانے لگے۔ وہ بولیں،
"ارے میرے پاس تو ایک گھڑی نہیں ٹکتے۔ اے سنو تو امتحان ہو گیا"
حیدر نواب نے انگنائی میں سے چلتے چلتے جواب دیا "جی ہاں سب ٹھیک ہو گیا"

"ارے کوٹھے پر اب سب دھوپ بھر گئی ہوگی۔ کہاں جا رہے ہو"
"واللہ امی جان۔ ابھی دھوپ نہیں آئی ہوگی۔ اور دھوپ ہو بھی تو آپ جانتی ہیں پڑھنا لکھنا کوئی ہنسی ٹھٹھا ہے۔ اس آنے کو دھوپ دکھاتا ہے۔

اس کا امتحان ہے مجھے تو دھوپ میں بیٹھنا ہی ہے"!

"بھاڑ میں جائے یہ موا آلہ کیوں بے فضول کے لیے اپنے تئیں ہلکان کیے ڈالتے ہو۔ ہم ایسی پڑھائی سے بعض آئے صاحب......"

ماں نہ معلوم اور کیا کیا کہا کیں اور حیدر نواب ٹالتے ہوئے اوپر پہنچ ہی گئے۔ کوٹھے پر آئے۔ دیوار میں ایک جگہ چھید تھا۔ اس میں دوربین لگائی۔ چھوٹے نواب کی حویلی کے زنانے کا ایک کونا دکھائی دیا۔ اس میں بچھی ہوئی چوکی دکھائی دی جس کے کافی حصّہ پر دھوپ آگئی تھی۔ آج انہیں بہت دیر ہوگئی تھی۔

حیدر نواب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور نیچے واپس آنے لگے خیر کل سے صبح تڑکے ہی وہ کوٹھے پر آجائیں گے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ نیچے اُترے۔ والدہ کے پاس آکر پائنتی بیٹھ گئے اور بولے۔

"امی جان آپ سب کام خراب کردیتی ہیں۔ آپ نے دھیان بٹا دیا تھا۔ جاتے وقت ٹوک دیا تھا۔ بس یہ آلہ چلا ہی نہیں"

"تو پھر کیا ہوگا بیٹے؟"

"ہوگا کیا۔ کل صبح تڑکے پھر دیکھوں گا اس کو کوٹھے پر سے جاکے۔ دیکھیے کسی کو کوٹھے پر آنے نہ دیجیے گا"!

"اور امتحان"!

"اب تو امتحان بہت دنوں بعد ہوگا"!

(۱۵)

کچھ دن چڑھ چکا تھا۔ صاحبزادے اکبر علی خاں عرف چھوٹے نواب عالم اپنی بیٹھک میں تختوں کے چوکے پر جلوہ افروز تھے۔ پچیسی سامنے بچھی ہوئی تھی۔ دو جوان اور خوش قطع رنڈیاں ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ ایک لمبے منھ اور خشخشی ڈاڑھی والے ادھیڑ سے صاحب بھی پاس بیٹھے تھے۔ چاروں پچیسی میں مشغول تھے۔ بازی زوروں پر تھی۔ ایک رنڈی نے کھنکار کر کوڑیاں ڈالیں اور بولی "یہ پو پچیس" پھر ڈالیں اور پھر بولی "یہ چار ہاتھ کے" اس کے بعد وہ اپنی ایک گوٹ اٹھا کر خانے گننے لگی۔

چھوٹے نواب بولے: "واللہ رے امراؤ جان۔ کیا قیامت کی پویں ہیں تمھارے ہاتھ میں۔ اگر پچیسی ہی پہ ہوتا تو پورا لکھنؤ جیت لیتیں واللہ"

"اچھا لیجیے کوڑیاں آپ چلیے" اس رنڈی نے کہا۔

چھوٹے نواب نے کوڑیاں کھنکار کر پھینکیں اور بولے "اف فوہ کمبخت دو ہی بھی آج ہم سے نہیں کھیلا جائے گا"

سامنے والی رنڈی بولی "اے حضور گھبرائیے نہیں۔ آئیں گی پویں۔ ابھی تو سب گوٹیں بیٹھی بھی نہیں"

"وہاں ابھی مرزا کی تو چاروں باہر ہیں۔ خیر چلیے ہمارے دو" اور یہ کہکر نواب نے کوڑیاں مرزا کو دیں جو ان کے دا ہنے پر بیٹھے تھے۔

اس وقت نواب صاحب کے یہاں کا چوبدار آیا اور اس نے جھک کر

سلام کیا ۔ چھوٹے نواب نے پوچھا "کیوں کیا ہے"

"سرکار عالی جاہ کا حکم ہے کہ تھوڑی دیر میں نواب صفدر علی خاں پالی لڑانے آئیں گے ۔ موجود تو سب صاحبزادگان ہوں گے مگر آپ کی موجودگی بہت ضروری ہے"

ایک رنڈی نے پوچھا "خیر تو ہے نواب ۔ خدا خیر کرے"

"نہیں میں سمجھ گیا ۔ ابا جان بھی عاجز کرتے ہیں ۔ ایک تو زبردستی کی بات ہے ۔ دوسرے یہ بھی زبردستی کہ اڑی بازی چھوڑ کے جاؤں ۔ واللہ ۔ زچ میں جان ہے ۔ واللہ ۔ اچھا جاؤں گا"

"مگر میں تو نواب نہ چھوڑونگی ۔ آپ جا رہے ہیں تو آپ ہارے میں سے لونگی اپنی بازی کے پچیس روپے" نواب کے بائیں ہاتھ کی طرف بیٹھی ہوئی رنڈی نے کہا ۔

"بھئی واللہ ۔ امراؤ جان تم بھی بڑی بے انصاف ہو"

"رنڈی نے عجیب تیور بنا کر نواب کو دیکھا ۔ نواب بولے"

"ارے خفا نہ ہو اتنی سی بات میں ۔ تم دیکھ رہی ہو کہ یہاں ہر وقت کونت میں زندگی بسر ہو رہی ہے ۔ واللہ ۔ ارے تم اپنے روپئے لے لینا ۔ مرزا صاحب ان کو بھی دیدو روپئے واللہ ۔ اب خوش"

رنڈی نے اپنے چہرہ پر خوشی کے جذبہ کو طاری کیا اور بولی ۔

"مگر میرے پیارے نواب آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ کا جانا ضروری کیوں ہے"

"ارے بھئی یہی ہوگا جو پچھا بھی جان مجھ سے اس دن کہہ چکی ہیں ۔ مجھے ان سب باتوں میں ابا جان کے ہوتے ہوئے دخل دینے کی ہمت ہی نہیں ۔

اور پھر انجمن آرا کے معاملے میں۔ وہ تو ان کی بھتیجی ہے۔ امی جان اور ابا جان
اس کی شادی صفدر علی خاں کے لڑکے سے کرنا چاہتی ہیں۔ میں ہرگز نہیں
چاہتا۔ مگر ابا جان سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ چھوٹتے ہی جھاپڑ مار دیں۔ واللہ
ایک دفعہ پھر پورا ہاتھ مارا تھا اب تک یاد ہے۔ اور گھر سے نکال دیں۔
زندگی بھر منھ نہ دیکھیں۔ عمو مرحوم کی شادی ہی میں چوری سے شریک تھا
میں اچھا خاصا تھا۔ دو لڑکیوں کا باپ تھا مگر یہاں جو آیا تو بلوا بھیجا اور
لال تھے غصے میں بولے دانت پیس کر ہاں یہ ہماری رائے کے خلاف کام
کرنے کی عادت ڈالی جا رہی ہے اور یہ کہکر وہ طمانچہ دیا ہے واللہ اور
چھ مہینہ تک منھ نہیں دیکھا۔ واللہ خبر مجھے جاتا ہے۔ حد سے زیادہ
کھل رہا ہے جانا!!

چھوٹے نواب عالم اٹھ کر برابر کی کوٹھری میں گئے۔ دوسری رنڈی
بھی ساتھ ساتھ گئی" اور وہ کپڑے بدل کر باہر آئے۔ امراؤ جان سے بولے۔
"دیکھو سب ٹھیک ہے"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ مگر نواب جانے سے پیشتر بیگم صاحب سے تو
مشورہ کرتے جائیے"

"بیگم سے۔ ارے بیگم تو مجھ سے ذکر کر چکی ہیں۔ اس دن سہ پہر کو بلوایا
تھا نا"

"مگر ان سے فرماتے تو جائیے"

"اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو یہی سہی مجھے تو واللہ جانا کھل رہا ہے۔ ابا جان واللہ
کیونکہ ایک نگر ناز سے جیتا ہوگا   زہر دے ہیں پہ یہ تاکید کے پینا ہوگا۔
دیکھو کتنی دیر منھ تھتھائے بیٹھے رہنا پڑتا ہے۔

اتنی دیر میں دو باندیاں تو ہوتیں۔"

(۱۶)

صبح تڑکے انجمن آرا بڑے محل کی انگنائی سے اُٹھ کر اپنی طرف آئی اور دالان کے پاس بچھی ہوئی چوکی پر فضیلت سے قالین بچھوا کر بیٹھ گئی۔ فضیلت نے سنگھاردان اور مقابہ لا کر چوکی پر رکھا اور پھر جا کر سلفچی اور آفتابہ لے آئی۔ انجمن چوکی کے کونے پر اکڑوں بیٹھی۔ فضیلت کو دیکھ کر مسکرائی اور پھر منھ پھیر کر دور پر حیدر نواب کے کوٹھے کی دیوار کے اس حصہ کی طرف دیکھا جو یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔ اُس کو ایک احساس تھا کہ کہیں پر چھپی ہوئی آنکھیں اس کو تاک رہی ہیں اور اس لیے آپ ہی آپ کبھی مسکراتی اور کبھی شرما کر سر پہ دوپٹہ ٹھیک کرنے لگتی۔ کبھی اپنی کٹورے سی آنکھیں بڑی نزاکت سے بند کرتی اور فوراً کھول دیتی۔ اس کو یہ معلوم ہوتا کہ کسی محویت کے عالم میں جا کر نکل آئی۔

فضیلت نے آفتابہ سے پانی اس کے ہاتھوں پر چھوڑا۔ پھر منجن کی ڈبیہ اُٹھا کر دی۔ انجمن دانت مانجھنے لگی اور بار بار منھ اُٹھا کر دیوار کی طرف دیکھتی جاتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ دیوار کے پیچھے چھپی ہوئی آنکھیں اور دیکھیں۔ اچھی طرح دیکھیں۔ دیکھے ہی جائیں۔

اُس کا احساس غلط نہ تھا۔ حیدر نواب رات بھر کروٹیں بدلنے کے بعد اندھیارے ہی سے کوٹھے پر آ گئے تھے۔ سوراخ میں ایک آنکھ والی دوربین

نگا کر کئی دفعہ دیکھ چکے تھے اور چوکی خالی دیکھ کر کئی دفعہ کوٹھے پر ادھر ادھر
ٹہل چکے تھے فضیلت کو انہوں نے چوکی پر قالین بچھاتے دیکھا تو امید ہوئی
کہ انجمن آرا آتی ہوگی اور اس کے بعد انہوں نے اپنی آنکھ دوربین سے الگ
نہیں ہٹائی۔ انجمن آرا چوکی پر بیٹھی تو ان کو معلوم ہوا کہ زمین پر چاند اتر آیا ہے
اور چاند بھی ماہ نو بنیا اور نازک۔ انجمن آرا کا منہ ایسے رخ سے تھا کہ اس کا
ایک پہلو ہی دکھائی دے رہا تھا۔ دوربین کے شیشہ پر یہ پہلو اس طرح کھنچا ہوا
تھا جیسے کسی اعلیٰ مصور نے کوئی نزاکت کا مجسمہ بنا دیا ہو۔ حیدر نواب پر عجیب
محویت کا عالم طاری ہوا اور دل میں عجیب بے چینی سی پیدا ہوئی وہ تمام دنیا
و ما فیہا اور اپنے تئیں بھول کر اس کو دیکھ رہے تھے۔

ان کے سامنے اس وقت وہ مجسمہ تھا جس کا نقشہ ہر وقت ان کے تصور
میں پھرا کرتا تھا۔ جس کی یاد راتوں کو نیند اڑا دیتی تھی اور جو خوابوں میں اکثر انکے
پاس یا ان سے ہم آغوش دکھائی دیتا تھا۔ یہ نقشہ ان کی آنکھوں میں اس قدر
کھب گیا تھا کہ دنیا کے دوسرے حسین نقشے ان کے سامنے آتے تو وہ ان میں اسی
نقشہ ہی سے مناسبتیں ڈھونڈتے تھے۔ اس وقت اس نقشہ کا اصل ان کے سامنے
تھا۔ مگر پھر بھی یہ اصل دور تھا اور اس کا عکس ہی دوربین کے شیشہ میں دکھائی
دے رہا تھا۔ نقشہ کے تصور سے ان کے دل میں اصل کو دیکھنے کی ہوک اٹھا کرتی
تھی۔ اس وقت اصل کو دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو رہی تھی کہ کسی طرح اسکو اپنے میں
جذب کر لیں۔ مگر اس سے زیادہ قرب ناممکن تھا۔ بالکل ناممکن۔ خیر وہ امکان
کے خیالات سے اس وقت بالاتر تھے۔

قصہ مختصر فضا میں سخت پردہ تھا۔ حیدر اور انجمن کے درمیان پردے کی ایسی
دیواریں تھیں جن میں رخنوں کی گنجائش ہی نہ تھی۔ مگر کسی کو کیا علم تھا کہ عشق ان

دیواروں میں بھی چھید کر سکتا ہے۔ قصر الفضا کے رہنے والوں میں زیادہ تر لوگ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ دوربین بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ انجمن کو بھی اس کا علم نہ تھا مگر وہ ایسا کچھ ضرور محسوس کر رہی تھی کہ اس کو کمال محبت سے دیکھنے والا کہیں اس سے قریب ہی ہے۔ اسی لیے تو فضیلت کو دانت دکھا کر اس نے دانت نکالے ہوئے دیوار کی طرف منھ کیا۔ دوربین کے شیشہ میں یہ دانت موتی کی طرح سفید اور چمکدار دکھائی دیے اور دوربین سے لگی ہوئی آنکھ نے انہیں سمندروں کے موتیوں سے زیادہ بیش بہا سمجھ کر دیکھا۔

دوربین کے شیشہ میں انجمن آرا کا منھ پھر فضیلت کی طرف دکھائی دیا اور حیدر نواب کے جسم میں ایک لہر دوڑ گئی ان کی نگاہ میں اب وہ گورا گورا نازک نازک ہاتھ اور بازو تھا جو چلوؤں میں پانی بھر بھر کر مہین مہین سرخ ہونٹوں تک لے جاتا۔ انجمن آرا دیر تک کلیاں کرتی رہی پھر منھ دھوتی رہی۔ ان معمولی حرکات میں بھی حیدر نواب کو بے پایاں حسن دکھائی دے رہا تھا۔ پھر اس نازک ہاتھ نے فضیلت سے رومال لیا اور منھ پونچھا۔ حیدر نواب کو یہ معلوم ہوا جیسے چاند بادل کے نیچے جا کر نکل آئے۔

منھ دھونے کے بعد انجمن آرا دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی دوربین سے لگی ہوئی آنکھ کو اس کا پورا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس آنکھ نے اس چہرے کو بہت دفعہ دیکھا تھا مگر ہر بار اس میں نئی شگفتگی، نئی روشنی، اور نئے انداز دکھائی دیتے تھے۔ اس چہرہ میں عجیب کشش تھی۔ رخسار۔ آنکھیں۔ پیشانی۔ دہانہ۔ ناک۔ ٹھوڑی سب صانع قدرت کے بہترین نمونے معلوم ہوتے تھے۔ اور ان سب کی ہم آہنگی، تناسب اور مجموعی تاثر عجیب جادو کھیلتا تھا۔ حیدر نواب کی نگاہ ہر خط اور ہر خال پر جمتی تھی اور انکا دل ہر ہر خط اور ہر ہر خال کے بوسے لیتا تھا۔

انجمن آرا نے آئینہ سامنے رکھا اور فضیلت سر میں تیل دبانے لگی۔ پھر انجمن نے سنگھار دان سے کنگھی نکالی اور اپنے بڑے بڑے کالے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ ہاتھوں کی چال، کنگھی کا بالوں میں چلنا اور آنکھوں کا آئینہ کی طرف تیکا، اس کے جوڑے ماتھے کی چمک۔ اس کے گلابی رخساروں پہ چڑھتی اترتی سرخی، اس کے سرخ ہونٹوں پر آتی جاتی مسکراہٹ۔ یہ سب حیدر نواب کے لیے ایک حسین کائنات کے بڑے دلچسپ کرشمے تھے۔ وہ دیر تک ان سب کرشموں کو الگ الگ اور مجموعی حیثیت سے دیکھتے رہے اور انکی بیقراری اس قدر بڑھی کہ انھوں نے دوربین کے شیشہ کو چوم لیا۔

انجمن آرا نے کنگھی کرنے کے بعد چوٹی گوندھی اور رخ بدلا۔ اب اسکی پشت دوربین میں دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا ہر رخ اور ہر پہلو قیامت کے حسن سے بھرا تھا۔ سر کے پیچھے بالوں کی سجاوٹ، گردن کا نازک خم اور پیٹھ پر چوٹی کا انداز یہ سب بھی ایک ایسے حسن کی تصویر پیش کر رہے تھے جس کا جواب نہ تھا۔ انجمن آرا پیچھے سے بھی اس قدر خوبصورت معلوم ہوتی تھی کہ کوئی عورت آگے سے نہ معلوم ہوتی ہوگی۔

پھر اس نے رخ بدلا۔ سرمہ دانی اور سلائی نکالی اور آئینہ سامنے رکھ کر آنکھوں میں سرمہ لگانے لگی۔ اسکی بڑی بڑی سرمگیں آنکھوں پر سرمہ کی لکیر اس طرح ابھرتی ہوئی دکھائی دی جیسے کوئی مصور اپنے اس شاہکار کے کسی خط پر رنگ چڑھانے جس کا رنگ ذرا ہلکا ہو گیا ہو۔ سرمہ لگنے کے بعد وہ نشہ سے بھری ہوئی آنکھیں کچھ تلملائیں اور حیدر نواب کا دل بھی تلملا گیا۔ فضیلت جلدی جلدی سب سامان اٹھانے لگی اور اب انجمن آرا اٹھ کر اندر آئی اور کپڑے بدلتی مگر وہ کچھ دیر سنجیدہ صورت بنائے بیٹھی رہی۔ پھر اس کے چہرہ پر ایک گہری

مسکراہٹ کھیلی اور وہ کچھ ہنس بھی دی۔ حیدر نواب کے دل پر بجلی گری۔

انجمن آرا چوکی سے اُٹھ ہی رہی تھی کہ ڈیوڑھی میں سے کسی کے آنے کی چاپ سنائی دی۔ وہ کچھ چونک پڑی۔ ڈیوڑھی کی طرف دیکھا تو اس کے والد آ رہے تھے۔ وہ فوراً کھڑی ہو گئی اور تسلیم کی۔ اب دوربین کے شیشہ میں خالی چوکی ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"جیتی رہو۔ آئیں۔ یہ ادھر چوکی کیسی؟ ہاں یہ کونا خالی ہی تھا۔ اور آج کل گرمی میں یہاں ہوا بھی آتی ہے۔ مگر دوپہر یہاں دھوپ بھی تو آجائے گی؟"

انجمن آرا کا دل دھک دھک کرنے لگا جیسے کہ وہ کوئی چوری کرتی ہوئی پکڑی گئی ہو۔ اس کا حلق خشک ہو گیا تھا مگر وہ بولی۔

"جی ہاں بھائی ابا! مگر میں دن بھر یہاں تھوڑی بیٹھی رہونگی۔ یہ صبح کو منہ دھونے کے لیے بچھوائی ہے۔"

"اچھا کیا بیٹی۔ خوب کیا۔ تمہاری ماں تو اُدھر ہی ہونگی۔"

"جی ہاں۔ دادی اماں کی طرف ہیں۔"

"اچھا جا کر ان سے کہنا جلد از جلد بلایا ہے۔"

فضیلت بھاگی ہوئی گئی۔ انجمن اپنے باپ کے سامنے دوپٹہ سنبھالے سر جھکائے نہایت ادب سے کھڑی رہی۔ کاش اس کے کھڑے ہونے کا حسین انداز بھی دوربین میں دکھائی دے رہا ہوتا! حیدر نواب ابھی دوربین لگائے ہوئے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ انجمن کپڑے بدل کر پھر چوکی پر آئے گی۔ وہ اس انتظار میں کھڑے ہی تھے کہ ابھی حویلی کے اندر سے اپنی والدہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"اے حیدر اتنی دیر سے پکارے جا رہے ہو اور سُنتے نہیں ہو۔ مجھے ہی بولنا پڑا آخر"
حیدر نے کوٹھے پر سے جواب دیا "آپ کیا جانیں یہاں سب معاملہ گڑبڑ ہوا جا رہا ہے"
"ارے بیٹا تمہارے حضور ابا نے بُلوایا ہے۔ آدمی آیا ہے"!
"کہلوا دیجئے آتے ہیں"! حیدر نواب کوٹھے سے نہ اُترتے جب تک انجمن آرا پھر آ کر چوکی پر بیٹھ نہ لیتی اور پھر اُٹھ کر چلی نہ جا چکتی مگر انہوں نے دیکھا کہ فضیلت چوکی پر سے قالین اُٹھا رہی تھی۔ انہیں یقین ہوا کہ اب انجمن سامنے نہ آئے گی اور وہ دوربین ہاتھ میں لیے ہوئے کوٹھے پر سے اُتر آئے۔
انجمن آرا باپ کے سامنے خاموش کھڑی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ جیسے اس کے والد کو چوکی کے اِدھر بچھائے جانے کا راز معلوم ہے۔ اس لیے جیسے ہی فضیلت بڑے محل سے واپس آئی اور کہنے لگی "حضور آ رہی ہیں سہو صاحب" ویسے ہی اس نے اسے چوکی پر سے قالین اُٹھا لینے کا حکم دیا۔ اتنے میں پھوپی بہو صاحب بھی بائیں ہاتھ میں نیچے دوپٹے سے باقاعدہ سر ڈھانکے آ ہی گئیں یہ انجمن آرا کی ماں تھیں۔ انکی جوانی بالکل ڈھل چکی تھی اور جسم بھدا ہو گیا تھا۔ بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے۔ ناک اور آنکھیں انجمن آرا کی طرح تھیں مگر چہرہ کی تراش بالکل مختلف تھی۔ مُنھ سے خاموش اور سیدھی سی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ نہایت سنجیدہ اور نرم لہجے میں بولیں۔
"فرمائیے نواب۔ کیا کام ہے"!
"ایک بات خاص بات ہے۔ ادھر آ جاؤ بیگم۔ انجمن تم جاؤ کپڑے بدلو" ایک کونے میں جا کر چھوٹے نواب نے کہا "دیکھو بیگم تمہیں تو معلوم ہے وہ

صفدر علی خاں کے یہاں کی بات چیت مجھے تو وہاں نہیں اچھا لگتا شادی کرنا۔ اور میرے دل کی جو بات ہے وہ بھی تم جانتی ہو بیگم مگر وہ حضور ابا کے جیتے جی ناممکن ہے تو اب میں کیا کروں؟"

"آپ کریں گے کیا۔ کر بھی سکتے ہیں کچھ۔ تین لڑکیوں کی دفعہ میں کچھ کیا جو اب کریں گے آپ۔ فضول کے لیے آپ اپنے تئیں ہلکان کرتے ہیں۔ ہوگا وہی جو وہ چاہتے ہیں۔ آپ بھلا کر ہی کیا سکتے ہیں"

"اس وقت بات یہ ہے کہ ابا جان نے بلوایا ہے اور وہ آرہے ہیں ڈیوڑھی تک تو اگر وہاں بات نکلی؟"

"تو آپ کچھ بولیے ہی گا نہیں اور اگر پوچھا جائے گا تو کہہ دیجیے گا کہ جو حضور ابا جان کی رائے وہ میری رائے۔ آخر حجت سے کیا فائدہ؟"

"اچھا.... تو بس... انجمن ابھی میرے سامنے تھی مجھے بڑا ترس آرہا تھا اس پر....."

"یہ کیا دماغ الٹنے کی باتیں کر رہے ہیں آپ نواب۔ ترس کیا۔ مجھے کیوں ترس آئے اپنی لڑکی پر اپنے گھر کی ہو جائے۔ دودھوں نہائے۔ پوتوں پھلے وہ جناب امیر کے تصدق میں۔ سب اچھا ہی اچھا ہے"

"اچھا۔ تو پھر ٹھیک ہی ہے۔ میں جاتا ہوں"

(۱۷)

نواب صاحب کا جھڑیا ففاقہ بارہ دری سے ایک فرلانگ اُدھر کی طرف

ایک کافی بڑے باغ میں تھا۔ یہ باغ چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا جس کے پاس پاس بڑے بڑے نیم، پیپل، جامن، [illegible] سری وغیرہ کے پیڑ لگے ہوئے تھے۔ یہاں مختلف جگہوں پر جالی کے بڑے بڑے پنجرے بنے ہوئے تھے۔ ان میں ایک زمانے میں مختلف قسم کی خوبصورت چڑیاں تھیں مگر اب یہ بالکل خالی تھے۔ جگہ جگہ بڑے بڑے دالان بھی بنے ہوئے تھے جن کے سامنے جالی کے کٹہرے تھے۔ ان میں مختلف قسم کے کبوتر تھے۔ دالانوں کے اوپر کبوتروں کی چھتریاں بھی لگی ہوئی تھیں جن پر کچھ کبوتر بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

باغ کے بیچوں بیچ میں ایک مکان سا تھا۔ اس مکان میں چاروں طرف دالان ہی دالان تھے جن کے سامنے کافی چوڑے چبوترے تھے اور بیچ میں ہر طرف سے تین تین زینے اتر کر ایک کشادہ خالی جگہ تھی۔ ایک دالان کے سامنے چبوترے پر دری اور چاندنی کا فرش تھا اور بیچ میں ایک مسند لگی تھی۔

نواب صاحب اور صفدر علی خاں ساتھ ساتھ آئے۔ ان کے پیچھے تمام مصاحبین اور خاص ملازمین کا گروہ تھا۔ سب جگہ جگہ فرش پر بیٹھ گئے۔ نواب صاحب اور صفدر علی خاں مسند پر بیٹھے اور دونوں باتیں کرنے لگے۔

"تو بھائی صاحب اب کبوتر بازی بالکل ترک کر دی۔"

"ہاں۔ اب آنکھوں سے دور کی چیز تو دکھائی نہیں دیتی۔ کبوتر آسمان پر کہاں دکھائی دیگا۔ یہی آدمی کچھ اڑا دیا کرتے ہونگے۔"

"کچھ جوڑے بھی عمدہ عمدہ رکھے ہونگے۔"

"اب جب اڑاتا نہیں تو کبوتر رکھتا بھی نہیں۔ جو تھے یار دوستوں میں بہت سے بانٹ دیے۔ کچھ بڑے بچے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ وہ میرے دوست تمہارا چچا غلام حیدر تھے نا۔ ان کا لڑکا کبھی کبھی آتا ہے۔ بڑا سعید بچہ ہے۔ مجھے ابا سے

تعلقات کی بنا پر چچا کہتا ہے۔ اسے کچھ شوق ہے کبوتروں کا سوچتا ہوں کہ سب اس کو دے دوں۔ پھر خیال آتا ہے کچھ لوگوں کی روزی جائے گی!"
یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ میر کلو بولے "لیجئے وہ چھوٹے نواب عالم آگئے اور ان کے ساتھ حیدر نواب بھی"
دروازے میں سے چھوٹے نواب اور ان سے ایک قدم پیچھے حیدر نواب داخل ہوئے اور فرش کی طرف آئے۔ نواب صاحب بولے۔
"بیٹے تمہارا ہی انتظار تھا" سب طرف سے صاحب سلامت ہوئی اور چھوٹے نواب اور حیدر نواب فرش پر پاس پاس بیٹھ گئے۔ صفدر علی خاں اور اکبر نواب میں مزاج پرسی ہوتی رہی اس کے بعد صفدر نواب نے کہا۔
"تو پھر بھائی صاحب اب شروع ہونا چاہیئے بازی"
"ہاں بھائی سوراخ محمد کیا دیر ہے"
"حاضر حضور۔ میں حاضر ہوں!"
سوراخ محمد ایک کمخواب کی تھیلی لیے ہوئے سامنے آئے اور بولے۔
"حضور صف شکن کو لاؤں"
"تمہیں کسی اور کو لے لو۔ کیوں زحمت دو گے صف شکن کو شیر فگن ہے اور ہما ہے کسی کو لے آؤ!"
صفدر علی خاں بولے "تمہیں بھائی صاحب ہو گا یہ اپنا بہترین شیر تیغ فگن لالا۔ بدل آپ کے بھی بہترین سے ہو گی بازی!"
"اچھا تو پھر سوراخ محمد صف شکن ہی کو لاؤ۔ دیکھا جائے گا۔"
"مگر بھائی صاحب ....
"ٹھیک!"

......میں نے کہا وہ بازی تو ... نہیں ہوئی بغیر بازی کے بٹیر بازی

کہاں ہوئی"

"میں تو بازی لگاتا نہیں۔ مگر آپ کی مرضی یہی ہے تو یوں ہی سہی

کیا بازی لگاتے ہیں آپ؟"

"پانچ پانچ ہزار"

"بس۔ اچھا بھئی لالہ"

"حضور ابھی لایا" کہہ کر مدن بہاری لال چلے گئے۔ نواب صفدر علیخاں

اپنے ساتھ روپیے لائے تھے۔ انہوں نے اپنے آدمی سے پانچ تھیلیاں ہزار

ہزار کی لے کر نواب صاحب کے سامنے رکھ دیں۔ نواب صاحب بولے۔

"بھائی روپیہ آتا رہے گا۔ پانی تو شروع ہو"

"اچھا بھائی صاحب"

نواب صاحب نے حکم دیا "سوراخ محمد صف شکن کو لاؤ"

ادھر صفدر علی خاں نے اپنے آدمی سے کہا "فقیر علی۔ تیغ فگن کو دینا"

دونوں نوابوں نے اپنی اپنی بٹیریں لے کر مٹھیائیں اور ان پر کچھ پڑھ کر

پھونکا۔ نواب صاحب نے صف شکن کو سوراخ محمد کے حوالے کیا اور اس نے

بٹیر کو پالی میں چھوڑا۔ اس بٹیر میں کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی تھی

اور بٹیروں سے کچھ لمبا زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے زمین پر آتے ہی اپنے

چاروں طرف دیکھا اور اپنی جگہ پر اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

اتنے میں فقیر علی نے تیغ فگن کو چھوڑا۔ یہ بٹیر صف شکن سے کچھ زیادہ

فربہ تھا مگر بلا کا تیز تھا۔ تیر کی طرح سے وہ صف شکن کی طرف جھپٹا۔ صفدر علی

اور ان کے ساتھیوں نے کہا "واہ واہ کیا خوب آمد ہے" میر کلو بٹ "ڈوبے ڈوبے"

صف شکن۔ ہوا میں نہ آنا"

نواب صاحب نے آنکھیں پھرا کر ادھر ادھر دیکھا اور سب خاموش ہوگئے۔ سب سمجھ گئے کہ فقرے بازی سے حضور ناراض ہوگئے اور خاموشی سے لڑائی دیکھنے لگے۔

صف شکن منجھا ہوا کایاں بٹیر تھا۔ تیغ فگن کو تیزی سے آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے تھوڑا سا کھسک گیا اور تیغ فگن تیزی میں کچھ دور تک بھاگتا ہی چلا گیا۔ پھر وہ پلٹا اور صف شکن پر زور سے جھپٹا۔ صف شکن اپنی جگہ پر کھڑا رہا تیغ فگن نے کئی دفعہ چونچیں اور پنجے مارے مگر صف شکن نے ایک کا بھی جواب نہ دیا اور اپنی جگہ پر جما ہوا کھڑا رہا۔ تیغ فگن اور شیر ہوتا جا رہا تھا اور صف شکن کا استقلال بڑھتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد تیغ فگن کی ایک چونچ صف شکن کی آنکھ کے قریب ایسی لگی کہ اس کے خون نکل آیا۔ نواب صاحب کچھ سنبھل کر بیٹھے اور غور سے دیکھنے لگے۔ سوراخ محمد بھی کچھ گھبرا گیا۔ اس پر صف شکن بپھرا اور وہ پنجے مارے کہ تیغ فگن الٹ گیا۔ مگر وہ بھی بڑا مردار تھا۔ پھر اٹھ کر آگے آیا لیکن صف شکن نے اور زور سے جھٹک دی۔ اب دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ چونچیں اور پنجے برابر چلنے لگے صف شکن تیغ فگن کے ہر دو چار پنجوں کے بعد ایک ایسی چونچ یا پنجہ دیتا کہ تیغ فگن لڑکھڑا کر رہ جاتا مگر پھر بھی لڑے ہی جاتا۔

تیغ فگن کچھ ذرا سا دبتا معلوم ہوتا تھا۔ مگر صف شکن کا دم ابھی تک نہیں ٹوٹا تھا اور وہ اپنے اطمینان ہی میں تھا۔ اس وقت چونچیں برابر کی تھیں اور کوئی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ کون سا بٹیر جیتے گا حالانکہ تجربہ کار نگاہ والوں کو یہ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ تیغ فگن کا دم ٹوٹ جائے گا اور اس وقت صف شکن جیت

بھگا دے گا۔ غرض دونوں میں لڑائی جاری تھی۔ دونوں اپنے فن کے کرتب
دکھا رہے تھے اور سب کی نگاہیں ان دونوں پر لگی ہوئی تھیں۔

نواب صاحب نے صفدر علی خاں کی طرف دیکھا اور کہا "بھئی ماشاءاللہ
خوب بٹیر تیار کیا ہے"

صفدر علی خاں نے سلام کیا اور کہا "مگر بھائی صاحب آپ کا صف شکن
بھی تو بلا کا مستقل مزاج ہے۔ سنا تو بہت کچھ تھا اسکی بابت مگر اتنی امید نہ تھی
مجھے! اور کوئی ہوتا تو تیغ فگن اسکو چوندھیا چکا ہوتا اب تک"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ تیغ فگن نے صف شکن کے پھر ایسی چونچ ماری
کہ اسکی کنپٹی پھٹ گئی۔ اس پر صف شکن نے اپنا سر اونچا کیا۔ معلوم ہوتا تھا
کہ وہ سوتے سے جاگا اور اب اسے لڑائی کا احساس ہوا۔ اب تو اس نے
ایسی چونچیں مارنا شروع کیں کہ تیغ فگن اپنی سب تیزی بھول گئے۔ چونچوں
پر چونچیں اور پنجوں پر پنجوں کے صف شکن نے ایسے وار کیے کہ تیغ فگن چوندھیا
گیا۔ ایک پنجہ اس کے پوٹے پر ایسا پڑا کہ خون نکلنے لگا۔ مگر پھر بھی تیغ فگن ڈٹا
ہی گیا۔ ہر دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ اب بھاگا اور اب بھاگا مگر وہ جواب پہ
جواب دیتا ہی گیا۔ جواب دیتے دیتے شاید بہت تھک گیا تھا یا یوں کہئے کہ
اس کا فن ختم ہو چکا تھا جوابی حملے کا نہیں۔ ایکدم سے وہ ایسا بھاگا کہ پھر مڑا
بھی نہیں۔

نواب صفدر علی خاں اور ان کے ساتھیوں کا منہ اتر گیا اور نواب صاحب
کا چہرہ بشاش ہو گیا۔ نواب صاحب نے تشفی دیتے ہوئے کہا "بھئی صفدر!
تمہارا بٹیر ہے ماشاءاللہ عمدہ۔ صف شکن سے ہارنا کوئی بات نہیں ہے"
صفدر علی خاں نے کہا "درست فرمایا بھائی صاحب میں نے آپ کے صف شکن کو

سمجھنے میں غلطی کی۔ لیجئے یہ بازی کے روپے حاضر ہیں" اور پانچوں تھیلیاں نواب صاحب کی طرف بڑھا دیں۔"

لالہ مدن بہاری لال پانچ تھیلیاں لاکر نواب صاحب کے سامنے رکھ چکے تھے۔ نواب صاحب نے دسوں تھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"بھئی بازی تو شرع سے ممنوع ہے۔ اب یہ دسوں ہزار مجھ پر حرام ہیں۔ ان کو خیرات ہی کر دیا جائے۔"

حیدر علی خاں نے کہا "حضور! اباجان صاحب۔ اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں۔"

"ہاں۔ ہاں کہو"

"حضور یہ روپیہ ہمارے کالج کو دیدیں تو اس میں تعلیم دینیات کا شعبہ کھل سکے گا۔"

حضیر کلو بے تحاشہ بولے "واہ میاں واہ۔ نہ پیر کو نہ شہید کو کالج کو چھاپا۔"

میر عنایت حسین بولے "سرکار کالج تو سرکاری ہے بھرے کو بھرنے سے کیا فائدہ۔ یہ روپیہ جناب سید باقر حسین صاحب قبلہ کی خدمت میں بھجوا دیا جائے۔ جناب جو مصرف تجویز فرمائیں وہ بہتر ہوگا۔"

اور آخر میں یہی طے پایا کہ یہ روپیہ مجتہد العصر کی خدمت میں بھیجا جائے۔

(۱۸)

نواب صاحب چڑیا خانہ سے باہر تشریف لائے تو دن کے خاصہ کا

وقت ہو چکا تھا۔ نواب صاحب اور صفدر علی خاں آگے آگے اور باقی سب پیچھے پیچھے بارہ دری کی طرف آ رہے تھے۔ بارہ دری کے بائیں طرف والے پھاٹک کے پاس پہونچے تو وہاں پہرے دار کے پاس ایک محلدار کو کھڑا دیکھا۔ یہ محلدار فوراً جھک کر تین تسلیمیں بجا لائی۔ نواب صاحب نے پوچھا "کہو کیا ہے"

"حضور عالی جاہ" ہماری سرکار منجھلی بیگم صاحب نے فرمایا ہے کہ حضور اور سرکار کے بھائی صاحب اگر آج خاصہ محل میں تناول فرمائیں تو عین عنایت ہوگی۔"

"اچھا بھئی صفدر نواب آئیے چلئے..... سلطان علی خاں۔"

نواب صاحب کے بڑے صاحبزادے ہاتھ جوڑے ہوئے سامنے آئے اور بولے "حکم حضور"

"میاں دیکھئے یہاں سب لوگ ہیں۔ آپ ان کے ساتھ بارہ دری میں خاصہ نوش کیجئے۔ مجھے منجھلی بیگم نے یاد فرمایا ہے۔"

بڑے نواب بولے "بجا حضور"

نواب صاحب اور صفدر علی خاں منجھلے محل میں آئے۔ اس محل کی عمارت بالکل خاص محل کی طرح تھی۔ رقبہ کچھ کم ہوگا۔ اس محل سے ملحق متعدد محلات تھے جنمیں ان محل کے صاحبزادگان رہتے تھے۔ بیگم صاحب کافی سن رسیدہ اور موٹی تھیں۔ ان کے تین لڑکیاں بھی ہوئی تھیں جن میں سے دو شادیاں ہونے پر مر چکی تھیں۔ ایک لڑکی بن بیاہی تھی۔ اسکی انہوں نے وہم کے مارے شادی ہی نہیں کی تھی۔ یہ لڑکی کافی سن کی تھی مگر شادی نہ ہونے کی وجہ سے ابھی ادھیڑ نہیں معلوم ہوتی تھی پھر بھی اس کا چہرہ

ایسی نارنگی کی طرح تھا جو بڑ پر لگے لگے ہی خشک ہو گئی ہو۔ بیگم صاحب نے اس لڑکی کا بہت لاڈ اور پیار کیا تھا اور اس لیے وہ اب تک بچوں کی طرح باتیں کرتی تھی۔

نواب صاحب اندر تشریف لائے تو صاحبزادی تسلیم کر کے ان سے چمٹ گئیں اور بولیں۔

"حضور ابا جان۔ آپ نے ابھی وہ آنکھیں کھلنے بند ہونے والی گڑیا نہیں منگا دی۔"

"وہ یہاں تھوڑی ملتی ہے۔ کلکتہ سے آئے گی۔"

"تو آج بھیج دیجیے کسی کو کلکتے۔"

"کلکتہ کوئی یہاں رکھا ہوا ہے بٹیا۔"

"پھر کہاں رکھا ہوا ہے۔"

"اچھا تمہاری گڑیا کی شادی کب ہے۔" نواب صاحب نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔

"شادی کیسے ہو گی آپ نے ٹھہرائی ہی نہیں۔ کون پوچھے گا میری گڑیا کو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔"

شاہ نشین کے تختوں پر دسترخوان بچھ گیا تھا اور متعدد اقسام کے کھانے چنے جا چکے تھے۔ کیونکہ نواب صاحب معہ ایک جہان کے اندر کھانا کھا رہے تھے اس لیے دو خاصے کے خوان روز سے زیادہ سنجھلے محل میں آ گئے تھے۔

دوران طعام میں بیگم صاحب نے کہا "نواب صاحب اور صفدر بھائی آپ دونوں کان کھول کر سن لیں۔"

"فرمائیے۔"

"میں نے سُنا ہے کہ عزیزی بنے نواب سکندر علی خاں کی شادی انجمن آرا سے ٹھہر رہی ہے۔ خاص محل بھی راضی ہیں اور نواب صاحب آپ بھی؟"

"جی ہاں بیگم۔ تو کیا ہوا۔ ہم لوگ آخر ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ آخر ہرج کیا ہے؟"

"نہیں ہرج کوئی نہیں۔ مگر میرا بھتیجا اور بڑی بیگم صاحب کی پوتی آپ نے خوب سوچ لیا ہے کہ نہیں؟"

"بھئی تم عورتوں کی سلائیں ہی الگ رہتی ہے۔ ہاں میں سمجھا کچھ سوتیلے پن کا معاملہ تمہارے دل میں آیا ہوگا۔ یہ سب فضول کی باتیں ہیں۔"

"اے نواب اس بات کو یونہی نہ ٹالئے۔ کل کدھاں کوئی بات نکلے تو پھر لوگ یہی کہیں گے کہ لڑکی کی سوتیلی دادی کا بھتیجا تھا نا۔ میں ایسی باتوں سے گھبراتی ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ کیا سے کیا سوچتی ہیں۔ یہ سب کچھ نہیں۔ آخر آپ کی بڑی صاحبزادی مرحومہ کی شادی بڑی بیگم صاحب کے خاندان میں ہوئی تھی کہ نہیں؟"

"ہوئی تھی تو پھر کیا ہوا اس کا نتیجہ؟"

"تو لڑکی اس وجہ سے جاتی رہی؟"

"خیر یہ تو خدا کی مرضی تھی۔ مگر کسی کی کوئی زبان نہیں بند کر لیا کرتا ہے گا۔ یہی کہا گیا جب وہ جنت نصیب کرے مری کہ آخر سوتیلیوں میں شادی کرنے کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہی ہوا۔"

"باجی جان یہ سب آپ لوگوں کے توہمات ہیں۔ ہم مرد لوگ اسے کوئی

اہمیت نہیں دیئے" صفدر علی خاں نے کہا"

"خیر میرا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کو ہوشیار کردوں میں نے بڑی بیگم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیا تھا"

"تو انہوں نے کیا جواب دیا"

"انہوں نے جواب دیا کہ خاندانی لڑکے اب ہیں کہاں۔ غیر کفو۔ دوغلے۔ نہ معلوم کون کون میل کے سب لڑکے ہوتے جاتے ہیں گے۔ خاندانی لڑکا صرف یہی دکھائی دے رہا ہے"

"خیر۔ بھائی صاحب وہ میں آج امام ضامن کی تاریخ کے بابت بھی ذکر کرنے والا تھا"

"اس کی کیا جلدی ہے۔ یہ کام عالموں کا ہے۔ آپ جناب کے یہاں سے تاریخ لکھوا کر مجھ سے اطلاع کر دیجئے گا۔ مگر صاحبزادے عالم ایک بات پر دھیان رہے۔ یہ مہینہ ہے خالی کا اب بقرعید کا مہینہ دیکھا جائے گا۔ اس مہینہ میں بڑی بیگم صاحب ہرگز شادی نہ کریں گی۔ میں تو واقف ہوں انکی طبیعت سے۔ وہ کہتی ہیں کہ بقرعید کے مہینہ کی شادی ہول جول کی ہو جاتی ہے۔ اس لیے چاہے امام ضامن کی تاریخ ادھر ہی مقرر کرا لیجئے مگر شادی وغیرہ محرم بعد ہی ہو سکے گی"

"مجھے اس میں کوئی عذر نہیں حضور والا"

اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں،

نواب صاحب اپنی بارہ دری میں تشریف لائے اور نواب صفدر علی خاں رخصت ہوئے۔

پورے قصر الفضا میں خبر پھیل گئی کہ چھوٹے نواب عالم کی چھوٹی صاحبزادی کا نکاح ٹھہر گیا۔ بات پکی ہو گئی۔

(۱۹)

نواب صاحب نے اپنی گھٹتی ہوئی دولت کا احساس کر کے یہ طے
کر لیا تھا کہ اب قلعے سے باہر نہ نکلا کریں گے کیونکہ باہر نکلنے میں ہر پھیرے
میں پانسو ہزار روپیہ خرچ ہو جاتے تھے۔ بے تحاشا خیرات اور بیجا خرچ پر ان
کے تزک شان میں کمی آتی اور وضعداری کے خلاف ہوتا۔ عام طور پر
مشہور کر دیا گیا تھا کہ ضعف پیری کی وجہ سے حضور کو اب آمد و رفت میں
زحمت ہوتی تھی۔ وہ اب بازار کی یا دریا کی سیر کو بھی مہینوں بلکہ برسوں میں
ایک آدھ دفعہ جاتے۔

اس زمانہ میں ایک انگریزی بازار رفتہ رفتہ قائم ہو رہا تھا۔ اس
بازار کی نوعیت یہ تھی کہ انگریزوں کے بنگلے ایک سڑک کے دونوں طرف تھے
ان بنگلوں کے سامنے والے حصوں میں تجارت کا سامان لگا ہوا تھا
اور پیچھے کے حصوں میں انگریز تجار خود رہتے تھے۔ ان بنگلوں میں سے
ایک روبنسن کا نیلام گھر تھا۔ روبنسن اپنی خوبصورت میم کو ساتھ لیکر شہر
کے تمام رئیسوں میں جایا کرتا تھا اور مختلف اقسام کی عجیب و غریب چیزیں
وہ خود باہر رئیسوں کو دکھاتا اور اسکی میم اندر محلات کو دکھاتی۔ ہر اتوار
کو دس بجے اس کے بنگلے پر نیلام ہوا کرتا تھا۔

روبنسن نے نواب صاحب کے یہاں بہت قسم کی انگریزی چیزیں
فروخت کی تھیں اور ہمیشہ منھ مانگے دام پائے تھے۔ کہ عرصہ سے اسکی متواتر

التجا رہتی تھی کہ نواب صاحب ایک روز نیلام گھر کو اپنے قدم سے رونق بخشیں.
نواب صاحب کو بھی نیلام میں جانے کا شوق تھا مگر اس خیال سے کہ ہزاروں
کا خرچہ ہو جاتا تھا وہ رونبس کو برابر ٹالتے رہتے تھے۔ ایک اتوار کو نواب صاحب
مع مصاحبیں اور متعلقین نیلام گھر میں تشریف لے ہی آگئے۔

رونبس ایک چیز کا نیلام کر رہا تھا مگر نواب صاحب کی گاڑی باہر رکتی
دیکھ کر فوراً بھاگا ہوا آیا اور ان کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوا انہیں
اپنے بنگلے میں لے آیا۔ سامنے والے پردے میں کوچ پر اس نے نواب صاحب
کو بٹھایا۔ یہاں نواب مظفر الدولہ بھی ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نواب صاحب
نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا جیسے کہ انہیں دیکھا ہی نہیں مظفر الدولہ بھی
بھویں چڑھائے بیٹھے رہے اور اپنی مونچھیں مروڑتے رہے۔

رونبس نواب صاحب کی طرف خاص طور سے متوجہ ہو کر بولا۔
"حجور دیکھئے۔ یہ لیمپ۔ بڑا اچھا۔ کوئن کے پیلیس میں لگا تا۔ براکھوب
لیمپ۔ حجور کی بارہ دری کا واسطے بڑا اچا۔ برا لوگ کا واسطے یہ لیمپ۔ ایدر
برا برا دو نواب اسکا آکشن بڈ کرتا اچا حجور۔ اسکا بولی"

مظفر الدولہ بولے "ہم اس کے دو ہزار دونگا"

"یہ بولی کم آئے۔ اچا۔ آم آپ کا بولی لیتا" اور نواب صاحب
کی طرف دیکھ کر بولا "حجور بی۔ بولتا اسکا بولی"!

نواب نے میر کلو کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اکڑتے ہوئے سامنے آئے
انکی اکڑ دیکھنے کے قابل تھی بڑے بڑے کپڑوں میں ان کا جسم [illegible]
ہوتا تھا جیسے کسی بانس پر یہ سب کپڑے پہنا دیے گئے ہیں [illegible]
"صاحب یہ معمولی لیمپ ہمارے حضور کی نگاہ میں نہیں آتا مگر ہم

میر کلو اس کو لینا مانگتا ہے - ہم تین ہزار بولتا ہے"

"تین ہجار - تین ہجّار - تین ہجّار - تین ہجّار" رو نبس نے رٹ لگائی

مظفر الدولہ میر کلو کے جملے سے بھنّا گئے تھے اور اس پہ تلے ہوئے تھے

کہ ہار نہ مانیں گے اس لیے بولے -

"پانچ ہزار"

نواب صاحب نے میر کلو کو آنکھ کا اشارا کیا - میر کلو ایسے اکڑے کہ معلوم

ہوتا تھا کہ پیچھے رہنے والے ہیں اور بولے

"سات ہزار"

"سات ہجار - سات ہجار - سات ہجار" رو نبس رٹ لگائے گیا -

"دس ہزار"

"دس ہجار - دس ہجار - دس ہجار"

نواب صاحب نے یہ خیال کر کے کہ یہ دھوبن بچہ ہمارے مقابلہ پہ

آرہا ہے، فرمایا "میر کلو - روپیہ کی پرواہ نہ کرنا آخر میرے ملازم ہو"

"اے حضور - آپ کی شکر کی قسم میں کوئی دھوبی کا گدھا گھوڑی

ہوں جو لادی اتنی ایک اور وزن کچھ نہیں - ہونھ - یہ غلام نیلام فتح ہی کر کے

ہٹے گا - اینٹ سے اینٹ بجا ڈالوں گا سرکار"

مظفر الدولہ بہت زیادہ ترش رو ہو گئے اور بولے "ہمیں یہ لمپ لینا ہی

ہے چاہے کچھ ہو"

"اچھا جناب بولی بولو - دس ہجار دس ہجار"

میر کلو بولے "کیا ہزار ہزار دو دو ہزار سے بولی بڑھاؤں - پورے

پندرہ ہزار صاحب" "پندرہ ہزار"

مظفرالدولہ کے پاس روپیہ تو کافی تھا مگر انکا ہمارے نواب صاحب کی طرح دل نہیں تھا۔ وہ ایک ہی ہزار بڑھا کر بولنا مناسب سمجھے اور بولے "سولہ ہزار"

"واہ واہ رونبں صاحب۔ چھوا چھو۔ چھوا چھو۔ چھوا چھو" میر کلو بولے

"یہ کیا بولا تم"

"ہمارا مطلب ہے بیس ہزار"

"اچا بیس ہجار۔ بیس ہجار۔ بیس ہجار"

مظفرالدولہ کچھ اور زیادہ غصہ ہوئے اور اب بولی بڑھنے لگی۔

"بائیس ہزار" مظفرالدولہ بولے۔

"چھبیس ہزار" میر کلو بولے۔

"چھبیس ہزار"

"تیس ہزار"

"اکتیس ہزار"

"پینتیس ہزار"

"چھتیس ہزار"

"چالیس ہزار"

میر کلو کی زبان سے چالیس ہزار سن کر مظفرالدولہ کچھ ست پڑ گئے۔ انہوں نے لپ کو غور سے دیکھا۔ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار کا جانور تھا۔ ان کو خیال آیا کہ وہ کس حماقت میں پڑے۔ پھر انہوں نے میر کلو کو دیکھا وہ اسی طرح اکڑے ہوئے کھڑے تھے جیسے کہ چالیس ہزار کی رقم ان کے لیے ایک پیسہ کے برابر تھی۔ اور پھر انہوں نے نواب صاحب کی طرف دیکھا

جو ایسے اطمینان سے بیٹھے تھے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں رہا تھا ان کو خیال ہوا کہ نواب صاحب اپنی بات پر اڑے ہی رہیں گے اور بولی بڑھاتے ہی چلے جائیں گے اس لیے ان کو زیادہ سے زیادہ نقصان کیوں نہ پہنچایا جائے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال ہوا کہ میر کلو اکدم سے چھوڑ بھاگے تو بہت بری ٹھہرے گی۔

روشنیں کہتا جا رہا تھا "چالیس ہجار ایک چالیس ہجار دو۔ لیمپ جاٹا آئے۔ چالیس ہجار ہیں۔ کوئین ملکہ کے پیلیس محل کا لیمپ۔ چالیس ہجار میں جاٹا آئے"

مظفر الدولہ نے کہا "اکتالیس ہزار"

اسی وقت مظفر الدولہ کو خیال ہوا کہ اب میر کلو بالکل چھوڑ جائیں گے میر کلو نواب صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے اور نواب صاحب اپنے نوکر سے پان لیکر نوش فرمانے میں اس قدر مصروف تھے کہ کسی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ مظفر الدولہ کو پریشانی ہوئی کہ اگر اکتالیس ہزار پر لیمپ چھوٹ گیا تو بڑی رقم ہاتھ سے جائے گی۔ وہ دل میں یہ دعا مانگنے لگے کہ میر کلو بولی بڑھائیں ضرور اور یہ بھی طے کر لیا کہ اب آگے بولی نہ بڑھائیں گے۔ نواب صاحب نے منھ میں پان رکھ کر جب میر کلو کی طرف دیکھا اور مسکرائے تو مظفر الدولہ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ انکو پھانس کر تباہ ہی کر رہے تھے۔

کچھ دیر خاموشی کی وجہ سے میر کلو بھی کچھ پینک میں آجانے والے تھے مگر نواب صاحب کا اشارہ پاتے ہی اکدم سے چونک کر بولے "صاحب بیتالیس ہزار"

مظفر الدولہ نے اطمینان کی سانس لی اور بولے "ہم اب آگے نہ بولیں گے۔"

"واہ۔ چھو اچھو۔ چھو اچھو۔ چھو اچھو۔"

"اچا پینتالیس ہجار ون۔ پینتالیس ہجار ٹو۔ پینتالیس ہجار تھری۔ ناؤک داؤن" اور اپنی لکڑی کی ہتھوڑی کو لمپ سے چھوا دیا۔

نواب صاحب کے چہرہ پر رنگ دوڑ گیا کہ انکی بات وررہی۔

میر کلو نے جھک جھک کر تسلیمیں کیں اور کہا "حضور۔ مبارک ہو۔ اس غلام نے شکر کا حق پورا ادا کر دیا۔"

"خوب۔ مرحبا۔ شاباش" نواب صاحب نے کہا۔

مظفر الدولہ جلدی سے اٹھ کر بنگلے سے نکل گئے۔

نواب صاحب اٹھے اور فرمایا "میں ابھی روپیہ بھجواتا ہوں۔ لمپ آپ بھیج دیجئے گا"

روبنسن بولا "کوئی پرواہ نئی نباب ساب حجور سب سلام کر آپ کے آنے لیمپ آپ کا ساتھ جائے گا۔ دام آجائے گا۔ کوئی پرواہ نئی۔ رجسٹر میں نام کون کا لکیں ام؟"

"میر کلو" نواب صاحب بولے۔

روبنسن نے رجسٹری پر لکھتے ہوئے کہا "مسٹر میر کلو" اس پر میر کلو کی گول گول آنکھوں میں کچھ چمک پیدا ہوئی۔

میر کلو نے لمپ کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ کافی بھاری تھا۔ وہ بولے "حضور معلوم ہوتا ہے کہ پینتالیس ہزار روپیہ اسکے اندر بھرا ہے۔

رو نبس نے بیپ معہ اس کا سامان اپنے آدمیوں سے اٹھوا کر نواب صاحب کی گاڑی میں رکھوا دیا اور خود نواب صاحب کے ساتھ ساتھ گاڑی تک آیا۔ نواب صاحب سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوتے وقت بولا:
"فرسٹ نئی ملتا حجور آپ کے سیلیس آنے کا۔ آپ سے مل کر بوت اچا لگتا۔ مگر فرسٹ ٹی۔ ٹائم۔ بوٹ۔ کل کل ام آئے گا حجور۔"

(۳۰)

قصر الفضا میں محلات سے پچھم کی طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان میں مصاحبین داروغہ وغیرہ رہتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک مکان میر کلو کو بھی دے دیا گیا تھا۔ میر کلو بیس سیر مٹھائی کا ٹوکرہ ایک مزدور کے سر پر رکھوائے اپنے گھر کی ڈیوڑھی میں آئے۔ یہ مٹھائی نواب صاحب نے ان کو اس خوشی میں دلوا دی تھی کہ انہوں نے نواب صاحب کو نیلام جتایا تھا۔ میر کلو کی نیت مٹھائی سے کبھی بھر سکتی ہی نہیں تھی۔ اس وقت سے وہ بہت خوش تھے کہ یکدم سے بیس سیر مٹھائی ان کو مل گئی۔
وہ ڈیوڑھی میں مٹھائی رکھوا کر لپکتے ہوئے گھر کے اندر آگئے اور کہتے ہوئے:
"ارے بھئی سیدانی صاحب۔ اے بیوی۔ کہاں ہو۔ جلدی آؤ۔ دیکھو تو"

ان کی بیوی پاس والے مکان سے بولیں "اے کیا ہوا خیر تو ہے"
میر کلو کو کہاں تاب تھی۔ کھڑکی کے پاس آ گئے اور بولے "اری بیوی
جلدی آؤ۔ لاحول ولا قوۃ تمہارا تو واللہ گھر میں پیر ہی نہیں ٹکتا۔ جلدی آؤ"
میر کلو کی بیوی کھڑکی میں سے ادھر آئیں۔ یہ ایک کالی بھدی عورت
تھیں۔ میر کلو سے کئی بالشت قد میں بڑی اور کئی گنا مٹاپے میں۔ ایک زمانہ
میں یہ نواب صاحب کی لونڈی تھیں مگر جب نواب صاحب نے متعدد
اور لونڈیوں کے ساتھ ان کو بھی مصاحبین وغیرہ میں تقسیم کیا تو میر کلو
نے نواب صاحب سے التجا کر کے انہیں لے لیا اور ان کو پسند کرنے کی
وجہ یہ بتائی کہ یہ صورت شکل سے نجیب الطرفین سیدانی معلوم ہوتی
تھیں۔ غرضکہ میر کلو کے پاس ہر چیز نواب صاحب کی اترن تھی یہاں تک
کہ بیوی بھی۔

بیوی کے اندر آتے ہی میر کلو بولے۔

"ارے بیوی دیکھو پورے بیس سیر مٹھائی۔ میں خود اپنے سامنے
تلوا کر لایا ہوں۔ واللہ دیکھو! اس کی باچھیں اس طرح پر کھلی جا رہی تھیں
جیسے چڑیا کے بچے کی چونچ بھوک سے گر گر چلا رہا ہو۔"

"خیر تو ہے۔ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو"

"اونہہ۔ جلدی چلو نہیں تو ڈیوڑھی میں سے کوئی اٹھا لیجائیگا۔ بس"

دونوں میاں بیوی ساتھ گئے اور ٹوکرا پکڑ کر دالان میں لائے۔

میر کلو اکڑ کر کھڑے ہوئے اور بولے "کیوں بی سیدانی صاحب۔ کیا میں
آج کچھ بڑا آدمی نہیں معلوم ہو رہا ہوں۔ میری لمبان چوڑان کچھ بڑھ ضرور
گئی ہے"

"آخر میں کہتی ہوں۔ تم آج باتیں کیسی کر رہے ہو۔ پاگلوں کی سی"
"ارے بیوی۔ تم بالکل احمق ہو۔ اگر تم جانتیں کہ تمہارا میر صاحب کتنا بڑا معرکہ سر کرکے آرہا ہے تو پھولے نہ سمائیں۔ ارے فتح کے جھنڈے اُڑاؤ۔ اپنے دوپٹے کا جھنڈا بنالو"
"ارے خدا خیر کرے میر صاحب تمہارا دماغ بالکل اُلٹ گیا ہے"
"ارے بیوی۔ دو بیسی اور پانچ اتنے ہزار روپئے جو آدمی خرچ کرکے آیا ہو اور سب اپنے نام سے وہ پھولے نہ سمائے گا تو کیا ہوگا"
"تو اتنا روپیہ نواب صاحب کے خزانے میں دیکھ بھاگے ہوگے"
"ارے تم نہیں سمجھ سکتیں۔ ناقص العقل عورت۔ ارے عورت کو ناقص العقل کیوں کہا جاتا اگر اس کے عقل ہوا کرتی۔ بس جانے دو۔ میں تمہیں سمجھا سکتا تم کو اور ادھر مٹھائی رکھی سوکھ رہی ہے۔ اری بیوی پانچ میل ہے۔ ڈھائی ڈھائی سیر ہر طرح کی"
"ارے میں سنوں تو کیا ہوا"
"تم سنو گی تو سٹ کرائیٹ ہو جاؤ گی لکھوری پاگتا۔ میں نے آج نیلام میں دو بیسی اور پانچ ہزار روپیہ صرف کیا۔ میں نے مسٹر میر کلو۔ میں بڑا آدمی نہیں ہوں۔ نہ یقین ہو تو نیلام والے صاحب کا رجسٹر دکھوالو"
"یہ رجسٹر کیا بلا ہے"
"اُف اُف۔ اب تم کو انگریزی سیکھنا ہی پڑے گی میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں۔ ہر وقت ہمسائے میں بیٹھی رہتی ہو۔ ارے خالی وقت میں انگریزی پڑھ ڈالو۔ اب ہم ایک دن بری طرح انگریزی بولنے لگیں گے"
"واہ ہوا۔ واہ۔ تم سچ مچ سڑی ہوگئے ہو یا تمہارے دماغ میں الو نے

انڈے دیے ہیں۔ اگر دو بیسی اور پانچ ہزار روپیہ لے آتے تو بڑے آدمی ہوتے خرچ کرانے میں کیا تحفگی ہوئی۔"

میر کلو نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سامنے اٹھا کر ہلایا اور دانت بیس کر بولے "یہی تو تم احمق نہیں سمجھ سکیں۔ جب میں بولی بول رہا تھا۔ دس ہزار بیس ہزار۔ چالیس ہزار، پینتالیس ہزار پر توڑ ہوا تو تمام لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ بہت انگریز وغیرہ وغیرہ سب ہم کو نہایت بڑا آدمی جان رہے تھے۔ تم نہیں سمجھتیں۔ اس نیلام۔ نہیں ہم انگریزی بولے گا آکشن نے ہم کو سچ مچ بہت بڑا آدمی بنا دیا۔ تم نہیں سمجھ سکتا ڈیم فول۔ اب آج سے ہم انگریزی ہی بولے گا۔ تم سمجھے یا نہ سمجھے۔ تمہارا کوچ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"خیر تمہارا دماغ بالکل خراب ہی ہو گیا ہے۔ تم مٹھائی شروع کرو۔ میں روٹی سالن لاتی ہوں۔"

"نہیں نہیں۔ آج کھانا لا کر کیا کرو گی آج منع کر دو نہیں خیر اب آ گیا ہے تو کسی کو دے دو اور میں بھی دسترخوان پر آج نہیں جاؤنگا۔ آج دن بھر مٹھائی کھائیں گے ہم اور تم دونوں۔ جب میاں بادشاہ ہوتا ہے تو بیوی آپ سے آپ ملکہ ہو جاتی ہے۔ تم آپ سے آپ بڑی آدمی ہو گئی ہو تم کو بھی مٹھائی کھاتی رہنا چاہیئے آج دن بھر۔ اور مجھے مسٹر کا خطاب ملا ہے آج۔"

"یہ کیا بلا ہے؟"

"آج نیلام چھوڑتے وقت لاٹ راتبس صاحب بہادر نے میرا نام مسٹر میر کلو لکھا یعنی سرکار انگریزی سے مجھے مسٹر کا خطاب مل گیا۔ تم گھاتے میں مسٹرائن ہو گئیں واللہ۔"

اس وقت ڈیوڑھی پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ میر کلو بولے۔

"کون ہے؟"

"ہم ہیں۔ چھوٹک۔"

"اہا آجاؤ۔ چھوٹک۔ تم تو بڑے یار ہو ہمارے۔"

چھوٹک وہی آدمی ہے جو کنوئیں پر وظیفہ پڑھتا ہے۔ یہ بڈھا کمر جھکی ہوئی۔ منھ پر جھریاں، بال سفید۔ دیہاتی محض دھوتی باندھے اور کرتہ پہنے گھر میں آگیا۔

"سلام۔ میر صاحب۔ آج سنا کھوب مٹھائی پائیو۔"

"آؤ بھائی۔ تم بھی کھاؤ۔ پھر تم حقہ بھر لانا ہم تم پئیں گے۔"

پلنگ پر سرہانے میر کلو بیٹھے تھے، پائینتی چھوٹک۔ ایک پٹی پر آکر مسٹر اٹن میر کلو بھی بیٹھ گئیں اور سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔

(۲۱)

بارہ دری کے چبوترے پر توشی خانہ سے ملا ہوا ایک کمرہ تھا جس کے دونوں طرف برآمدے تھے۔ یہ نواب صاحب کے مدار المہام کا دفتر تھا۔ یہاں ایک طرف توشی خانہ کی دیوار سے ملا ہوا ایک تخت بچھا تھا جس پر قالین بچھا تھا اور سفید گاؤ تکیہ لگا تھا اس پہ مدار المہام صاحب تشریف رکھتے تھے ان کے سامنے کچھ جگہ چھوڑ کر ایک بہت لمبا اور چوڑا تخت پڑا تھا جس پر دری اور چاندنی بچھی تھی۔ اس تخت کے بیچ میں اس کنارے سے اُس کنارے تک ایک قطاریں لگی ہوئی بہت سی پوتھیاں باقاعدہ رکھی ہوئی تھیں

اس قطار کے دونوں طرف چار چار منشی قلمدان سامنے رکھے ہوئے حساب کتاب میں مصروف تھے۔

مدارالمہام کے تخت سے کچھ قدم داہنی طرف زمین میں ایک لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا جس پر ایک بہت بڑا لوہے کا قفل پڑا تھا۔ اس دروازے کے نیچے زینہ تھا جو خزانے کے تہخانے میں جاتا تھا۔

پہلے نواب صاحب خود کبھی کبھی دفتر میں آجاتے تھے مگر اب انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے سلطان علی خاں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ ہر روز دفتر میں جایا کریں اور کام دیکھا کریں۔ بڑے نواب عالم دفتر میں آئے۔ تمام منشی تخت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور جھک جھک کر سلام بجالائے۔ لالہ صاحب کو صاحبزادے صاحب نے سلام کیا۔

"آداب عرض ہے چاچا جی"

لالہ صاحب نصف قد تعظیم کے لیے اٹھے اور بولے "آئیے صاحبزادے صاحب۔ جیتے رہیئے۔ سلامت رہیئے"

بڑے نواب عالم لالہ جی کے پاس تخت پر بیٹھ گئے اور بولے "چاچا جی کوئی خاص حساب ہے"

"ہاں۔ ایک بل ہے پینتالیس ہزار کا"

"پینتالیس ہزار" بڑے نواب بہت متعجب ہوئے۔

"تعجب کی کیا بات ہے صاحبزادے۔ ہم نے تو وہ بھی زمانہ دیکھا ہے جب ان ہی ہاتھوں سے سوا سوا لاکھ اور ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ ایک وقت میں ادا کیا۔ پینتالیس ہزار تمہیں معلوم نہیں ہوتے"

"مگر اب ......"

"ہاں میں سمجھ گیا۔ اب وہ حالات نہیں ہیں۔ اب تو یہ خرچہ بہت ہی بے تکا، نہایت درجہ کی فضول خرچی ہوئی۔ میں جانتا ہوں"

"حضور ابا کو اسی قسم کے....."

"ہاں ہاں روکنا چاہیئے۔ مگر کیسے۔ میاں آپ سمجھتے نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ وہ اپنی طبیعت کو بہت روکے ہوئے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ خزانہ تین چوتھائی سے زیادہ خالی ہو چکا۔ مگر شان اور بات پر سب کچھ دیا جا سکتا ہے"

"آپ کی ذاتی رائے یہ ہے۔ چاچا جی"

"میاں میں تو بنیا ہوں۔ پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتا جمع کرنا جانتا ہوں۔ مگر میری اور میرے باپ دادا کی پوری عمریں اس گھر میں گذریں۔ انسان کی طبیعت صاحبزادے صاحب نہیں بدلی جا سکتی۔ کل جب مجھے یہ بل ملا میں ذرا سنجیدہ ہو کر حضور کے سامنے گیا۔ حضور کا چہرہ اُتر گیا بولے "بھئی کیا کروں لالہ یہ خرچہ فضول ہی ہو گیا"۔ میں مسکرا دیا اور بولا "کچھ نہیں سرکار کوئی بات نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں ہے۔ بس ایسی ہی باتیں دلاسا دینے کی کر دیں میں نے"

"مگر چاچا جی یہ خزانہ اب کب تک چلے گا۔ اور اخراجات ہر مہینہ بڑھتے جاتے ہیں"

"پھر تماشا ان کو پیسہ سو برس کی عمر دے۔ میاں یہ سب معاملہ ان ہی کے دم تک ہے مع کہ ایں معاملہ تا صبح دم نخواہد ماند۔ یہ نوابی آگے چلنے والی نہیں ارے ان ہی کو نوابی کر لینے دیجئے"

"ہم لوگ تو پھر قلاش ہی رہ جائیں گے"

"یہ ہاتھ مالک ہے بھئیا اور تم لوگوں کو وثیقہ ملے گا سرکاری۔ ہاں یہ عالم نہیں رہے گا۔ اپنی اپنی ٹھیکری اور اپنا اپنا راج۔ سب تتر بتر ہو جائینگے یہ باغ چمن سب اُجڑ جائیں گے۔ یہ عملہ سب ختم ہو جائے گا۔ مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے جب میں یہ سب سوچتا ہوں۔ میں تو کئی دفعہ حضور سے کہہ چکا ہوں کہ سرکار اب مجھے سبکدوش فرمائیے۔ اب گنگا جی جاکر رام رام کر کے باقی دن بتا دوں مگر جب حضور کہتے ہیں کیوں بھئی اب آخری وقت میں ہمیں چھوڑ جاؤ گے تو دل بھر آتا ہے، آنسو نکل آتے ہیں میرے ...... اچھا بھئیا یہ سب باتیں جانے دیجئے ..... اس پرچز اے سے برآمد کیا جائے لکھیئے اور دستخط کیجئے"۔

بڑے نواب نے پائی لیکر اس پر کچھ تحریر کیا اور لالہ جی کو دیدیا۔

"اچھا۔ چاچا جی۔ ہم چلیں اب اور کوئی کام تو نہیں ہے؟"

"ہاں۔ آپ جائیے۔ حسابات پہ دستخط ہو جائیں گے"

(۲۳)

بڑے نواب عالم اپنی حویلی کے مردانے میں تشریف رکھتے تھے۔ ادھر اُدھر بہت سے سفید پوش لوگ بیٹھے تھے۔ متعدد خاصدان اور حقے لوگوں کے سامنے رکھے تھے۔ صاحبزادے صاحب خود حقے پی رہے تھے ان سے شوق فرما رہے تھے ایک سجی سجائی جوان عورت گاؤ تکیہ کے پاس آکر صاحبزادے کے منھ میں پان دے گئی۔ یہ عورت ایک رنڈی تھی جو صاحبزادے صاحب کی

اس مہینہ بھر کے لیے داروغہ تھی۔ وہ ہر مہینہ ایک نئی رنڈی کو داروغہ مقرر کرتے تھے اور قریب قریب ہر روز ایک نئی رنڈی انکی خدمت کے لیے آتی تھی۔ عورتوں کا ان کو خاص شوق تھا اور مقویات کا استعمال جاری رکھتے تھے۔ ان کے مصاحبین زیادہ تر عورتوں کی یا مقوی دواؤں کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اسوقت بھی اس سلسلہ کی باتیں ہو رہی تھیں۔

نواب کو آج کل دیہات سے عورتیں منگانے کی فکر تھی کیونکہ شہر میں اب کوئی عورت ان سے باقی نہیں بچی تھی۔ ان کے ایک مصاحب سندیلے سے واپس آئے تھے اور یوں بیان کر رہے تھے۔

"اے حضور میں کیا کہوں پس گیا۔ لوٹ گیا۔ کوئی بارہ برس کا سن ہوگا۔ اٹھتی جوانی بست سرکار۔ سندیلے میں سرائے کے پاس رہتی ہے یہ خاکسار سرائے میں توٹھہرا ہوا تھا سہ پہر کو ذری ادھر ادھر ٹہلنے نکلا تو دیکھتا کیا ہوں لب سڑک بر آمدے میں آن کر کھڑی ہوگئی۔ بڑی قبول صورت سرکار۔ کیا کہوں۔ میں نے آنکھ ماری ہنس پڑی۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ تحفہ حضور کے لیے اچھا ہے۔ مگر سرکار بے زر عشق ٹیں ٹیں۔ کل دو روپیہ کی ریزگاری جیب میں۔ خیر میں گیا وہاں۔ نائکہ دیہاتی آ بیا جیا بول رہی تھی۔ ہمیں اس سے کیا واسطہ۔ خیر سرکار ایک سو روپیہ میں یہاں آجائے گی اور حضور جے دن چاہے رکھیں۔ بس سو روپیہ نائکہ کے ہاتھ میں دیدیا جائے گا اور آمدرفت کا میر اکرایہ اور ان دونوں کا۔ اونٹ گاڑی پر لیے ہوئے چلے آئیں گے!!"

بڑے نواب صاحب یہ سب غور سے سنتے رہے اور بیچوان کی مہنال منہ میں لگائے ہوئے کش لگاتے رہے۔ آخر کار بولے۔

"دس میں سب کرایہ ہو جائے گا۔"

"جی سرکار یہی دس بارہ کافی ہیں۔"

"اچھا! تو میں ایک سو پندرہ روپیہ کا رقعہ لکھے دیتا ہوں۔ دفتر سے لے لینا اور تم ابھی چلے جاؤ۔ کل تک پلٹ آؤ گے۔"

یہ صاحب گئے ہی تھے کہ دوسرے نے چھیڑی "نواب صاحب عالی جاہ کی اس وقت خاص لونڈی جو ہے وہ قیامت ہے سرکار قیامت۔"

"ہاں بھئی یہی تو ایک عورت دیکھی جس سے میں ہارا۔ کسی طرح پیٹھ پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتی۔"

ایک تیسرے صاحب بولے "ہے سرکار آوارہ وہ نیچے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ۔ نوکروں چاکروں کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"بنتی تو بڑی پارسا ہے۔" نواب نے کہا "اور حضور اباجان ..... اب کیا کہوں۔"

"ارے حضور۔ ان لونڈیوں باندیوں کی بھی عصمت واللہ۔ ان کا کوئی ٹھیک ہے۔"

ایک چوتھے صاحب بولے "سرکار انکی توجہ اپنے طبقہ کے لوگوں کی طرف ہوتی ہے۔ میں نے اکثر اس کو نوکروں سے ہنستے دیکھا۔"

پہلے صاحب بولے "مگر کیا حسن پایا ہے۔"

"ہاں ایسی حسین میری نگاہ سے کبھی نہیں گذری۔ مگر بلا کی ضدن ہے۔ کسی صورت آتی ہی نہیں پھندے میں۔ اور اباجان کی خاص ہے جب سے آئی ہے۔"

ایک اور صاحب جواب تک خاموش تھے۔ بولے "سرکار سے تو ان

کب تک خیر منائیں گی۔ آپ کی ملکیت ہے حضور ایک نہ ایک دن خدا اُن عالی جاہ کو عمر نوح عطا کرے۔ آئے گی آپ کے قدموں پر سر رکھتی"

"ہاں دیکھا جائے گا۔ ابھی ایسا بھی نہیں دو چار برس میں کچھ ڈھلے گی بھی نہیں"

چھٹے صاحب نے کہا "حضور یہ نوکر چاکر اس کو خراب کر ڈالیں گے"

"نہیں۔ تمہارا خیال ہے"

"خیر جو رائے حضور کی"

"اس کی باتیں جانے دو۔ کچھ اور باتیں کرو"

ایک صاحب بولے "حضور اس دن نواب صفدر علی خاں صاحب شادی کی بات چیت کرنے آئے تھے اور شادی طے بھی ہو گئی؟"

"ہاں ابھی تاریخ مقرر نہیں ہوئی...... گلبدن جان پان لاؤ"

بی گلبدن جان نے آکر نواب کے منہ میں گلوری پان رکھیں۔

نواب پان کو چباتے ہوئے بولے

"تاریخ کوئی ربیع الاول کے مہینہ کی پڑے گی"

"اور سرکار اب ماشاء اللہ ہماری صاحبزادی کی بھی شادی ہونا چاہئے ماشاء اللہ اب اس لائق ہو گئی"

"ہاں مجھے بھی فکر رہتی ہے۔ لڑکوں سے فرض سے آزاد ہو گیا [illegible] تو لڑکی نہ ہوتی تو اچھا تھا۔ چھوٹے نواب کے بعد میں تو سمجھا تھا کہ اب کوئی بچہ نہ ہوگا۔ پندرہ برس گذر گئے تھے۔ مگر اتفاق سے یہ لڑکی ہو گئی۔ خیر اس کی شادی بھی فرض ہے۔ حضور اسی جاڑے سے [illegible] اور جان [illegible] چاہا بھی ہے تو ہو ہی گیا [illegible] ٹھہرائیں گی"

"سرکار ہمارے چھوٹے نواب عالم صاحب کو تو کسی بات کی فکر ہی نہیں۔ دلربا جان اور امراؤ جان ہیں اور وہ ہیں اور دن رات مجلسیں ہو رہی ہے مگر انکی صاحبزادی کی شادی کتنی اچھی جگہ ہو رہی ہے اور سرکار آپ کو اس قدر فکر ہے اور آپ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کیا ستم ظریفی ہے۔"

"یہ سب باتیں خدا کی طرف سے ہیں۔ ہماری فکروں وکروں سے کچھ نہیں ہوتا۔"

دوسرے صاحب کچھ سنبھل کر بیٹھے اور کچھ جھک کر عرض کی:

"حضور خورد محل صاحب کے وہ پوتے نہیں ہیں نواب آغا۔ میرے بڑے بھائی تو ان کے اتالیق ہیں گے۔ وہ عالی خاندان ہیں۔ ہر طرح آپ ہی کا خاندان ہے گا۔"

"لڑکا تو اچھا ہے بھئی۔ مگر سوتیلوں کا معاملہ"

"یہ تو ہے گا۔ مگر اب سگوں میں کہاں بر ملتے ہیں گے۔ سرکار خاص محل صاحب ہی نے یہ رسم توڑی۔ بہت شادیاں سوتیلوں میں ہوئی ہیں گی...... اسکے دیکھیے......"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ امی جان مان جائیں گی۔ مگر ان تک بات کیسے پہنچائی جائے۔"

"مگر سرکار بیگم صاحب عالی جاہ کو قرار کیسے آئے گا۔ صاحبزادی کے بغیر۔ اب تک اپنے پاس سلاتی ہیں۔"

"یہ سب عورتوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ امی جان کا پیار ایسا ہی ہے جیسے چھوٹے نواب کی بڑی لڑکی سے ایسا ہی پیار تھا۔ آخر وہ بیاہ کے اپنے شوہر کے گھر گئیں تو اب پوچھتیں تک نہیں۔ ان کو اب شاد آباد رہے پیارے ہیں مگر ہاں

یہ تو دیکھو اگر شادی گھر کے گھر ہی میں ہوئی تو شاہ آرا کہیں باہر جائیگی بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ امی جان کو اگر یہ پہلو سمجھایا جائے تو جلدی راضی ہو جائیں گی۔ واللہ یہ خوب رہی"

سب نے کہا "سرکار۔ خیال بہت ہی اچھا ہے"

"مگر اسے چھیڑے گا کون ...... اچھا دیکھو اک دن جا کے بیگم سے ذکر کروں گا"

(۳۴)

سہ پہر کا وقت بڑے نواب عالم زنانے میں تشریف لائے۔ گھر میں مامائیں وغیرہ ہی تھیں۔ سب کھڑی ہو گئیں اور تسلیمیں کرنے لگیں اور سب کی سب تعجب میں تھیں کیونکہ نواب کافی عرصے کے بعد آج گھر کے اندر داخل ہوئے تھے۔ نواب شاہ نشین کی طرف آکر دالان میں چھپر کھٹ پر بیٹھ گئے اور حکم دیا۔

"جاؤ۔ امی جان کے یہاں سے بیگم کو بلا لاؤ"

تھوڑی ہی دیر کے بعد بیگم صاحب سر کو ڈھانکتی ہوئی تشریف لائیں۔ وہ آ ہی رہی تھیں کہ نواب نے یوں کہنا شروع کیا۔

"کیا کہیں۔ ہم بھی کیا قسمت لکھوا کر آئے تھے۔ امی جان نے ہماری شادی ہی ناحق کی تھی۔ ہماری بیوی کو پوری پوری لونڈی بنا رکھا ہے جب گھر میں آؤ۔ گھر خالی۔ بیوی غائب۔ آپ حضور کے یہاں کام میں مصروف

ہیں اسی سے تو ہینوں گھر کے اندر جھانکنے کو جی نہیں چاہتا۔ کیا کروں باہر پڑا رہتا ہوں"

بڑی بہو بیگم اب بڈھی تھیں مگر اپنے میاں سے اب بھی شرماتی تھیں۔ وہ اپنے میاں کے پاس چھپر کھٹ پر آ کر بیٹھ گئیں مگر آنکھیں نیچی ہی کئے تھیں ان کے میاں کو بھی عورتوں کے بہلانے کی سیاست بہت آتی تھی۔ اور انہوں نے اپنی بیوی کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ ان کو بہت چاہتے ہیں مگر بدرجۂ مجبوری زیادہ تر باہر رہتے ہیں اور کبھی کدھار ایک آدھ رنڈی بھی بلا لیتے ہیں"

"اچھا تو نواب بتائیے کیا خاص کام ہے۔ میں آتو سب کے کپڑوں کی بابت لکھوا رہی تھی کہ کیا کیا لینے گا اور کتنا کتنا کپڑا آئے۔ وہ قلم لیے بیٹھی ہوگی"

"اف فوہ۔ اف فوہ۔ یہ پابندی ہے۔ ارے ہم تمہارے یہاں ہیں آئے ہیں تم کو دیکھنے کو جی چاہا اب گھڑی دو گھڑی بات بھی نہیں کر سکتے اور آ تو بیٹھی رہے۔ کیا تنخواہ نہیں ملتی واہ ہم گھڑی بھر باتیں کرینگے...... وہ خود اور رشیدو کہاں ہے"

"بلواؤں۔ وہ تو امی جان کے کوٹے کا سہے"

"توبہ توبہ بھئی خدا۔ ایسی زندگی سے تو ہم باز آئے۔ اپنی لڑکی کو بھی نہیں دیکھ سکتے مگر اسے بلانے جائے گا کون اور امی جان کے سامنے اگر کوئی کہے کہ میں بلاتا ہوں تو پھر خفا نہ ہونگی کہ ہاں میری موجودگی میں بچے کھلائے جائیں گے"

"اشارے سے بلوائی جائے گی"

"نہیں بیگم اس وقت رہنے دو اس کو۔ ایک بات یاد آ گئی بہت

خاص۔ اسکی بابت تم سے بات چیت کروں نہیں تو نہ معلوم تم سے کب ملاقات ہو اور کب نہ ہو۔۔۔۔ ہاں دیکھو شادی کی بھی شادی اگر ٹھہر جائے تو اچھا ہی ہے"

"مگر امی جان تو کہتی ہیں کہ میں ہرگز ہرگز اسکی شادی ابھی نکروں گی"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر آخر شادی کرنا بھی تو فرض ہے۔ اب لڑکی ماشاءاللہ جوان ہے۔ ہم پر اسکی شادی فرض ہے۔ مجھ کو ہر لمحہ فکر رہتی ہے۔ آخر خدا کے یہاں بھی تو جانا ہے اور پھر خلق خدا کیا کہے گی کہ جوان لڑکی بٹھائے ہوئے ہیں"

"مگر امی جان کی ضد کے آگے کوئی ٹھہر سکتا ہے۔ آسمان اور زمین ایک طرف اور وہ ایک طرف"

"ہاں اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ ایسے لڑکے سے شادی ہو جو کہیں لے ہی نہ جائے بس"

"تو گھر میں کون سا لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔ آپ کے سگوں میں سب بیاہے جا چکے ہیں!"

"مگر سوتیلوں میں تو ہیں"

"اے سوتیلوں کو امی جان کا ہے کو قبول کرنے لگیں!"

"اب یہ کوئی نئی بات نہیں رہ گئی ہے آخر منجھلی امی جان کی لڑکیاں دونوں سوتیلوں میں گئیں اور ہماری انہیں بھی اور اب انجو کی شادی۔ وہ سوتیلی تو ہیں نہیں جیسے کہ۔ اب یہ رسم تو ٹوٹ چکی۔ امی جان ہی نے توڑی۔ اب وہ کیا کہیں گی"

"جی ہاں۔ اب بھی جہاں جی نہیں چاہتا وہاں بہانہ کر دیتی ہیں۔

مگر سوتیلوں میں بھی کہاں ہے کوئی لڑکا"

"ارے چھوٹی امی جان کا پوتا ہے۔ نہیں نواب آغا۔ اگر ہماری امی جان راضی ہوں تو وہ دوڑ کر پیغام دیں گی۔ آخر انجو کی شادی سے مجھلی امی جان کی پشت مضبوط ہوتے دیکھ رہی ہیں۔ ان کو بھی ہم سے رشتہ کرنے کا خیال ضرور آیا ہوگا۔ بیگم یہ سب ہمارے گھر کی سیاست ہے تم آج رات کو کسی بہانے سے یہ ذکر چھیڑ نا تو۔ اگر منشا پایا تو پھر ہم سے کہنا اور ہم وہاں سے رقعہ منگانے کی ترکیب کرلیں گے۔ کوئی زیادہ زحمت کی بات نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی دادا کی اولاد اور چھوٹی امی جان بھی ہماری ذرا دور کے رشتہ سے خالہ ہی لگتی ہیں"

"اچھا تو میں یہی کرونگی"

"کئی دن سے میری کمر میں کچھ خفیف سا درد ہے۔ میں لیٹ کر تم سے باتیں کرتا۔ مگر یہاں ..... امی جان نے مجھے تباہ کردیا واللہ خیر تم جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ میں باہر جاکر لیٹوں گا۔ مجھے بھی ابا جان دن بھر عاجز کیے رہتے ہیں۔ مثل کہتے تھے کہ سگ باش برادر خورد مباش میر کلو نے میرا کام دیکھ کر ایک دن کہا سگ باش برادر کلاں مباش اور ٹھیک کہا۔

(۲۴)

خورد محل نواب صاحب کی چوتھی اور آخری خاندانی بیوی تھیں یوں تو نواب صاحب کے محلات میں بہت سی نکاحی اور متاعی عورتیں

بھی تھیں جن کے چھوٹے چھوٹے محل قصر الفضا میں بنے ہوئے تھے مگر
ان کا شمار بیویوں میں نہیں کیا جاتا تھا۔
خورد محل بھی اب [illegible] ہو چکی تھیں۔ ایک وقت میں وہ نہایت
دوچہ موٹی تھیں اور [illegible] کا جسم [illegible] بالکل تھل تھل ہو گیا تھا۔
پستہ قد ہونے کی وجہ سے [illegible] تھیں اور جہاں بیٹھی تھیں
وہاں ایک ڈھیر سا رکھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔
خورد محل کے یہاں ایک بچہ لڑکا ہوا تھا جس کا نام سرفراز علی خاں
عرف بڑے آغا تھا۔ بڑے آغا [illegible] ہوئے اور انکی شادی ہوئی اور انکے
یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمشاد علی خاں عرف نواب آغا
رکھا گیا۔ نواب آغا کی پیدائش کے سال بھر بعد ہی پہلے اس کی ماں اور
پھر باپ بھی مر گیا۔ خورد محل کو بڑا قلق ہوا۔ وہ گھل کر آدھی رہ گئیں اور
ان پر بڑھاپا آگیا۔ پھر رفتہ رفتہ ان کا دھیان نواب آغا کی طرف لگایا۔
اس سے ان کا دل بہل گیا اور وہ انہیں ہمیشہ اپنے کلیجے سے لگائے رہیں۔
یہ صاحبزادہ اس وقت قریب سترہ برس کا تھا۔ یہ نہایت سیدھا
اور بھولا بچہ تھا۔ چھوٹا قد، بھرے گلے اور کافی موٹا تازہ۔ اگر یہ کچھ موٹا اور
ہو جاتا تو غبارے کا سا معلوم ہوتا۔ اس کی ایک خاص عادت تھی وہ
یہ کہ اس کا منھ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔
نواب آغا بچپن سے اب تک پورے آغا ہی تھے۔ کوئی بات ان کی
مرضی کے خلاف ہوتی تو اب بھی ان کے کھلے ہوئے منھ سے "امی جان
دیکھئے۔ آہا۔ ہا۔ ہا ہا" کی آواز نکلتی اور انکی امی جان یعنی خورد محل صاحبہ
اس آواز کو سن کر ماہی بے آب کی طرح بیقرار ہو جاتیں۔ بچپن میں یہ بچہ

دنوں اپنے ہجولی بچوں کے ساتھ کھیلے مگران لوگوں نے ان کا نام "منہ کھلا" رکھ دیا اور یہ اپنی امی جان کے پاس آکر بہت زیادہ روئے۔ امی جان نے فرمایا "ہم باز آئے۔ ہمارے لڑکے کے دشمن ہیں یہ سب" اور اس دن سے نواب آغا کے پاس ان لوگوں کا آنا جانا بند کر دیا گیا۔

پھر بھی نواب آغا ان میں گھستے تھے اور پٹتے تھے یا بنائے جاتے تھے اور روتے ہوئے خورد محل کے پاس آتے تھے آخر کار خورد محل نے عاجز آکر چار چھوٹی چھوٹی لونڈیاں پالیں جن کے ساتھ نواب آغا کھیلتے اور ہر وقت کھیلتے ہی رہتے۔ اس وقت یہ چاروں لونڈیاں بھی جوان ہو گئیں تھیں اور نواب آغا بھی۔ نواب آغا کی بات چیت کا طریقہ اشارات، اور حرکات بالکل لونڈیوں کے سے ہو گئے تھے اور اکثر وہ انکے کپڑے، چوڑیاں۔ اور گہنا وغیرہ پہن کر خوش ہوتے تھے۔ انکی امی جان ان کو لڑکیوں کے لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔

پہلے تو کافی عرصہ تک نواب آغا اپنی لونڈیوں کے ساتھ گڑیاں، آنکھ موچی دھپ، چھلی چھلئیا گٹے وغیرہ کھیلا کیئے مگر اب میاں بیوی کا کھیل ان کو زیادہ اچھا لگتا تھا۔ ایک لونڈی انکی بیوی بن جاتی اور باقی تین نوکرنیاں بنتیں جن پر مختلف قسم کے حکم چلائے جاتے۔ ان میں سے کبھی کوئی لونڈی اگر عدول حکمی کرتی تو نواب آغا پھاڑ سا منہ کھول کر اپنا پرانا راگ گاتے "اماں، امی، جان، دیکھئے۔ آ۔ ہا۔ ہا۔ ہا" اور بیگم صاحب چونری کی ڈنڈی سے اس لونڈی کی بری طرح خبر لیتیں۔ اس لیے یہ لونڈیاں نواب آغا کو ذرا بھی ناراض کرتے ڈرتی تھیں۔

نواب آغا اپنے تئیں ان لونڈیوں کا ہم جنس ہی نہیں بلکہ ہم صنف بھی

سمجھتے تھے اور ان سے ملے جلے بیٹھے رہتے تھے وہ لونڈیاں بھی ان سے
اس قدر بیباک ہو گئی تھیں کہ ان کے بستروں پر یا تختوں پر لیٹی رہتیں، انکو
کپڑے پہنائیں، ان کو نہلائیں دھلائیں اور ان سے کسی طرح کی بھی شرم
نہ کرتیں۔ رات میں نواب آغا پہلے تو خورد محل کے پاس ہی سوتے تھے
مگر کوئی دو برس سے ان کی مسہری الگ کر دی گئی تھی جس کی پٹی خورد محل
کی پٹی سے ملا کر بچھائی جاتی تھی۔ خورد محل کی اکثر رات کو آنکھ کھلتی تو وہ
دیکھتیں کہ ایک نہ ایک لونڈی نواب آغا کے پاس ان کے تکیہ پر سر رکھے
ہوئے سو رہی ہے اور نواب آغا کی ایک ٹانگ اس کے جسم پر رکھی ہے
خورد محل ایسے مناظر دیکھ کر بہت خوش ہوتیں اور دل میں کہتیں "شکر ہے
بارالہا تو نے مجھے یہ دن تو دکھایا"

نواب آغا پر ایک اتالیق بھی نوکر تھے جن کا کام ان کو پڑھانا لکھانا
اور ہر قسم کی تہذیب سکھانا تھا۔ ہر صبح یہ مولوی صاحب مردانے کی طرف
سے آواز دیتے "نواب آغا آؤ پڑھنے" اس آواز کے آنے تک نواب آغا
عموماً سوتے ہوتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مولوی صاحب جب کئی
آوازیں دے چکتے تو لونڈیاں نواب آغا کو جگاتیں۔ وہ "ہوں ہوں"
کر کے پھر کروٹ لے لیتے اور پھر جب جی چاہتا تب اُٹھتے۔ لونڈیاں ان کا
مُنھ دھلاتیں۔ انہیں کپڑے بدلواتیں اور وہ باہر جاتے۔ مولوی صاحب
کے پاس پہنچتے پہنچتے کافی دن چڑھ آیا کرتا تھا۔ شروع شروع میں مولوی صاحب
انتظار سے عاجز ہوئے اور نواب آغا کو ڈانٹا بھی مگر اسی دن بیگم صاحب
سے نواب آغا نے آکر شکایت کی اور بیگم صاحب کا یہ حکم ہوا کہ مولوی صاحب
سیدھی سیدھی طرح سے پڑھائیں تو پڑھائیں نہیں تو اپنے گھر جائیں۔

مولوی صاحب کو اپنی تنخواہ، خوراک اور رہنے کی جگہ سے غرض تھی اور انہوں نے بہت آسانی سے سیدھی سیدھی طرح پڑھانا سیکھ لیا تھا۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صبح اُٹھ کر حقہ بھرتے اور نواب آغا کو آواز دے آتے۔ پھر اپنا حقہ پیا کرتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اُٹھ اُٹھ کر آوازیں دے آتے اور پھر حقہ پینے بیٹھ جاتے۔ جب نواب آغا نکل کر آتے اور سلام کرتے تو مولوی صاحب کہتے "اے نواب بڑی دیر لگا دی تم نے یہ حقہ تو جل گیا واللہ"

آغا نواب آکر ہنستے ہوئے مولوی صاحب کے سامنے بیٹھتے۔ جزدان سے قرآن شریف نکال کر رحل پر رکھتے اور ایک کاغذ میں بندھا ہوا تمباکو مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیتے۔ مولوی صاحب کہتے "اچھا تم کل کا سبق دوہراؤ میں حقہ بھر کر ابھی لاتا ہوں"۔ نواب آغا منھ کھولے قرآن شریف آگے کھلا ہوا بیٹھے رہتے یہاں تک کہ مولوی صاحب حقہ بھر کر لے آتے۔ جتنی دیر حقہ سلگتا اتنی دیر مولوی صاحب ایک یا دو آیتیں پڑھتے جاتے اور نواب آغا ان کے ساتھ ساتھ دوہراتے جاتے۔ پھر قرآن شریف بند کر کے جزدان میں رکھ دیا جاتا اور مولوی صاحب نواب آغا کو گود میں بٹھا کر حقہ پلاتے رہتے اور باتیں بناتے رہتے۔ اب تک نواب آغا کئی دفعہ قرآن شریف ختم کر چکے تھے اور اب مولوی صاحب کی گود میں نہیں بلکہ ان سے مل کر بیٹھتے اور حقہ پیتے۔ پھر چھٹی مل جاتی اور اندر آجاتے۔

تیسرے پہر کو مولوی صاحب اُردو پڑھایا کرتے اور تختی لکھواتے تھے اس وقت بھی اُردو کی کتاب کے کچھ جملے یا کسی دیوان سے کچھ اشعار مولوی صاحب اور نواب آغا ساتھ ساتھ پڑھ لیتے اور پھر حقہ پینے لگتے۔

(۲۵)

نواب صاحب مع اپنے مصاحبین کے چمن میں چہل قدمی کر رہے تھے
جب ان کو خورد محل کا رقعہ بڑے نواب عالم نے پڑھ کر سنایا۔ بڑے
نواب عالم ایک گاڑی میں بیٹھ کر اور دوسری گاڑی میں گھر کے بہت سے
بچوں کو بٹھا کر بازار جانے والے تھے۔ ان کو خیال آیا کہ آغا نواب کو بھی ساتھ
لیے جائیں کیونکہ انہیں اس لڑکے کی طرف اب کچھ زیادہ توجہ دکھانے
کی ضرورت تھی۔ انہوں نے ہی رقعہ لکھوا کر خورد محل میں بھیجا تھا اور
نواب آغا کو بلوایا تھا۔ مگر آغا نواب محفل چھوٹے اور گھر گھسنے تو تھے ہی
باہر آنے سے فوراً انکار کر گئے تھے اور اس لیے ان کی دادی نے ناسازی
طبیعت کا بہانہ رقعہ میں لکھوا دیا تھا۔ بڑے نواب نے رقعہ
پڑھنے کے بعد کہا۔

"تو حضور بابا جانی میں تو جاتا ہوں"

"ہاں جاؤ ... مگر چلو ذرا دیکھیں یہ لڑکا کیسا ہے"
نواب صاحب کو اچانک وہ کمزور سا جوان لڑکا یاد آ گیا تھا جس کے
نواب آغا لڑکے تھے۔

"جیسا حکم" بڑے نواب نے کہا۔
اور نواب صاحب اور بڑے نواب دونوں محل میں پہنچے جہاں
[illegible] دیکھا کہ وہ اپنی طرف [illegible] نواب آغا کے

لیے مخصوص تھا۔ نواب آغا مسہری پر پڑے ہیں اور خورد محل ننگے پیر
سر کھلا مسہری کے پائنتی پیٹ رہی ہیں "ہائے جناب امیر آئیے۔
اے مشکل کشا مدد کیجیے۔ یہ میرے لال کو کیا ہو گیا۔ ابھی تو اچھا خاصہ
کھیل رہا تھا۔ ہائے میرے اللہ میں کیا کروں" اور زار و قطار رو رہی
جا رہی ہیں۔

بڑے نواب صاحب دالان میں آئے اور بولے "اے چھوٹی امی جان!
نصیب دشمنان آغا نواب کو کیا ہوا؟"

خورد محل نے دوپٹہ سنبھالنے کو ہاتھ بڑھایا اور اب ان کو
احساس ہوا کہ وہ دوپٹہ اوڑھنا بھول گئی تھیں مگر پاس ہی ایک لونڈی
ان کا دوپٹہ لیے کھڑی تھی اور اس سے دوپٹہ لیکر انہوں نے بوکھلاہٹ
میں الٹا سیدھا اوڑھ لیا۔

نواب صاحب اور بڑے نواب آغا نواب کی چھپر کھٹ تک آئے
آغا نواب آنکھیں بند کیے لیٹے تھے اور لمبی لمبی سانسیں لے رہے تھے۔
نواب صاحب نے کہا۔

"بیگم کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ خدا کو یاد کرو... حکیم صاحب
کو بلوایا؟"

ایک لونڈی بولی "حکیم صاحب آتے ہی ہوں گے۔ مغلانی بلانے
گئی ہیں۔"

اتنے میں مغلانی ہانپتی ہوئی آئی اور یہ کہتی ہوئی "حکیم صاحب آگئے"
بیگم صاحبہ اپنی طرف شانشین میں چلی گئیں اور ان کے سامنے
دالان کے پردے ڈال دیے گئے۔ حکیم صاحب مریض کے پاس آگئے

نبض دیکھی اور کچھ خندۂ زیرلب کو دباتے ہوئے بولے،

"حضور کچھ نہیں۔ ابھی نسخہ لکھے دیتا ہوں۔ ابھی دوا بھجوائے دیتا ہوں۔ ابھی ابھی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی انشاء اللہ کوئی بات نہیں۔ ذرا کچھ گرمی کا اثر ہے۔ یوں ہی طبیعت ناساز ہو گئی"

حکیم صاحب باہر گئے۔ بڑے نواب صاحب نے ایک اشرفی اور ایک روپیہ کا ایک امام ضامن اپنی طرف سے اور ایسا ہی ایک اپنے والد کی طرف سے تیار کرا لیے تھے۔ یہ دونوں آغا نواب کے بازو پر باندھے گئے۔ دس من گیہوں ٹوکروں میں بھر بھر کر لایا گیا اور آغا نواب کے پلنگ کے پاس رکھ دیا گیا۔ خورد محل آغا نواب کے پاس پھر آگئیں۔

تھوڑی دیر میں دوا ساز نے باہر سے آواز دی: "دوا لے جاؤ"

ایک لونڈی دوا لیکر آئی پہلے اس نے کچھ دوا چلو میں لیکر کچھ ادھر ادھر چھینٹے دیے پھر چمچوں سے آغا نواب کا منھ کھول کھول کر پلائی۔ دوا نے فوراً ہی اثر کیا۔ اور آغا نواب نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا اور نگاہ اپنے چچا اور دادا پر پڑی۔ آغا نواب نے اٹھنے کی کوشش کی مگر بڑے نواب عالم بولے، "ابھی لیٹے رہو بیٹے" اور آغا نواب نے لیٹے ہی لیٹے دونوں کو سلام کیا۔

نواب صاحب نے پوچھا "کیا ہوا تھا بیٹے"

"اے ابا جان۔ ہم ادھر سے آئے۔ بس سنا آپ آ رہے ہیں۔ ہم اٹھ کے پھر ادھر جانے لگے۔ بس آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا۔ ہم آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے بس"

"اب کیسی ہے طبیعت؟"

"اب کچھ نہیں ہے۔ اب کچھ نہیں"

بیگم صاحب نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "لاکھ لاکھ شکر ہے بار الہا۔ میرا بچہ ٹھیک ہے"

پہلے نواب صاحب نے اور پھر بڑے نواب عالم نے کہا "کوئی بات نہیں۔ اب بچہ بالکل ٹھیک ہے"

بڑے نواب عالم نے آغا نواب سے پوچھا "کیوں بیٹے بازار چلو گے؟"

"نہیں بڑے ابا۔ ہم سے اٹھا نہیں جائے گا۔ پھر چکر نہ آ جائے"

"تم جاؤ اور بچوں کو بازار کی سیر کرا لاؤ۔ اسے آرام کرنے دو"

بڑے نواب۔ خورد محل کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے:

"امی جان مجھے اجازت ہے؟"

خورد محل صاحب نواب سلطان علی خاں سے چھوٹی تھیں مگر آخر ماں تھیں اس لیے بزرگوں کی طرح پیش آتی تھیں اور بولیں "کیوں بیٹا کہاں سدھارو گے"

"کیا عرض کروں امی جان۔ بڑا کام رہتا ہے۔ ابھی بازار جانا ہے بچوں کو لیکر۔ میں نے چاہا تھا کہ سب بچوں کے ساتھ آغا نواب کو بھی لے جاؤں مگر ان کی طبیعت ہی ناساز ہو گئی۔ خیر اب سب بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔ مجھے اجازت دیجئے امی جان"

"اچھا تم جاؤ"

دوا کی دوسری خوراک آغا نواب کو دی گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے ان کے خیال میں آیا کہ دوسری خوراک کے بعد لیٹے رہنے سے لوگ یہ سمجھیں

کہ وہ بن رہے تھے اور اب کوئی بننے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ باہر جانے کی بلا جوان پر آئی تھی وہ اب پورے طور سے گذر چکی تھی۔

نواب صاحب نے کہا "بیگم اب بچہ ماشاءاللہ بالکل ٹھیک ہے"

"اچھے جناب اسیر نے بچایا میرے بچے کو، شکر لاکھ لاکھ شکر"

"اچھا تو نذیو۔ تم اب نواب کا دل بہلاؤ۔ کوئی کھیل جیسے تجیسی وغیرہ دھمیاں لگاؤ... اور بیگم آؤ۔ ذرا شاہ نشین پہ چلو کچھ باتیں کرنا ہیں"

نواب صاحب اور بیگم صاحب شاہ نشین کے تخت پر آ کر بیٹھے۔

نواب صاحب بولے

"بیگم تم نے دیکھا۔ لڑکا ہمارا اب جوان ہو گیا ہے ماشاءاللہ سے اس وجہ سے اس وقت ذرا طبیعت بگڑ گئی اب شادی ہونا چاہیئے"

"مگر کہیں ٹھہرائیے نواب صاحب"

"اگر تم چاہو تو ٹھہری ہوئی ہے"

"کیسے؟"

"یہ سلطان نواب ہمارے لڑکے کو بہت چاہتا ہے۔ دیکھ ہی لیا تم نے۔ آج صبح لالہ نے مجھ سے کہا کہ اگر آغا نواب کی شاہ آرا بیگم سے شادی ہو جائے تو گھر کے گھر ہی میں بہت اچھا ہو گا۔ میں نے کہا کہ سب لوگ مناسب سمجھیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ تو لالہ بولے اب حضور مناسب سمجھتے ہیں تو کسی کو کیا عذر ہو گا اور آپ خود محل سے بات کر لیجئے میں نے کہا تھا کہ کبھی تم سے ذکر کر دونگا مگر اس وقت سر دست یہ بات بھی یاد آ گئی تمہاری کیا رائے ہے"

"آپ کی رائے کے خلاف بھی میں کچھ کہہ سکتی ہوں۔ دونوں بچے

آپ کے جو چاہیں کریں ۔ مگر خاص محل کی رائے ضروری ہے"

"ابھی تو رائے ہو جائے گی"

"تو پھر میں بھی رقعہ کا انتظام کر دونگی!"

اس وقت آغا نواب کے کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز آئی ۔ نواب صاحب بولے:

"اے ماشاءاللہ ۔ اب بچہ بالکل ٹھیک ہے ۔ اب میں جاتا ہوں تم کو اطلاع دیدی جائے گی کہ رقعہ کی تیاری کرو"

(۲۶)

ایک پہر رات گئے نو بہار نواب صاحب کو آرام کرا کے اپنی کوٹھری کو واپس جا رہی تھی ۔ راستے میں اسے آٹھ سپاہی کھڑے ملے ۔ ان میں حمید بھی تھا ۔ یہ نو بہار سے بولا

"ارے تمہارے انتظار میں تو ہم لوگ گھل گھل کر ہلکی ہو گئے ۔ اب جاتی کہاں ہو؟"

"اچھا یہ آٹھ آٹھ بدمعاش مجھے آج گھیرنے کو کھڑے ہیں" وہ دل ہی دل میں بولی ۔ اس نے کہا "تمہارا مطلب کیا ہے ۔ مجھے جانتے نہیں ہو"

"ارے چوری چوری نہ بولو ۔ ہم بھلا تم کو کچھ کہہ سکتے ہیں ۔ تم بیگم صاحب کی ایک بڑا جوہری کام ہے اس لئے آج جو تم مدد نہیں کرتی تو پھر چھوٹک ہاتھ سے نکل جائے گا ۔ اور منشی جی کا بھی سب بھرم کھل جائے گا"

"اچھا تو یہ بات ہے۔ یہ چھوٹک موا اچھا جان کا عذاب ہو گیا ہے میری۔ خدا غارت کرے اس کو۔ آج تو میں پورے دس گنا لونگی جب کوئیں کی طرف جاؤں گی۔"

حمید بولا "دس نہیں۔ یہ بہت ہوئے۔ آخر ہم آٹھ آدمیوں کا بھی حق چھوڑ دو اور منشی جی کا تر نوالا اور دس تو چھوٹک کی دو مہینہ کی تنخواہ ہوئی"

"ارے وہ موا خرچ ہی کیا کرتا ہے۔ سب تو جمع کرتا ہے۔ پانچ بلکہ کرکے اس نے نہ معلوم کتنے سیکڑے جمع کر لیے ہیں۔ میں تو دس لیے بغیر آگے نہیں بڑھتی"

"اچھا۔ اچھا چلو دس ہی دیں گے مگر ایک شرط پر کہ چھوٹک کے گلے میں ہاتھ ڈالنا ہوں گے"

"واہ واہ واہ۔ چھوٹک کے گلے میں باہیں ڈالیں گے ہم خوب۔ اپنی بہنوں سے جا کے باہیں نہ ڈلواؤ چھوٹک کے گلے میں"

ایک اور سپاہی بولا "ارے بابا ہم لوگوں پر رحم کرو۔ وہ بڈھا ہے۔ اسے بڑھ بھس لگی ہے۔ وہ تو کوئیں کی طرف منھ کئے ہے۔ اور تم پیچھے سے کندھوں پہ ہاتھ رکھ دینا بس اور پھر الگ ہو جانا۔ وہ اپنا وظیفہ پڑھتا رہے گا۔ منشی جی نے اس سے کہدیا ہے کہ اگر ذرا بھی تیری نیت میں فرق آیا تو پھر موکل قیمہ بنا ڈالیں گے۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تمہارا جاتا ہی کیا ہے"

"مگر تم لوگ میری آڑ میں اس کو لوٹتے ہو اور میرا کوئی حصہ نہیں دس تو کم ہوئے"

ایک چوتھا سپاہی بولا "ہاں کم تو بھئے مل مجاک تو ہئے نئے۔ مجاک کہا تو تو بہت بھئے۔ او تو الوک پٹھا آئے سارا نہی کیے۔ دس روپیہ یان ہمرے دیہات مان تم سے اچھی مبیں مہرا رو مل جئے تین۔ مل دکا سارے

کا دھن ہی لاگی آئے!"

"اچھا چلو۔ میں اس کے پیچھے سے اس کے گلے میں باہیں ڈال دونگی مگر دس ابھی گنا دو نہیں تو میں آواز دیتی ہوں ٹھاکر جی کو"

حمید نے فوراً گن کر دس روپے نو بہار کے ہاتھ میں دیے اس نے اپنے نیفے میں گھرس لیے۔ سب لوگ کوئیں کے پاس پہنچے۔ آٹھوں نے عجیب عجیب آوازیں بنائیں۔ حمید ان سب کا سردار تھا، بنی ہوئی آواز میں بولا:

"چھوٹک صاحب قبلہ۔ ہم سے آئے آپ کی نو بہار بیگم صاحب کو۔ تو بھی ہمارا نام موکل جو آج آپ کے گلے میں باہیں نہ ڈال دیں"

آٹھوں نے کچھ اور آوازیں نکالیں اور نو بہار کو اشارہ کیا۔ وہ دونی آواز میں بولی:

"ارے مجھے تم لوگ نہ ستایا کرو۔ آج مجھے پلنگ سمیت اٹھا لائے ابھی میں آکر سونے بھی نہ پائی تھی۔ ہائے ہائے یہ کیسے عذاب میں جان پڑ گئی میری"

"اچھا بیگم صاحب آگے بڑھیے۔ ہمارے مالک کے گلے میں باہیں ڈال دیجیے"

چھوٹک کنوئیں کی جگت پر کنوئیں میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ یہ سب سنتے ہی انہوں نے زیادہ زور زور اور جلدی جلدی وظیفہ پڑھنا شروع کیا: "دم دار کب کردگے سجن مجھ لنڈورے کو" نو بہار انکی طرف بڑھتی ہوئی اس عجیب وظیفہ کے بول سن کر ہنسنے والی تھی مگر اس نے ذرا اپنی تئیں سنبھالا۔ چھوٹک کے پاس آکر اس نے اپنے ہاتھ ان کے گلے میں ڈال دیے۔ چھوٹک نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر اس کا ایک ہاتھ پکڑ لیا تو اس نے جھڑکی دی!

"یہ کیا۔ چھوڑ میرا ہاتھ"

چھوٹنک نے کچھ اور زور سے ہاتھ پکڑا۔ نوبہار کو غصہ آگیا زور سے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس نے کہا "ہوا۔ خدا غارت کرے" اور چھوٹنک کی پیٹھ پہ زور سے دو ہتڑ مارے۔ چھوٹنک بھڑ سے کنوئیں کے اندر تھے اور نیچے سے انکے گرنے کی آواز آئی۔
"ارے یہ کیا ہوا" سب سپاہی بولے۔
ان آٹھوں سپاہیوں میں سودا رام نامی اچھا تیراک تھا۔ وہ فوراً کنوئیں میں کودا اور چھوٹنک کو تہ کے اوپر لاکر اپنی پیٹھ پر سنبھالا اور آواز دی "دو آدمی یہاں اُتر کر آؤ۔ میں ہانپ گیا ہوں"
کنوئیں کی دیوار میں پانی تک سلاخیں ٹھکی ہوئی تھیں ان پر سے اُترتے ہوئے دو سپاہی کنوئیں میں اترے اور چھوٹنک کو سودا رام کی پیٹھ پر سے اٹھا کر چڑھتے ہوئے اوپر آئے اتنی دیر میں منشی جی کو بھی ایک آدمی بلا لایا تھا۔ چھوٹنک کو الٹا پلٹا کیا اور اس نے آنکھیں کھولیں مگر پھر آنکھیں بند کر کے اپنا وظیفہ پڑھنے لگا۔
منشی جی بولے "دیکھنا سالے کو اب بھی دم دار بننے کا شوق وہی ہے ..... ارے یہ ہمارے وظیفہ کو تو مذاق سمجھا ہے۔ کمینہ بدنیت کہیں کا۔ شرط یہ تھی کہ وہ تیرے گلے میں باہیں ڈالے گی۔ یہ الو کے پٹھے سور کے بچے ہاتھ پکڑنے چلے تھے اس کا۔ یہ تو کہو کہ ٹوکلوں نے چھوڑ دیا نہیں تو قیمہ بنا ڈالتے ان سالے خاں کا چل۔ تو نجس آدمی ہے۔ تو اس قابل نہیں کہ وظیفہ پڑھایا جائے تجھ کو ...... اور وہ نوبہار کہیں نواب صاحب سے ذکر کر دے تو خیریت نہیں ہے انکی"
حمید بولا "ہاں منشی جی میں نے اس دن ذرا حسرت کی نگاہ سے دیکھ لیا تھا۔ فوراً جڑ آئی جاکر نواب صاحب سے اور حضور نے بلا کر مجھ سے کہا کیوں یہ نیت ہے ہماری چیز پہ۔ تمہارا کام ہماری چیز دیکھی

رکھوالی کرنا ہے یا چرانا ہے خیر ابھی اگر کچھ سُنا تو آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا۔
اب دیکھئے ان چھوٹک بیٹا کے ہاتھ قلم ہو جائیں گے سچ تو"
سو دارام بولا "وہ تو کھئے منشی جی ہیں ادھر سے آفت رہوں اور کوئیں
مان کوئی کے گرنے کی آواج سنیوں اور کود پڑئیوں ناہیں تو ای کٹ
ہوئی گیے رہیں۔ پہنچ گے رہیں"
"خیر چلو اس کو اس کی کوٹھری میں لٹا دو ٹھیک ہو جائے گا سالا!"

(۲۷)

جب چھوٹک کو لوگ کنوئیں کے باہر لائے تو تو بہار ایک پیڑ کے
نیچے کھڑی ہوگئی۔ یہاں سے وہ سارا ماجرا دیکھتی رہی اور اس کو چھوٹک
پر بہت ترس آتا رہا۔ وہ سوچتی رہی کہ اگر یہ بڈھا مرگیا تو خون اس کی
گردن پر ہوگا جب اس کو معلوم ہوا کہ چھوٹک ہر طرح سے اچھا ہے تو اسے
اطمینان ہوا اور اپنی کوٹھری کی طرف چلی۔ راستے میں اسے حیدر نواب
ٹہلتے ہوئے ملے۔ اس کے پیر کی چاپ پاکر بولے۔
"کون؟ تو بہار یہ کنوئیں کے پاس گڑبڑ کیسی ہو رہی تھی"
"اے نواب۔ وہ چھوٹک موا کنوئیں میں گر گیا تھا"
"اچھا تو کیا ہوا؟"
"تو اسے نکال بھی لیا گیا اور اب اچھا خاصہ ہے"
"میں کہتا ہوں کہ اس گدھے کو سوجھی کیا ہے۔ کیا وظیفہ بھی پڑھا

کرتا ہے واہ"

"اے حضور آخر دل ہی تو ہے۔ مجھے ترس آتا ہے موئے پر"

"اچھا تو پھر اس کا وظیفہ بہت ٹھیک ہے۔ بہت عمدہ ہے"

"اے ہے بیٹے میاں آپ تو ایسی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ اور آپ کو معلوم کیسے ہوا!؟"

"ہمارے گھسیٹے سے اور چھوٹک سے بڑی دوستی ہے نا اس نے مجھے بتایا۔ اس کا وظیفہ تو ہر عاشق کو پڑھنا چاہیئے۔ تم وہیں سے آ رہی ہوتا"

"رہنے بھی دیجئے تو اب آپ کو تو ان سب باتوں سے کوئی مطلب نہیں ہے"

"میں قریب قریب روز اس کے پاس سے گذرا کرتا تھا۔ اس کا وظیفہ بھی عجیب ہے۔ اور مجھے فکر ہو گئی تھی کہ دیکھوں اس وظیفہ میں بھی کوئی اثر ہے۔ آج معلوم ہو بڑا اثر ہے اسمیں۔ خیر خیر۔ تم جاؤ اپنے رستے"

"میں جاؤں چلی جاؤں۔ واہ۔ آج تو آپ نے مجھ سے سیدھے منھ بات کی ہے اور ابھی سے میں چلی جاؤں۔ واہ۔ میں تو نہیں جاؤنگی ابھی"

"آئیں آئیں۔ یہ تو مجھ سے گھسیٹو باتیں کر رہی ہے!"

"میاں۔ اپنا اپنا دل ہی تو ہے۔ دل۔ جی۔ ہاں۔ آپ کے بھی دل ہے جو رات بھر آپ کو پورے قلعہ کی سہرے داری کرتا تا ہے"

"ارے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو کیا بک رہی ہے مجھ سے کہیں پاگل تو نہیں ہو گئی؟"

"میں۔ جی ہاں۔ اس وقت تو میں خوشی کے مارے پاگل ہوں۔ آپ

مجھ سے سیدھے منہ بات کی ہے"

"مجھے تیرا مطلب بالکل نہیں سمجھ میں آتا۔ اچھا بھئی تو جا اپنے رستے جا"

"میں جاؤنگی نہیں میاں۔ میں نے کہہ دیا۔ آپ کے درد دل کا مجھے

بھی بہت خیال ہے"

"میرا درد دل؟"

"جی۔ جیسے میں جانتی تھوڑی ہوں کہ آپ کس کے فراق میں رات رات

بھر ٹہل کر یا پڑھ کر گذارتے ہیں"

"خدا کے واسطے تو جا اپنے رستے۔ میں کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا"

"مگر میں تو آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ اور آج آپ نے مجھے منہ دیا

ہے۔ آج تو میں پوری بات کیے بغیر نہ جاؤنگی"

"اچھا تو پھر خدا کے لیے جو کچھ تجھے کہنا ہے کہہ ڈال اور پھر اپنا راستہ لے"

"دیکھیئے میاں میں سب جانتی ہوں آپ کے دل کی حالت اور اسکو بھی

دیکھا ہے جس کے لیے آپ بیقرار ہیں خدا نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے وہ

صورت نزاکت تو ختم کر دی ع تراشیدہ دست از قلم کشید خدا"

"بس تجھے یہی کہنا تھا؟ کہہ لیا؟ اچھا" یہ کہہ کر حیدر نواب اپنی حویلی کی

طرف قدم اٹھانے ہی والے تھے کہ نو بہار بولی

"سنیئے تو میاں آپ کو صاحبزادی انجمن ....."

"ہائیں یہ کیا نام لے رہی ہے تو" حیدر نواب اچانک بول اٹھے۔

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا ؛ دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

"میں آپ کے تمام راز سے واقف ہوں۔ آپکی کھوئے یا ری"

"ارے تجھے یہ سب کہاں سے معلوم ہوا؟"

"میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور یہ کئی دن سے جو کی دھم
بچھائی گئی ہے اس میں بھی کچھ راز ہے خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں
لفافہ دیکھ کر۔ مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا میرے دل نے مجھے سب کچھ دکھا دیا"

"تیرا دل؟"

"جی ہاں۔ میرے بھی دل ہے"

"کیا مطلب تیرا؟"

"میرا مطلب حضور یہ کہ میرے دل کو بھی لگی ہوئی تھی کہ آپ کے
تمام معاملات کی کھوج کروں اور آپ کی بات سب کچھ معلوم کرتی رہوں
مجھے آپ کے چہرہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کہیں دل کھو چکے ہیں اور پھر
میں نے تلاش کر لیا آپ کا کھویا ہوا دل مجھے معلوم ہو گیا کہاں رکھا ہے۔
مگر واہ کیا اچھے صندوقچہ میں کس حفاظت سے رکھا ہے آپ کا دل۔ آپ
کے دل پر اگر میرے لاکھ دل ہوتے تو قربان کر دیتی۔"

"اچھا۔ تو تجھ کو میرا راز معلوم ہے۔ کہیں تو سب سے کہتی تو نہیں پھرتی!"

"واہ میاں۔ آپ نے مجھ کو اتنا کچا راز داں سمجھ رکھا ہے۔ اس پورے
قلعہ میں چار آدمی آپ کی بات جانتے ہیں؟"

"کون کون؟"

"ایک آپ خود۔ دوسری صاحبزادی، تیسری فضیلت۔ چوتھی یہ
کنیز آپ کی جیسے فضیلت ان کی کنیز ہے ویسے آپ مجھے اپنی کنیز کیوں نہ
بنا لیجئے۔ میں بھی کچھ خدمت کر سکوں گی"

"تجھے فضیلت نے بتایا ہو گا؟"

"تو فضیلت کو بھی آپ نے کچا سمجھ لیا ہے۔ میاں وہ صاحبزادی کی

لونڈی ہے۔ اس کی جان بھی نکل جائے گی مگر منھ سے حرف نہ نکلے گا۔ اور یہ آپ کی لونڈی بھی قیمہ قیمہ کر دی جائے گی مگر منھ سے اف نہ کرے گی ارے ہاں میں آپ کی لونڈی ہوں کہاں خدا کے لیے آپ مجھے اپنی لونڈی بنا لیجئے آپ کی خدمت کرنے میں جان لڑا دوں گی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ کروں"

"تو میرے لیے کیا کر سکتی ہے"

"جو کچھ بھی ہو سکے مجھ سے"

"مگر اب کیا کرے گی تو نوبہار۔ اب تو سب ختم ہی ہو جائے گا قصہ کچھ ہی عرصہ میں۔ میں غیر کفو میری کیا حیثیت ہے۔ انجمن اور مجھ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے بچپن میں ہم لوگ ایک ساتھ کھیلتے تھے اس وقت اتنے دور اس قدر دور معلوم ہوتے ہیں۔ اور اب بالکل ہی الگ ہو جائینگے انجمن دوسرے کی ملکیت ہو جائے گی"

"جی ہاں۔ بات چیت تو سب طے ہو گئی۔ امام ضامن کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ میں سوچ رہی تھی کہ آپ کے دل کا کیا حال ہوگا۔ مگر آپ سے بولنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔۔ آج اتفاق سے ...."

"تو تجھے میرا اتنا خیال ہے"

نوبہار نے اپنا سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولی۔

"خیر تجھے۔ میں بھی تجھے اکثر دیکھ لیا کرتا تھا اور تیری حالت پر مجھ کو ترس آیا کرتا تھا۔ تو اور اس طرح سے ایک لونڈی۔ تو بڑی اونچی چیز ہے کسی اونچے ماحول کی پیداوار"

"خیر یہ سب جانے دیجئے۔ میں کون ہوں کیا ہوں یہ سب جانے دیجئے

اس وقت تو میں نواب صاحب کی محبوب ترین لونڈی ہوں اور آپکی لونڈی ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ اپنی خدمت کرنے کی اجازت دیجئے۔"

"اچھا۔ اچھا۔ تو لونڈی سے کہیں بالاتر چیز ہے۔ تو میری محبوب ترین دوست ہوگی۔ مگر تو کرے گی کیا میرے لیے؟"

"جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکے۔"

"خیر تو ہوے گی پیاری۔ آج سے میرے خیالوں میں تیرے لیے بھی جگہ ہے۔ میری ہمدم۔ میری ہمدرد۔ تیری میں قدر کرتا ہوں۔"

دونوں حیدر نواب کی حویلی کی طرف بڑھتے ہی آرہے تھے۔ حیدر نواب اپنے دروازے کے اندر داخل ہو گئے اور نو بہار لونڈی خانہ کی طرف چلی گئی۔

حیدر نواب کے دل میں اس لونڈی کے سچے دل کی عظمت گھر کر گئی تھی۔ ان کو یہ امید تو تھی نہیں کہ اب کچھ بھی ہو سکے گا۔ مگر خیر اس بات سے کچھ اطمینان تھا کہ ان کے ساتھ رونے کے لیے تو ایک ساتھی مل گیا

(۲۸)

چھوٹکا لوٹ پٹ کر ٹھیک ہو گئے تھے اور بدستور صبح کو میر کلو کے یہاں افیم پینے اور حقہ بھر کر پلانے کے لیے جانے لگے تھے۔ ان کا عشق تو نیکیں میں ڈبکیوں سے ٹھنڈا نہیں ہوا تھا مگر ان کے مربی منشی جی کا اب آگئے

مذاق کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ اس لیے انہوں نے چھوٹک کو ڈرا دیا تھا کہ
نو بہار نواب صاحب سے شکایت کرے گی اور اس وقت چھوٹک کے
ٹکڑے اُڑا دیے جائیں گے۔ پھر ایک طرف تو وظیفہ کا راز سب نوکروں پہ
کھل گیا تھا اس لیے وظیفہ کا اثر جاتا رہا تھا اور دوسری طرف چھوٹک
کے کئی دن پڑے رہنے کی وجہ سے وظیفہ کا چلہ ٹوٹ گیا تھا۔ لہٰذا اب
وظیفہ کو پھر سے شروع کرنے کے بجائے چھوٹک کو اپنی جان بچانے کی فکر
کرنا چاہیے تھی۔

چھوٹک کو اپنی جان بہت عزیز تھی۔ وہ ابھی ابھی موت کے منہ سے
نکل کر آیا تھا اس لیے اس کے دل پر موت کا خوف بھی طاری ہو گیا
تھا۔ اگر نواب صاحب نشست سے کسی کو آواز دیتے "میاں آؤ" اور چھوٹک
کو دفتر میں یہ آواز سنائی دیتی تو وہ لرز جاتا اور منشی جی کے پاس آکر پوچھتا
"اب کا ہوئی ہے منشی جی" "منشی جی کچھو" "ارے کچھ نہیں" "تجھ سے کیا مطلب"
وغیرہ کہہ کر ٹال دیتے تھے یا ابھی کچھ دل میں گدگدی اُٹھتی تو اس کو زیادہ
ڈرا دیتے اور نو بہار کو رشوت دینے کے نام سے کچھ اینٹھ لیتے۔ غرض کہ اس عالم
میں کئی دن گذر گئے تھے اور چھوٹک پینک میں رہنے کے علاوہ متفکر بھی
رہنے لگا تھا۔

ایک دن میر کلو کے گھر میں چھوٹک نے میر کلو کو حقہ سلگا کر دیا
تو میر کلو نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور بولے "اما بھئی چھوٹک۔
اللہ واللہ۔ یہ تم آخر کئی دن سے کچھ پریشان سے معلوم ہو رہے ہو"
"کا کہیں میر صاحب۔ بڑی پھکر رہت ہے۔ یو مہروا ہمری جان لیے
کئی چھوڑ ہے"

"اما تم فضول کی فکر کرتے ہو ہم تم سے لاکھ دفعہ کہہ چکے عشق کرنا ہے تو مردوں کی طرح کرو۔ جیسے ہم نے کیا سیدانی صاحب سے کوئی پرواہ ہی نہیں تھی۔ جب موقع دیکھا حضور سے مانگ لیا ان کو۔ تم ہو کہ مرے ہی جاتے ہو۔ وظیفہ پڑھ لوں۔ اما بچ گئے ڈوبتے ڈوبتے۔ مگر یار جرأت بہت تھی تمہاری۔ کنوئیں میں پیر لٹکا کر بیٹھنا۔ واللہ تمہارا ہی کام تھا مجھے تو پانی کے پاس جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ حضور جب دریا پر سیر کرنے جاتے ہیں تو میں ناؤ میں آنکھیں بند کیے بیٹھا رہتا ہوں تمہاری قسم میری رائے میں ہٹاؤ الگ کرو یہ عشق وشق۔ بیلونڈوں کا تماشا۔ ایک دو چار سال میں حضور کی نیت بھر جائے گی پھر اگر تمہاری قسمت میں ہے وہ تو تم کو مل جائے گی۔ دیکھو انسان کو راضی برضائے خدا رہنا چاہیئے۔ سمجھے۔ اں!"

"تو اب ہم کلیجوا پہ پتھر دھرے لیہا۔ مل....."

"ہاں وہ لڑکی ہے بہت خوبصورت۔ ہاں بہت ہی خوبصورت ہے مگر تم ذرا بے توجہ ہو جاؤ۔ پھر دیکھو دوڑی آتی ہے تمہارے پیچھے پیچھے۔ واللہ اگر نہ آوے تو میر صاحب نہ کہنا چمار کہنا۔ تم سمجھتے نہیں ہو عورت کی ذات کو!"

"ای سب تو ٹھیک آئے میر صاحب پھر ایک اور بات کیری آئے۔ او یا کہ او نباب صاحب سے سکایت کرے والی ہے!"

"اما تم بھی وہی ہو۔ میں کہتا ہوں۔ یہ تم سے کس نے کہا؟"

"و سبہئے کہت ہیں!"

"و کون سب۔ آخر ہم نام تو سنیں؟"

"ارے بھیاں منشی جی اور سبہئے کہت ہیں!"

"تم ان سب کی ایک نہ سنو۔ آدھی نہ سنو۔ پاؤ نہ سنو۔ رتی بھر نہ سنو۔ نواب صاحب کے سامنے ہم دیکھ لیں گے سب کو۔ تمہارے سر کی قسم سب کو سمجھ لیں گے۔ حضور ہماری بات خدا ان کو عمر نوح عطا کرے بہت مانتے ہیں۔ ہمارا ذمہ ہے جو تمہارا بال بھی بیکا ہو جائے۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔"

"ناہیں کوئوں ایسی بات کرو آپ کہ او نباب صاحب سے کہہ دیجائے کیے۔ لین۔"

"اچھا ہم اس سے قسم لے لیں گے۔ تمہارے سامنے۔ ہے وہ لڑکی بڑی سچی۔ کھری ہے بالکل۔ کیا معلوم کسی سید کا نطفہ ہو۔ خیر ہم سب ٹھیک کرا دیں گے تمہارے معاملے۔ تم اب ہنس دو واللہ!"

اور چھوٹک مسکرائے۔ ان کی بتیسی کا کھنڈر دکھائی دینے لگا۔ مگر چہرے سے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ مسکرا رہے تھے کہ بسور رہے تھے۔

میر کلو نے حقے کے کچھ کش لگائے اور پھر چھوٹک کو دے دیا۔ چھوٹکا نے بھی دو تین پھونکیں پیں اور بولے: "حکہ تو بڑے مجے پر ہے۔ میر صاحب"

"ہاں یہ فال اچھی ہے! تمہارا سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد میر کلو بولے: "دیکھو یار چھوٹک۔ ایک بڑی اچھی ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔ اب ہم چلتے ہیں حضور کی خدمت میں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ لونڈی خانہ میں ہوتے ہوئے چلیں گے اور وہاں تو تمہارے سے بات چیت کر لیں گے۔"

"اچھا تمری جو مرجی ہوئے۔"

"یہی ٹھیک۔ واللہ کیسی سوچی۔ تعریف تو نہ کرو گے۔"

"میر صاحب آپ ہمیشہ اچھی ہی سوچت ہو۔ کاکہن تمری ایسی

کھوپڑی فسی جی آؤ کے ناہیں آئے"

لونڈی خانہ خاص طرح کی عمارت تھی جس میں چاروں طرف کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں جن کے آگے صحنچیاں تھیں۔ اور بیچوں بیچ میں ایک بہت کشادہ صحن تھا۔ ایک طرف پھاٹک لگا ہوا تھا اور اس کے پاس ہی دو کوٹھریوں کے برابر کی ایک کوٹھری داروغہ لونڈی خانہ کی تھی۔ یہ داروغہ عموماً "کسی سن رسیدہ اور ہوشیار لونڈی کو نواب صاحب خود مقرر کر دیتے تھے۔ یہ تمام لونڈیوں کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی اور ان کے افعال کی ذمہ دار ہوتی تھی۔

میر کلو اپنے حد سے زیادہ ڈھیلے کپڑے سرسراتے ہوئے آگے آگے اور پھاٹک دھوتی فتوی اور دیہاتی دوپلی پہنے پیچھے پیچھے لونڈی خانہ کے اندر داخل ہوئے۔ داروغہ اپنی صحنچی کے سامنے پلنگڑی پر پاندان کھولے بیٹھی تھی اور ڈلی کاٹ رہی تھی۔ میر کلو آگے بڑھے اور بولے۔

"ارے بی داروغہ صاحب۔ تسلیمات۔ وہ نو بہار کہاں ہے"

"کیوں کیا کام ہے آپ کا صاحب" اس نے ناک بھوں چڑھا کر کہا

"ارے بھئی ذرا کچھ کام تھا"

"کام بتائیے۔ آپ مصاحب ہیں نواب صاحب کے تو ہوں۔ آخر مجھے بھی تو جواب دینا پڑتا ہے جو کوئی بات ہو جائے۔ اس نو بہار کے پیر ہیں تو ہر وقت ہی بندھی ہے۔ کہیں کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو اسکا جو کچھ ہو گا میں بھی بندھی پھرونگی۔ آپ کا کام کیا ہے"

"ارے بھئی تم تو۔ ارے وہ" میر کلو رٹ پٹائے

"آپ یوں ہی آئے ہیں جائیے۔ یہ کوئی تفریح گاہ نہیں ہے۔ آپ کو

کوئی کام نہیں ہے"

"واہ کام کیوں نہیں ہے۔ بڑا ضروری کام ہے اب تم سے کیا بتائیں ہمارے گھر میں کا کام ہے"

"اچھا تو آپ جائیے۔ ہم اس سے کہدیں گے کہ آپ کے گھر میں طلعت نے بلایا ہے"

"یہ کیا نام لیا۔ بڑی گستاخ ہو تم۔ سیدانی صاحب کہتے ہوئے منھ پھوٹتا ہے"

"ہو نہہ سیدانی صاحب۔ خوب۔ حضرت بی بی نہ کہا کروں ان کو۔ اچھا آپ جاتے ہیں یہاں سے۔ نہیں تو میں جا کر ابھی سرکار عالی سے شکایت کروں"

"تم نے بھی خوب ہی گرمیوں کی نکالی ہے۔ ہم کو سمجھتی کیا ہو۔ اور ہماری زوجہ محترمہ کی شان میں یہ الفاظ ناگفتہ بہ"

"زیادہ اکڑیے نہ میاں نہیں تو پھونک دونگی تو تنکے کی طرح ہوا میں نظر آئیے گا"

پیر کلو کو داروغہ کے گراں ڈیل اور موٹے پٹھوں کا احساس ہوا اور ان کے کیڑے کچھ ہل گئے مگر آدمی بہادر تھے اکڑے ہی رہے اور بولے۔

"دیکھو آپ حد سے گذر رہی ہو"

"حد سے گزر رہے ہیں آپ۔ آپ نے یہاں قدم کیسے رکھا۔ یہاں کسی مرد کے آنے کی اجازت نہیں ہے"

"کیا کہوں واللہ عورت ہو"

"تو آپ مرد ہیں۔ ماشاء اللہ سینکھیا پہلوان" اور یہ کہہ کر وہ

اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میر کلو کے کپڑے کچھ اور زیادہ ہلنے لگے۔ چھچونک کی طرف
ایک دم سے پھر کر بولے "ارا چھچونک چلو۔ اس خر دماغ عورت کے
کون منہ لگے چلو" اور لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے باہر آ گئے۔
میر کلو اور چھچونک نے بارہ دری کی طرف قدم بڑھائے۔ میر کلو
بکتے ہوئے جا رہے تھے "نہایت نا معقول عورت ہے واللہ بے حد
بد تمیز حرام زادی۔ میں تو اسے ٹھیک بنا دیتا۔ مگر عورت۔ غیر عورت پر
کیا ہاتھ اٹھاتا!" اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ حیدر نواب کی حویلی سے
نو بہار نکلی ہوئی خاص محل کی طرف جا رہی ہے۔ ایکدم سے اپنے
ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اچک کر بولے "اوہو! تو یہ جا رہی ہے"
"نو بہار نے اس آواز کو سن کر مڑ کے دیکھا اور بولی "تسلیم میر صاحب"
"جیتی رہو"
"سیدانی باجی بھی اچھی ہیں"
"ارے وہ تمہارے لیے مچھلی کی طرح تڑپتی ہیں اور یہ تمہاری
دارو غہ جو ہے۔ بڑی بد تمیز ہے۔ اس کو سمجھا دینا کہ ہمارے منہ نہ لگے
نہیں تو ہاں اچھا نہیں ہو گا۔ واللہ"
"آپ غصہ نہ کیجئے غصے کو تھوک ڈالیے۔ وہ ایسی ہی ہیں"
چھچونک نو بہار کو اس طرح ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے جیسے کہ
مری ہوئی بکری جس کی آنکھیں کھلی رہ گئی ہوں۔ اس کو دیکھ کر نو بہار
کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
میر کلو چونک کر بولے "ہاں۔ ہاں تم سے ایک ضروری بات کہنے
گیا تھا میں۔ واللہ۔ میری جان کی قسم تم کو ماننا پڑے گی بات"

چھوٹنک ہاتھ جوڑے آگے آئے اور بولے: "اب ہم سے بولا تا ہو ئی جیئے"

"میر کلو بولے: "ابا چھوٹنک تم سب معاملہ خراب کئے دیتے ہو .... دیکھو نو بہار ہماری جان کی قسم ہے تمہیں"

"دیکھئے۔ آپ اپنی جان کی قسم نہ دیا کیجئے۔ ہم بے بس ہو جاتے ہیں۔ مگر بتائیے تو بات کیا ہے"

"ارے یہ چھوٹنک ہمارا یار ہے۔ اس کی کسی بات کا یعنی کسی حرکت کا ذکر نواب صاحب والاجاہ بہادر سے نہ کر بیٹھنا کبھی۔ بس اتنی سی بات"

"بس اتنی ہی سی بات"

"ہاں بس"

"میں ہرگز بھاپ نہ دونگی۔ مگر میر صاحب آپ انصاف کیجئے۔ رات بھر مجھے موکل ستاتے ہیں۔ مجھے پلنگ سمیت اٹھا کرے گئے"

"نا ہیں اب ہم اچھا نا ہیں پڑھبا"

"اچھا دیکھو چھوٹنک یہ بات بری ہے یار۔ اس کو تمہارے موکل بہت حیران کرتے ہیں"

"تو اب ہم کلیجا پر پتھر دھئی لیبا۔ کہت تو ہیں"

"خیر میں تو اب تک کہہ چکی ہوتی مگر اپنی آنکھوں کی قسم میر صاحب آپ کا اور باجی کا خیال آگیا۔ اور آپ سے وعدہ کر لیا ہے۔ اب تو ہرگز نہ کہونگی کسی سے"

"اچھا۔ تو اچھا۔ تم اب جاؤ جیتی رہو"

"نو بہار چلی گئی اور میر کلو اور چھوٹنک آگے بڑھے۔ کچھ [illegible]

میر کلو بولے۔
"کہو بھئی چھوٹک مٹھائی والا کام کیا ہے واللہ۔ اچھا ہم تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ تم جا کر مٹھائی لاؤ اور سیدانی صاحب کو دے آنا"

(۲۹)

صاحبزادی انجمن آرا بیگم کی شادی کے سلسلے میں یہ طے پایا تھا کہ بقر عید سے پہلے امام ضامن کی رسم ادا ہو جائے۔ جناب نے استخارے سے چھ تاریخ مقرر کی تھی اور اس دن سہ پہر کو نواب صفدر علی خاں اپنے صاحبزادے سکندر علی خاں کو بڑھوا لا رہے تھے۔ انکی بیگم صاحبہ خاص محل میں انجمن آرا کے امام ضامن باندھنے آ رہی تھیں۔
چمن میں نہر کے پاس والی کرسی اور سامنے والے چبوترے پر خاص انتظام کیا گیا تھا۔ کرسی کے اندر کا بقالی مخمل کی مسند بچھی ہوئی تھی اور سامنے چبوترے پر دری اور چاندنی کا فرش کیا گیا تھا۔ چمن کی تمام روشوں میں سرخی ڈال کر چھڑکاؤ کیا گیا تھا اور نہر کے تمام فوارے کھول دیے گئے تھے
چمن پر سے دھوپ جا چکی تھی۔ اس وقت قریب سو عورتیں سرخ لباس سر پر سرخ کجاووں میں بندھے ہوئے خوان رکھے ہوئے ایک قطار میں قصر الفضا کے اندر داخل ہوئیں۔ اس قطار کے بعد ایک قطار پالکی کہاروں کی

کی تھی جن میں زنانی سواریاں تھیں اور اس کے بعد کچھ وکٹوریہ گاڑیاں تھیں جن میں نواب منصور علی خاں اور ان کے اقربا بیٹھے تھے۔

منتظمین جن میں ہمارے بڑے نواب عالم صاحب خاص طور سے نمایاں تھے چمن کے کنارے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ خواتین والی عورتیں اور پالکی گاڑیاں تو بڑھتی ہوئی خاص محل کی ڈیوڑھی کی طرف چلی گئیں۔ وکٹوریہ گاڑیاں منتظمین کے پاس آکر رک گئیں۔ پہلی گاڑی میں سے نواب منصور علی خاں اترے اور اس کے پیچھے ان کے صاحبزادے سکندر علی خاں آئے۔ نواب منصور علی خاں تو معمولی سفید کپڑے پہنے تھے۔ مگر سکندر علیخاں زربفت کی چماتی ہوئی اچکن اور سرخ مخمل کی مندیل کا مدار ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ یہ کپڑے ان کے دبلے جسم اور بالکل سوکھے ہوئے سیاہ چہرے پر کوئی خاص رونق نہیں دیتے تھے۔ یہ صاحبزادے کچھ قبل از وقت بڈھے معلوم ہو رہے تھے۔ انکی بڑی بڑی آنکھیں عجیب انداز میں ڈگڈائی ہوئی تھیں ان کے گالوں کی ہڈیاں کافی اونچی تھیں اور کلوں میں گہرے گڈھے نمایاں تھے۔ وہ ایک ایسے جوان تھے جو متعدد مرضوں میں مبتلا ہو کر اپنی صحت بالکل تباہ کر چکا ہو۔

بڑے نواب عالم نے منصور علی خاں صاحب کو جھک کر سلام کیا۔

"جیتے رہیے صاحبزادے۔ اور آپ کے چھوٹے بھائی کہاں ہیں؟"

"وہ آتے ہی ہوں گے"

سکندر نواب نے بڑے نواب عالم کو جھک کر سلام کیا۔

"جیتے رہو بیٹے" بڑے نواب نے جواب دیا۔

"آیئے تشریف لے چلیے" بڑے نواب نے کہا اور سب لوگ جو

گاڑیوں سے اُتر اُتر کر آگئے تھے پیچھے پیچھے چلے اور برجی میں آ کر بیٹھ گئے
تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب عالیجاہ معہ مصاحبین تشریف
لائے۔ برجی میں مسند پر تشریف فرما ہوئے۔ منصور علی خاں کو اپنے پاس
بٹھایا اور سکندر علی خاں کو باز و پر جگہ دی منصور علی خاں نے کہا۔
"بھائی صاحب وہ اکبر نواب نہیں دکھائی دیتے"
"کیوں سلطان نواب کیا بات ہے" نواب صاحب نے پوچھا۔
"حضور آدمی تو کئی بھیج چکا ہوں۔ ہر ایک آ کر کہتا ہے کہ آ رہے ہیں
مگر آ نہیں چکتے۔ کیا بتاؤں"
"خیر آتے ہوں گے ..... بھائی صفدر علی خاں یہ اکبر جو ہے بہت
ٹھس آدمی ہے۔ ہر کام میں سہولت"
"خیر بھائی صاحب۔ آتے ہوں گے"
گرمی کے دن تھے۔ تین چار نوکر پنکھے جھل رہے تھے۔ متعدد نوکر
صراحیوں میں عمدہ شربت لیے ہوئے بلورین پیالوں میں انڈیل انڈیل
کر مہمانوں کو پلا رہے تھے۔ کچھ پانوں کی کشتیاں ایک ایک کے سامنے
لگا رہے تھے اور کچھ حقے لا لا کر پیش کر رہے تھے۔
یہ سب ہوتا رہا مگر اکبر نواب نہ آ چکتے تھے۔ نواب صاحب بار بار
منھ اُٹھا کر دیکھ رہے تھے کہ اکبر نواب کہیں آتے دکھائی دیں۔ آخر میں
اکتا کر زور سے بولے۔
"کوئی آدمی اکبر نواب کو بلانے گیا تھا کہ نہیں۔ یہ سب کیا ہے؟"
ایک چوبدار ہاتھ باندھے ہوئے آگے آیا اور عرض کی "حضور
پہلے میں گیا تو چھوٹے نواب عالم صاحب تیار ہو رہے تھے۔ پھر حضور میں

حاضر ہوا تو تیار ہو چکے تھے مگر حیدر نواب پہنچ گئے تھے فرمانے لگے کہ بس میں ایک بات کر کے آتا ہوں تیسرا کے جو میں گیا تو معلوم ہوا کہ حضور نواب عالم تشریف لا رہے تھے کہ چوکھٹ سے ٹھوکر لگی اور گر کر بیہوش ہو گئے حیدر نواب نے اپنی فٹن پر بٹھا لیا اور بڑے ڈاکٹر کے یہاں لے گئے"

"آئیں یہ کیا۔ حیدر وہاں کیسے۔ حیدر نے مجھ سے تو اجازت لی تھی کہ کالج کا کچھ سالانہ جلسہ وغیرہ تھا اور وہاں کیسے پہونچا؟"

چوبدار خاموش کھڑا رہا۔ نواب صاحب کے رعب دار چہرہ پر غصے کے آثار تھے۔ ہر شخص خاموشی سے انکی طرف دیکھتا رہا۔

اتنے میں ایک فٹن کی آواز سنائی دی۔ مہر کلو ہی بولنے کی ہمت کر سکے اور بولے "لیجئے یہ فٹن آ رہی ہے" اور برجی سے باہر آ کر بارہ دری کی طرف دیکھ کر بولے "وہ ہمارے چھوٹے نواب بیٹھے ہیں" پھر بولے "حیدر نواب انکو پکڑ کر اتار رہے ہیں"

تھوڑی دیر کے بعد اکبر نواب کو حیدر نواب اور ایک آدمی پکڑ کر لائے ہوئے برجی میں آئے۔ اکبر نواب کچھ چپکے چپکے کراہ رہے تھے۔ نواب صاحب بولے۔

"یہ کیا۔ اکبر"

"حضور ابا جان گر گیا۔ بیہوش ہو گیا۔ گھٹنے کی چپنی اتر گئی حیدر نہ ہوتا تو واللہ میں مر جاتا"

"اور حیدر تم تو جلسہ میں جا رہے تھے۔ یہ وہاں کیسے پہونچے"

"حضور ابا جان۔ چھوٹے بھائی صاحب سے بہت دنوں سے ضد تھا کہ وہ میرے کالج کے جلسے میں چلیں مگر الحمد سے آج انکی موجودگی

یہاں اتنی ضروری ہو گئی تو میں فٹن پر بیٹھ کر اُدھر بھائی صاحب کے یہاں گیا تھا کہ کہہ دوں کہ آپ تو تشریف نہ لے جائیں گے میں جاتا ہوں بھائی جان آگے آگے اور میں پیچھے پیچھے حویلی سے نکل رہے تھے کہ یہ واقعہ ہو گیا میں نے دیکھا بیہوش ہو گئے میں اس وقت اور کیا کر سکتا تھا۔ فوراً ڈاکٹر کے یہاں لے گیا۔ اس نے کہا چلیبی اکھڑ گئی ہے اور پٹیاں باندھ دیں۔ اس کی تو یہ رائے تھی کہ آرام کریں مگر آپ کے حکم کے بموجب بھائی صاحب بھی ضد کرتے رہے کہ یہیں آکر رہیں گے۔ چنانچہ میں یہاں لے آیا!"

حیدر نواب یہ سب بیان کرتے رہے اور نواب صاحب سنجیدہ چہرہ بنائے ہوئے لمبی لمبی سانسیں لیتے رہے۔ شاید انہیں ان سب باتوں پر یقین نہیں تھا سب لوگ خاموش رہے۔

حیدر نواب عمدہ سفید سلک کا سوٹ پہنے بند کیوں دار ٹائی لگائے حسن مرداہ کی تصویر، ان پرانے زمانے والوں کے مجمع میں نئی تہذیب کے واحد نمائندہ، اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ آخر بولے۔

"حضور ابا جان۔ اب تو میں اجازت چاہتا ہوں"

"جاؤ" نواب صاحب نے بس اتنا کہا۔ حیدر نواب چلے گئے۔

منصور علی خاں نے پوچھا "میاں اکبر نواب اب کیسا مزاج ہے؟"

"تکلیف تو پیر میں بہت ہے آپ بھی۔ مگر واللہ کہ

تھیر اور معرکہ امتحان میں ٹل جاتے۔ جواب پاؤں جو دیتے تو سر کے بل جاتے" سر کے بل آیا ہوں، حضور ابا جان کا حکم تھا!"

"خیر تم آ تو گئے" نواب صاحب نے کہا۔

"حضور وہ تو میں آ ہی رہا تھا جب یہ واقعہ ہوا"

میر کلو بولے "حضور وہ تو خیر ہوئی۔ ہمارے سکندر نواب کا بہت
بھاگوان ہے۔ نہیں تو حضور چوٹ تو ذرا زدست بے ڈھب جگہ آئی ہے"
نواب صاحب کچھ مسکرائے اور بولے "ہاں بھائی منصور علی خاں
ان لوگوں کی کوئی خطا نہیں ہے شدنی یہی تھی۔ تمہارے لڑکے کا بہت
بھاگوان ہے۔ چوٹ کم ہی آئی" پھر سکندر نواب کی طرف دیکھ کر بولے
"ماشاءاللہ مجھے لڑکا بہت پسند ہے۔ نہایت سعید بچہ ہے"
"بھائی صاحب گر قبول افتد زہے عز و شرف" منصور علی خاں نے کہا۔
"اس سے بہتر اور مجھے کیا ملے گا بھائی۔ ہیرا— ہیرا۔ کیا بتاؤں
اب تو لوگ کیا کیا کر رہے ہیں۔ کوئی قاعدہ ہی نہیں رہا جا رہا ہے۔ خاندان
کا کوئی خیال ہی نہیں کرتے۔ ہم تو بھئی ہڈی دیکھتے ہیں۔ جو ہماری
ہڈی وہ ہماری ہڈی۔ بزرگوں نے جو قاعدے بنائے تھے وہ کہیں غلط
تھوڑے ہی ہیں"
"اور حضور شرع سے بھی یہی ہے" مولوی باقر صاحب سے فرمایا۔ یہ
مولوی صاحب سیاہ عبا اور قبا پہنے اور سر پر بڑا عمامہ باندھے ہوئے
سامنے بیٹھے تھے۔ یہ اکثر نواب صاحب کی مصاحبت میں رہتے تھے۔ آدمی
سن رسیدہ تھے اور زیادہ تر خاموش ہی رہتے تھے۔
میر عنایت حسین نے کہا "حضور یہی دو چار خاندان ہیں۔ خدا ان کو
قائم رکھے جب تک گنگا جمنا میں پانی ہے۔ پرانی شان نہیں ملتی ہے ورنہ
اب تو انگریزیت کا غلبہ ہے۔ کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا بھان متی نے
کنبہ جوڑا۔ یہ ہو رہا ہے"
میر کلو بھی بغیر بولے کیونکر رہ سکتے تھے۔ کہنے لگے "کہاں کی نوب کہاں

کا گولا۔ صاحب بہادر نے ایسا چھوڑا۔ یہ سب حضور انگریزوں کے کرتوت ہیں۔ ہمارے نوابوں کے لڑکوں کو انگریزی پڑھاتے ہیں اور اُدھر ٹھاکروں اور راجاؤں کے لڑکوں کو بھی۔ بس سرکار انگریزوں کے قاعدوں پر چلنے لگے ہیں سب۔ ہم لوگوں کو خدا ان سب باتوں سے دور رکھے۔ مجھے سکندر نواب بہت پسند ہیں۔ یہ انگریزی سے بہت دور ہیں۔"

"آئیں۔ آپ تو خود انگریزی داں اور انگریز دوست ہیں" میر عنایت حسین بولے۔

"لاحول ولاقوۃ میر صاحب یہ وقت نکتہ چینی کا ہے۔ کام نکالنے بھر کی انگریزی جان لینا چاہیے۔ یہ تھوڑی کہ انگریزی سر پر سوار ہو جائے۔ میں انگریزی پر سوار رہوں انگریزی مجھ پر سوار نہیں ہے۔"

منصور علی خاں بولے "ہمارے یہاں تو انشاء اللہ پشت در پشت کوئی انگریزی نہ پڑھے گا۔ میں وصیت کر جاؤں گا کہ میری نسل کی کسی شاخ میں بھی کوئی انگریزی نہ پڑھنے پائے۔"

"ہاں مجھے بھی نفرت تھی۔ حیدر کے معاملے میں بھائی کی وصیت سے مجبور ہو گیا۔"

"بھائی صاحب ان سے کیا مطلب۔ وہ تو غیر کفو ہیں۔"

"سرکار ایک دن دیکھئے گا خدا آپ کو سلامت رکھے۔ حیدر نواب کوئی مس لیے ہوئے کھڑام کھڑام چلتی ہوئی آئیں گے اور مس صاحب حضور کے سامنے آکر کہیں گی ہلو نواب صاحب ہلو حضور ابا جان سر صاحب"

اس پر سب لوگ ہنس دیے پھر اور متعدد معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔

(۳۰)

خاص محل میں نواب منصور علی خاں کی بیگم کا خیر مقدم ہو رہا تھا۔ انگنائی میں ایک بڑا شامیانہ تنا ہوا تھا اور اس کے نیچے شاہ نشین کی طرف تختوں کا چوکا لگا ہوا تھا۔ چوکے کے سامنے زمین پر دری کا فرش تھا۔ بیچ کے تخت پر مسند بچھی ہوئی تھی جس پر خاص محل صاحب گاؤ سے لگی اور ان کے پاس منصور علی خاں کی بیگم بیٹھی تھیں۔ باقی تختوں پر اور بیگمات بیٹھی تھیں جن میں کچھ دوسرے محلوں کی تھیں، کچھ مہمان آئی ہوئی تھیں اور کچھ منصور علی خاں کے یہاں کی تھیں۔ زمین کے فرش پر خوان چنے ہوئے تھے۔

باہر کی طرح یہاں بھی شربت پان وغیرہ سے ضیافت ہو رہی تھی۔ بڑی بہو صاحب کا انتظام تھا اور وہ اپنے پائینچے ہاتھوں میں لیے ہوئے کبھی ادھر آتیں اور کبھی ادھر جاتیں۔

باہر سے محلدار نے آکر بڑی بہو صاحب سے کچھ کہا اور یہ لپک کر تختوں کے پاس آئیں اور خاص محل صاحب کے کان میں کہا "حضور ابا جان کو بچہ بہت پسند آیا"

بڑی بیگم صاحب منصور علی خاں کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہا "دولہے بھن خدا عمر دراز کرے لڑکا ہم لوگوں کو بہت پسند ہے"

بیگم منصور علی خاں خوشی سے کھل گئیں مگر کچھ بولی نہیں۔

بڑی بیگم صاحب نے کہا "اے چھوٹی بہو صاحب۔ بڑی بہو صاحب سے پوچھو کہ اب کیا دیر ہے۔ امام ضامن کا انتظام کرو"۔
چھوٹی بہو صاحب تخت پر اٹھ کھڑی ہوئیں اور بولیں "اے بڑی بھابی اے بڑی بھابی صاحب"۔ وہاں شور وشغب میں انکی آواز بڑی بہو صاحب تک پہونچی ہی نہیں۔ اس پر وہ اُتر کر بڑی بہو صاحب کے پاس آئیں اور پھر تختوں تک لوٹ کر گئیں اور بولیں "حضور امی جان سب انتظام ٹھیک ہے"۔
"اچھا تو بسم اللہ کرو" خاص محل نے کہا۔
چھوٹی بہو صاحب نے لونڈیوں کے غول کی طرف اشارہ کیا اور اس غول میں سے نوبہار جلدی سے آگے آئی۔ خوانوں میں سے سب سے آگے کا خوان جس پر نہایت پر تکلف خوان پوش پڑا تھا اپنے سر پر اٹھا کر رکھا۔ یہ آگے آگے اور باقی سب پیچھے پیچھے چھوٹے نواب عالم کے یہاں کی شاہ نشین پر پہنچے۔ یہاں سب لوگ تختوں کے چوکے پر بیٹھ گئیں۔ پاس ہی ایک چھپر کھٹ تھی جس پر موٹے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان پردوں کے اندر خوب اچھی طرح سے بیٹھی ہوئی انجمن آرا رکھی ہوئی تھی۔
نوبہار نے خوان پوش اٹھا۔ چھوٹی بہو صاحب دوسری طرف سے چھپر کھٹ کے اندر گئیں۔ نوبہار نے خوان پر رکھا ہوا سونے کا بڑا خاصدان کھولا اور اس میں سے سبز کپڑے کا کارچوبی امام ضامن نکال کر منصور علی خاں کی بیگم کے ہاتھ میں دیا۔ نوبہار اپنے ہونٹ دبائے ہوئے تھی اور انکی بڑی سیاہ آنکھیں کچھ ڈبڈبائی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔
چھپر کھٹ کا پردہ کچھ اوپر اُٹھا اور اس سے انجمن آرا کا بازو شانے تک دکھائی دیا۔ بیگم منصور علی خاں نے بسم اللہ کر کے اس بازو پر امام ضامن

باندھ دیا۔

نواب منصور علی خاں کے یہاں کی سب بیگمات نے ایک آواز ہو کر کہا۔ "خدا مبارک کرے"

ادھر نوبہار کے آنسو ٹپکنے لگے اور انجمن آرا کی ہلکی ہلکی سسکی کی آواز آئی یہاں کی سب بیگمات رونے لگیں اور بولیں "خدا نصیب اچھا کرے اب سب خدا کے ہاتھ ہے"

منصور علی خاں کی بیگم نے اشرفیوں کے توڑے اور موتیوں کی تھیلیاں کھولیں اور مٹھیوں میں بھر بھر کر لٹانے لگیں۔ نواب صاحب کے محلے کی بہت سی لونڈیاں اور پرجوں کی عورتیں لوٹنے لگیں۔ نوبہار اپنی جگہ پر کھڑی روتی رہی۔ سب بیگمات اس کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔

ایک بولیں "اے نگوڑی ہے تو نمک حرام کی بڑی اچھی۔ دلہن سے بہت محبت کرتی ہے معلوم ہوتا ہے اسے بڑا غم ہے۔ اس لیے اشرفیاں اور موتی بھی نہیں لوٹ رہی ہے"

منصور علی خاں کی بیگم نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "اے لڑکی یہ دس اشرفیاں اور مٹھی بھر موتی تیرا حق ہے"

نوبہار نے اشرفیاں اور موتی لیتے ہوئے۔ جھک کر سلام کیا اور دھیمے سے بولی "میں بھی تو اپنی صاحبزادی پر سے نچھاور کرتی ہوں" اور یہ کہہ کر سب اشرفیاں اور موتی اچھال دیئے

سب کو تعجب ہوا۔

سب بیگمات واپس آ کر شامیانے کے نیچے بیٹھیں۔ بڑی بیگم صاحب وہیں مقیم تھیں۔ بڑی بہو صاحب نے شاہ زادوں کے خوان صف صف رکھے

دیے تھے اور دری پر ڈومنیوں کا طائفہ آکر بیٹھ چکا تھا۔ ڈومنیوں نے پہلے مبارکباد کے اور پھر گالیوں کے گیت گائے۔ ہر طرف سے ان پر انعامات کی بوچھار ہوئی۔

نو بہار اپنے ساتھ کی لونڈیوں میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ ایک لونڈی اس سے بولی۔

"آج یہ سب تونے کیا کیا۔ اول تو لپک کے سب سے آگے کشتی اٹھالی دوسرے پھر انعام کو صدقہ کر دیا۔ بڑی محلدار بہت بگڑی ہوئی ہیں۔ چلی گئیں یہاں سے تونے ان کا حق چھین لیا"

"تو میں کیا جانتی تھی۔ اور بہو صاحب نے محلدار سے تو کہا نہیں تھا۔ میری طرف اشارہ کیا تھا۔ اور دس اشرفیوں اور مٹھی بھر موتیوں ہی کی تو بات ہے۔ وہ میں دیدونگی انہیں"

"اپنے پاس سے" دوسری لونڈی بولی۔

"اور نہیں تو کیا کہیں سے چرا کے"

"میں سمجھی نواب صاحب سے مانگ لے گی"

"نہیں ان کو کیا ضرورت ہے اتنی سی رقم کے لیے زحمت دینے کی"

"ایک تیسری لونڈی نے کہا" صاحبزادی سے چھٹنے کا جیسے ان ہی کو زیادہ قلق ہے۔ ہرمزی خانم صاحب اور تضحیکت سے بھی بڑھ گئیں"

"ارے ان لوگوں کو کیا قلق۔ وہ تو صاحبزادی کے ساتھ جائیں گی میں یہیں رہ جاؤنگی"

"نواب صاحب سے کہہ کے ہو جانا انکی خدمت میں"

"ارے یہ کیا کہتی ہے۔ نواب صاحب اسے دیکھتے تو جیتے ہیں"

"ہٹو۔ تم لوگ سب ایسی ہی باتیں بناتی ہو۔" نو بہار بولی
آخر میں شام ہوتے وقت محفل برخاست ہوگئی۔ محل کے پھاٹک پر
سواریاں لگنے لگیں اور مہمان سب واپس جانے لگے۔
جب سب مہمان چلے گئے تو لونڈیوں کو بڑی بہو صاحب نے اپنے
اپنے ٹھکانے جانے کی اجازت دی۔ سب تسلیمیں کر کر کے رخصت ہوتی
تھیں۔ بڑی بہو صاحب نے نو بہار کی طرف نگاہ اٹھائی اور بولیں:
"واہ نو بہار واہ وا۔ تو نے ہمارے گھر کی شان میں اضافہ کر دیا۔
تو نے ہمارے گھر کی لونڈیوں کی بھی آن بان دکھا دی۔ ہم تجھے دس اشرفیاں
اور ایک مٹھی موتی دلوائیں گے۔"
نو بہار نے جھک کر تسلیم کی اور عرض کیا۔ حضور میرے پاس آپ کا
دیا سب کچھ ہے۔ اشرفیاں اور موتی محلدار کو دلوا دیجئے گا۔ خوان لیجانے
کا ان کا حق تھا۔"

(۱۳)

نو بہار نواب صاحب کو آرام کرانے پہونچی تو اس کا چہرہ مغموم تھا۔
نواب صاحب اس کو دیکھ کر مسکرائے مگر فوراً ہی غور سے دیکھ کر بولے۔
"آئیں۔ آج اس گلاب پر اوس کیوں پڑی ہوئی ہے"
"کچھ نہیں سرکار سب ٹھیک ہے"
نواب صاحب چھپر کھٹ پر لیٹ گئے نو بہار ان کے سرہانے جانے لگی

تو بولے۔

"ادھر آ۔ یہاں بیٹھ میرے پاس"

وہ آکر داہنی پٹی پر پاؤں لٹکا کے بیٹھ گئی اور سر جھکائے رہی۔

"آخر کچھ تو ضرور ہے تو سوچ میں ہے کچھ آخر کیا ہوا۔ بتا دے مجھے نہیں تو میری نیند اڑ جائے گی۔"

"اے حضور میں کیا عرض کروں۔ آپ لوگوں کے معاملوں میں مجھے کیا دخل۔ میں کون۔ میں ایک لونڈی زرخرید۔"

"تو تجھے آخر برا کیا لگا۔ ہم بھی تو سنیں کسی نے کچھ کہا؟"

"جی نہیں۔ میرا وہم کہئیے۔ حماقت سراسر۔ مجھے یہ آج کی نسبت بالکل نہیں بھائی۔ بس سرکار۔ اس لئے کچھ دنیا اچھی نہیں لگ رہی ہے۔"

"تو اس نسبت سے رنجیدہ ہے"

"جی سرکار"

"خوب آج قصر الفضا کا بچہ بچہ خوش ہے۔ بیاہ کی مٹھائی کھائی جا رہی ہے"

"مجھے مٹھائی کا حصہ ملا مگر مجھ سے نہیں کھائی گئی۔ میرے جی کو نہ معلوم کیا ہو گیا سرکار"

"تجھے یہ سب غم کیوں ہوں۔ تجھے کیا پڑی ہے ان سب باتوں سے"

"یہی تو میں عرض کر رہی تھی حضور۔ مجھے کیا مطلب ان باتوں سے حضور آرام کریں میں سر دباتی ہوں"

"نہیں۔ نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ مقصد یہ کہ تو کسی بات سے کیوں رنجیدہ ہو"

"میں نے عرض کیا سرکار کیا معلوم کیوں مجھ سے نہیں دیکھا گیا کہ صاحبزادی ایسی حسین نازک ادا کی شادی ایسے کے ساتھ ہو جیسے سکندر نواب"

"آخر کیوں نہ ہو ایسا ہی، سکندر نواب میں کیا خرابی ہے؟"

"دولہا اور دلہن کا کوئی جوڑ نہیں۔ دولہا بدصورت ہے"

"تو کیا شادی صورت کے حساب سے ہوتی ہے پگلی"

"ہونا تو یہی چاہیے"

"اچھا تجھے کیسا دولہا پسند آتا"

"یہ میں کیا بتاؤں۔ مجھے یہ دولہا نہیں پسند آیا بس اور شاید چھوٹے نواب عالم کو بھی"

"ائیں یہ کیا کہا تو نے"

"اے ہے یہ میں نے کیا کہدیا۔ میں کچھ نہیں جانتی حضور ممکن ہے ان کو پسند آیا ہو۔ خوب اچھی طرح پسند آیا ہو"

"اچھا یہ چھوٹے نواب عین وقت پر گر پڑے اور پیر میں چوٹ آگئی اور محفل میں ایسے بیٹھے رہے! کیا تجھ کو معلوم ہے کہ وہ نہیں چاہتے"

"میں نہیں جانتی حضور۔ میں نے سنا کہ جب واپس گئے تو کچھ غصہ میں تھے۔ اور کچھ لوگوں سے کہا کہ دیکھئے اس کا قدم گھر میں آتے ہی گر کر بیہوش ہو گیا۔ اگر حیدر نواب اتفاق سے نہ آ گیا ہوتا تو نہ معلوم کیا حال ہوتا۔ مگر خیر حضور اپنا کی مرضی میں کیا دخل ہے"

"اچھا۔ یہ ہے۔ پیر میں چوٹ تو خیر یوں ہی سی معلوم ہوتی تھی۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ ہے کچھ دال میں کالا ضرور ہے اسی لیے میں محفل میں ان کو [illegible] سے دیکھتا رہا اور وہ منہ بنائے رہے جیسے کہ بہت تکلیف [illegible] ان کو۔

اب کیا معلوم چوٹ کی تکلیف تھی کہ ان کو برا لگ رہا تھا۔"

"خیر سرکار۔ یہ سب جانے دیجیے آپ آرام فرمایئے"

"ہاں اب کیا ہوتا ہے۔ ارے اگر جی نہیں چاہتا تھا تو اپنی بھاوج سے منع کروا دیا ہوتا۔ اب آئے ہیں نفرت دکھانے۔ اس لڑکے کی کھوپڑی ہمیشہ سے اوندھی ہے۔ مگر اس کی طبیعت میں کوئی استقلال نہیں ہے۔ ابھی نفرت ہے کل حد سے زیادہ محبت ہو جائے گی اسی سکندر نواب سے۔ مگر تو کیوں دبلی ہو رہی ہے شہر کے اندیشے سے؟"

"میرا بھی رنج وقتی سمجھیئے۔ میں سوچتی تھی کہ حسین لڑکی کے لیے حسین لڑکا ہونا چاہیئے"

"تو بالکل احمق ہے۔ ابھی تو بچہ ہے۔ نہیں جانتی کہ شریفوں میں شادی ہڈی دیکھ کے کی جاتی ہے"

"کالی ہڈی اور گوری ہڈی ملا دی جاتی ہے بے جوڑ"

نواب صاحب ہنس دیئے اور کہنے لگے "تو کتنی بے وقوف ہے کہیں ہڈی کالی اور گوری ہوتی ہے۔ میرا مطلب ہے نسل اور خاندان ایک ہونا چاہیئے سکندر نواب سے بہتر لڑکا ہم کو ڈھونڈھے نہیں مل سکتا۔"

"تو سب ٹھیک ہے سرکار۔ مجھے یہ سب نہیں معلوم تھا۔ میرا دل تو یہ کہتا تھا کہ جیسی خوبصورت عورت ویسا ہی مرد ہو۔ میں غلطی پر تھی۔ مجھے اب معلوم ہو گیا۔ آپ آرام فرمائیں۔ میری سمجھ میں آ گیا سب کچھ سرکار۔"

"اچھا آ جاؤ"۔ دوسری لونڈیاں بھی آ گئیں

نو بہار نواب صاحب کے سر میں تیل دبانے لگی۔ دو اور لونڈیاں پیر دبانے لگیں۔ نواب صاحب کو رفتہ رفتہ نیند آنے لگی۔ بار بار نواب صاحب

فرماتے "بڑی بھولی ہے تو نوبہار" "بالکل احمق" "بڑی گدھی لڑکی ہے" اور ایسے ہی جملے کہتے کہتے آرام فرما گئے۔

(۳۴)

نوبہار حیدر نواب کی ڈیوڑھی پر آئی۔ یہاں ان کا نوکر گھسیٹے کھٹیا پہ محض دھوتی باندھے اور باقی جسم ننگا بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ اندھیارے میں اس کا وجود محض چلم پر آگ رہی کی وجہ سے کچھ دھندھلا سا نظر پڑتا تھا۔ نوبہار ذرا اندر جا رہی تھی تو گھسیٹے نے ٹوکا،

"ٹھہرو۔ نائی جائے کا اندر"

"کیوں۔ ہم کو کام ہے نواب سے!"

"کام نائی ہے۔ دیکھو یہ جو تم ہمرے بھیا کو پھانسے ہو تو ن ٹھیک بات نائی ہے۔ ہمرا کچھو نائی جبی ہے۔ نکہت مان تمری جیسی بٹیا ایسی جان جبی ہے"

"میری جان کی تم کو کیوں فکر ہے" یہ کہکر اس نے قدم اٹھایا۔

"تم نائی جات نباب صاحب کا ہمکو کھبر ہوئی گئی کہ تم جب دیکھو ہمرے بھیا کے رے پاس دھنسی ہو تو بھی ہونی کا ٹے ڈٹیں۔ دل اچھا رہے۔ ہم کا جانیو۔ بہت دن بیتے تو ن بڑے نباب عالم کے پاس جات رہتے جب نباب صاحب اوکا مروائے ڈالن۔ تو ن جانے رہیو۔ پوگ سے کھیل رہی آؤ"

"ہم لوگ آپس میں دل صاف رکھتے ہیں۔ ہمارا کوئی کچھ کر نہیں سکتا"

"ہوں ھ۔ ملائی نہ مجھو ہمرے۔ ہم سب جانت ہیں۔ کیسی چھچھوڑ رتیا ہیں"

کیا کرت ہو بھئیلے ہمرے اور ان ہو پگھلے جات ہیں تم کا دیکھ دیکھ جیسے موم۔ یو داڑھی دھوپ ماں نائی سپید بھئی ہے۔ تم جوان اور کھبصورت آؤ اور ان ہو جوانی آئیں ہم کا چلاوے چلی ہو۔ دل سا بھر ہے۔ بھئیا ور رنگیلے آئیں۔ کتنی تو میمیں آدا کرت ہیں اور ہنسا کرت ہیں ٹھٹھے مار مار کھوب جور جور۔
"خیر تمہاری بلا سے بھئیا۔ مار ڈالے ہم جائیں گے تم تو نہیں!"
اور یہ کہہ کر وہ جلدی سے اندر چلی گئی۔
حیدر نواب چمن میں مسہری پہ لیٹے تھے۔ پاس ایک کرسی پڑی تھی اور ایک چھوٹی میز پر سفید گلوب کا لیمپ رکھا تھا۔ وہ ہاتھ میں ایک کتاب لیے لیٹے پڑھ رہے تھے۔ نوبہار کے پیر کی آہٹ پاکر ادھر دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئے اور بولے: "نوبہار۔ آؤ۔ آؤ"
نوبہار ان کے پلنگ کے قریب آئی۔
"بیٹھ جاؤ۔ اسی کرسی پر"
"جی میں کوئی میم ویم ہوں جو کرسی پر بیٹھوں یہیں پائینتی کھڑے باتیں کروں گی"
"حضور اباکے پاس سے آرہی ہو نا"
"جی ہاں۔ میں نے ان سے کہہ بھی دیا کہ مجھے یہ نسبت نہیں اچھی لگی۔ مگر وہ میری بات کو حماقت پاگل پن سمجھے"
"مگر یہ فضول ہی ہوا۔ وہ اپنی وضع سے اپنے قاعدوں سے نہیں ہٹ سکتے نوبہار۔ تیری تمام کوشش فضول ہی ہو گی کہیں تو نے میری طرف تو کوئی اشارہ نہیں کیا"
"نہیں۔ نہیں میں جانتی ہوں انکا غصہ"

"مگر نوبہار ہماری سب کوششیں بے سود ہونگی۔ یہاں کے رسوم کی جکڑ بندیوں کو توڑنا آسان نہیں ہے۔"

"جی ہاں آسان تو نہیں ہے لیکن ممکن ہو سکتا ہے۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ حضور ابا کی رائے کو پلٹ دینا بالکل ناممکن ہے اور آج تو سمجھو قریب قریب نکاح ہو گیا رسمی طور پر۔"

"مجھے نفرت ہو رہی تھی آج کی سب رسموں سے۔ مجھے جو وہاں کی بیگم نے اشرفیاں اور موتی دیے تو میں نے پھینک دیے!!"

"آئیں ان کے سامنے پھینک دیے!!"

"نہیں لٹا دیے ان کے سامنے صاحبزادی پر سے آپ کا دھیان کر کے"

"میرا دھیان کر کے؟ مگر لوگوں نے کیا کہا ہوگا۔"

"بڑی بہو صاحبہ نے جب سب چلے گئے تو تعریف کی کہ تو نے اس محل کی شان رکھ لی۔"

"اچھا۔ مگر یہ میرے دھیان کی کیا ضرورت تھی۔"

"یوں ہی آگیا تھا۔۔ اچھا تو یہ بتائیے کہ چھوٹے نواب کے پیر میں چوٹ کیسے آگئی؟"

"بات یہ تھی کہ بھائی صاحب کو یہ سب بہت برا لگ رہا تھا۔ آدمی پہ آدمی ان کو بلانے آتے گئے اور وہ دیر ہی لگاتے گئے۔ میں نے حضور ابا سے کافی دن ہوئے کہہ لیا تھا کہ میرے پرنسپل کے گھر پہ پارٹی ہے۔ چھوٹے بھائی صاحب کو بحیثیت میرے سرپرست کے بلایا گیا تھا اور انہوں نے جانے کا وعدہ کیا تھا مگر ادھر یہ تبر رکھوائی کی تاریخ مقرر ہو گئی وہ کیسے جا سکتے تھے۔ میں ادھر سے نشست سے کر نکلا تو ان کے پھاٹک کے پاس پہونچ کر رک گیا کہ انہیں لیتا چلوں۔

کہ آپ کی طرف سے پرنسپل سے عذر کر دوں گا کہ آپ اس وجہ سے نہیں آسکے۔ خیر ان کے بیٹھکے میں گیا تو دیکھا کہ وہ کپڑے پہنے تیار کھڑے ہیں۔ اکدم سے ان کے دماغ میں کیا آئی بولے نہیں میں تمہارے ساتھ چلونگا میں نے سمجھایا بہت مگر نہیں مانے۔ آخر میں گر پڑنے کا بہانا بنایا اور تاکید کی کہ یہی کہنا اور میرے ساتھ فٹن میں بیٹھ گئے۔ رستہ میں میں سمجھاتا ہی گیا اور حضور ابا کی خفگی سے ڈراتا بھی گیا۔ کافی دیر کے بعد کچھ سمجھ میں آیا تو بولے ،،اب تو سب آبھی گئے ہوں گے اور گرنے کی خبر بھی پہونچ گئی ہوگی سب جھوٹ ثابت ہو جائے گا،، میں نے کہا کہ میں یہ سب سچ کیے دیتا ہوں انگریزی دوا خانہ لے جا کے ان کے گھٹنے پر پٹیاں وغیرہ بندھوا دیں۔ اور پھر ان کو لاکر یہاں پہنچا گیا۔ مجھے پرنسپل کے یہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی،،

،،ان کو بھی یہ شادی ناپسند ہی ہے،،

،،مگر وہ کچھ کر ور نہیں سکتے۔ کبھی کبھی ان کو یوں ہی ملبلے اٹھتے ہیں اور بس پھر ختم۔ ہوگا۔ وہ ہی جو حضور ابا جان چاہیں گے۔ چھوٹے بھائی صاحب بس تھوڑی دیر تک کے لیے بگڑ لینا جانتے ہیں،،

،،خیر مجھے تو امید ہے کچھ اچھا ہی ہو کر رہے گا،،

،،تیری امید۔ مجھے کوئی امید نہیں۔ تو میری مردہ امیدوں کو کیوں پھر سے جلانے کی کوشش کرتی ہے،،

،،میرا یہی جی چاہتا ہے،،

،،مگر فضول ہے یہ سب۔ نو بہار،،

،،دنیا میں سب کام فضول ہی ہیں۔ آپ کا وہ دوربین سے دیکھنا ہر صبح کو۔ اس سے بھی کوئی فائدہ ہے،،

"فضول ہے وہ بھی مگر میرا جی نہیں مانتا"
"بس فضول ہے میری امید بھی مگر میرا ابھی جی نہیں مانتا"
حیدر نواب ہنس دیے، اور بولے "تو تمہار سچ مچ تو جادوگرنی ہے۔ تو جب اگر اس طرح باتیں کرتی ہے تو میرے بجھے ہوئے دل میں کچھ زندگی کی لہر آجاتی ہے"
"اچھا میاں۔ اب مجھے بہت دیر ہوگئی ہے۔ داروغہ جو ہیں ہماری وہ بڑی سخت ہیں۔ کہتی ہیں کہ سیدھی یہاں آیا کر۔ اِدھر اُدھر پھرتی ہے باتیں بناتی مردوں سے"
"میرا جی نہیں چاہتا کہ تو جائے، تیری باتوں سے بہت جی بہلتا ہے"
"نہیں میاں۔ میں جاتی ہوں۔ لوگوں کو بڑے بڑے شبہے ہونے لگے ہیں!"

(۳۳)

شاہ آرا ویسے تو ہر وقت بڑی بیگم صاحب کے پاس رہتی تھی۔ مگر دوپہر میں بیگم صاحب آرام ضرور فرماتی تھیں اور اس وقت شاہ آرا عموماً اپنی طرف چلی جاتی تھی اور اپنے چھپر کھٹ پر لیٹ کر اپنی لونڈیوں سے باتیں کیا کرتی یا سو جاتی یا اگر اس کی اتالیق کوئی کام بتاتیں تو وہ کرتی۔ سہ پہر کو جب بیگم صاحب نماز ظہرین میں مصروف ہوتیں تو عموماً شاہ آرا انجمن آرا کے پاس آبیٹھتی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی۔ شاہ آرا کو بیاہ کے سلسلے

کی باتوں سے بہت زیادہ دلچسپی تھی اور انجمن آرا سے بیاہ کی باتیں کرنے کا اب اور بھی زیادہ موقع تھا۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ انجمن آرا اپنی طرف دالان میں چھپر کھٹ پر تکیوں سے لگی بیٹھی تھی اور پاؤں کچھ پھیلائے ہوئے تھی۔ شاہ آرا اس کی پنڈلیوں پر ہاتھ رکھے ایک ٹکٹکی بیتے لگی ہوئی اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کے پیر چھپر کھٹ پر سے لٹک رہے تھے۔

"اللہ انجو باجی آپ ایسی مرجھا کیوں گئیں۔ بیاہ اب ہوگا آپ کا لو آپ کو تو کھل جانا چاہیئے"

"تمہیں یہی پڑی رہتی ہے دن رات میں نہ مرجھاؤں نہ کھلوں جیسے سوکھے ساون ویسے ہرے بھادون"

"میں سمجھ گئی آپ کو بیاہ دیاہ نہیں اچھا لگتا۔ مجھے تو......" اور شاہ آرا شرما گئی۔

"اچھا۔ تو میں اب بڑی اماں سے کہوں گی کہ تمہاری شادی ہونا چاہیئے تم کو بہت شوق ہے"

"آے اللہ۔ یہ نہ کہئے گا۔ آپ کو جناب امیر کی قسم۔ وہ کہیں گی۔ بڑی بے حیا ہے"

"تو پھر کیسے ہوگا تمہارا بیاہ"

"آپ تو بنانے لگتی ہیں۔ میں بات بھی ختم نہ کرنے پائی میں کہہ رہی تھی کہ مجھے تو آپ کی شادی ہوتے بہت اچھی لگ رہی ہے۔ خوب دھوم سے برات آئے گی۔ باجے سے اور ناچ ہوگا۔ اور آپ کا دولہا ہو ہو ہو" اور شاہ آرا شرما گئی۔

"تمہیں دولہا کے نام پر گدگدی لگنے لگتی ہے۔ اسی سے میں کہتی ہوں کہ تمہاری شادی جلدی سے جلدی کر دی جائے۔ تمہاری ہی نہ وہاں کر دیجائے"
"اے ہٹئے۔ وہاں۔ اب آپ کے امام ضامن بھی بندھ گیا"
"تو ہرج کیا ہے۔ میں وہی امام ضامن تمہارے باندھے دیتی ہوں"
"واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے"
"خیر تم ہو تو راضی وہاں شادی کرنے پر"
"اے واہ بجو آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا"
"یہ تو ظاہر ہے۔ نہیں تو تم یہ کیوں کہتیں"
"اور ہماری مرضی کو کیا دخل ہے جہاں ہماری شادی کر دی جائیگی وہاں ہو جائے گی"
"تو اس لیے تو میں کہتی ہوں وہیں ہو جائے"
"تو وہاں تو آپ کی ٹھہر گئی کیا آپ وہاں نہیں چاہتیں"
"نہیں میں وہاں نہیں چاہتی"
"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ اب تو وہاں ہوئے گی ہی"
"خیر تمہاری کہیں اور ٹھہرا دیجائے جلدی سے"
"نہیں" تو شاہ آرا نے کہا مگر ہنسنے لگی اس طرح جیسے اس کے کوئی گدگدی کر رہا ہو"
اتنے میں تو بہار بڑے محل کی طرف سے دالان میں آئی اور دونوں کو تسلیم کی
انجمن آرا بولی" تو بہار آ تو بھی بن ہم لوگ کیسے مزے کی باتیں کر رہے ہیں"
تو بہار چھپر کھٹ کے پاس پیڑھی پر بیٹھ گئی تو انجمن آرا بولی "ہم لوگ شہد وارے وہ شاہ آرا کی شادی کی باتیں کر رہے ہیں۔ شاہ آرا بہت خوش ہیں"

"خوش تو آپ ہیں بجو۔ چاہے منھ سے نہ کہئے۔ منھ رونا بنائے ہیں چاہے دل میں چوہے کودرہے ہوں"

نوبہار کچھ نہ بولی دونوں صاحبزادیوں کو تکتی رہی

انجمن آرا نے کہا "نوبہار تو بھی کچھ بول"

"میں کیا بولوں آپ لوگوں کی باتوں میں"

"اچھا یہ تو بتا نوبہار کہ بجو اپنے بیاہ سے خوش نہیں ہیں"

"چہرہ سے تو خوش نہیں معلوم ہوتیں"

"مگر جی میں تو خوش ہیں"

"جی کا حال میں کیا جانوں بیگم۔ مگر جی سے بھی شاید خوش نہیں ہیں"

"اری ہٹ۔ تو بھی ان ہی کی سی کہنے لگی"

"نہیں تو جو آپ کہئے آپ کی سی کہہ دوں۔ اچھا لائیے میں آپ دونوں کے ہاتھ دیکھوں"

"تجھے نجوم، رمل آتا ہے"

"اسے کیا نہیں آتا"

دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے نوبہار کو دکھائے۔ شاہ آرا کا ہاتھ دیکھ کر نوبہار نے کہا

"ہائے چھوٹی بیگم۔ اس میں تو کچھ اور ہی لکھا ہے۔ آپ کی شادی تو اسی مہینہ میں ہو جائے گی"

"ہٹ جھوٹی کہیں کی.... اور بجو کی کب ہوگی"

"انکی ابھی بہت دیر ہے"

"ہٹ۔ یہ سب رمل جھوٹا ہی ہوتا ہے۔ انکی جو ٹھہر گئی وہ بہت دور ہے"

اور..." آگے شاہ آرا نے شرما کر کچھ نہ کہا

"بیگم اپنی طرف سے تھوڑی بتا رہی ہوں۔ جو لکھا ہے ہاتھ پر وہ میں نے بتا دیا۔ آپ کسی رمّال کو دکھا لیجئے۔ اگر نہ ہو جائے اسی مہینہ میں تو میرا نام بدل دیجئے گا"

"ہٹ۔ اسے جیسے علم غیب آتا ہے"

"نہیں شاہ آرا۔ اسے آتا ہے علم غیب۔ اب تم بھی خوش ہو تمہاری بس ہونے ہی والی سمجھو"

"واہ سوت نہ کپاس کولھو میں لٹھم لٹھا۔ آپ نے بجّو اسے اشارہ کر دیا تھا"

"مجھے بیگم نے اشارہ نہیں کیا۔ اور دیکھئے اگر ہو گئی اس مہینہ میں تو کیا مٹھائی کھلائیے گا"

انجمن بولی: "اچھا پھر سے ہاتھ دیکھ کے یہ بھی بتا دے نو بہار کہ کہاں ہو گی تو میں تجھے جی بھر کے مٹھائی کھلاؤنگی"

"اچھا لائیے ہاتھ بیگم"

شاہ آرا بہت شرمائی۔ ہاتھ اپنا چھپا لیا۔ انجمن آرا نے اپنی جان کی قسم دلائی تو اس نے ہاتھ بڑھایا۔ نو بہار غور سے ہاتھ کو دیکھتی رہی اور پھر بولی "پورب کی طرف سے آتا معلوم ہوتا ہے دولھا۔ نہیں نہیں۔ ادھر کو رُخ ہے۔ اتر۔ ہاں۔ اُتر کی طرف رہتا ہے دولھا شاہ آرا بیگم صاحب کا"

"یہ کچھ نہیں۔ نام بتا تب تو سند ہے" انجمن نے کہا۔

"یہ مشکل ہے۔ مگر ایک بات بتا دوں۔ ہے اسی محل میں"

"اچھا۔ کون حیدر نواب تو غیر کھو ہیں۔ ارے کوثر۔ تہذیب محمد باقر

نہیں آغا ہوگا۔ آغا نواب" انجمن نے کہا"

"جی ہاں نکلتا تو یہی ہے کچھ ہاتھ سے"

"وکھی اللہ بجو آپ دونوں مل کر اب ہمیں بنانے لگیں"

"آئے تو آغا نواب میں کیا برائی ہے۔ ذرا منھ کھلا رہتا ہے اب تک۔ اور اگر بڑے ابا نے وہیں کر دی"

"اللہ ہمیں اب نہ ستائیے" اور اس نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا"

"خیر ہاتھ تو یہی بتاتا ہے کہ آغا نواب سے اسی مہینہ میں شادی ہوگی آگے خدا جانے"

"مجھے کچھ نہیں یقین تیری بات کا"

"خیر آغا نواب ہے پسند تم کو"

"دیکھیے ہم چلے جائیں گے بجو۔ اب آپ دو دو مل کر ہم کو بنانے لگیں"

"اے بیگم۔ میں لونڈی ہو کے آپ کو بناؤں گی۔ خیر نائی نائی بال کتنے ہیں جو ہیں وہ آگے آجائیں گے"

اس وقت ایک نوکرنی بڑے محل سے آئی اور بولی: "صاحبزادی شاہ آرا بیگم چلیے حضور پوچھ رہی ہیں"

شاہ آرا اٹھ کھڑی ہوئی، اور دوپٹہ سنبھالا۔ کچھ ہونٹ نکال لیے جیسے کہ اس کا جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مگر جانے لگی۔

انجمن آرا بولی: "برا لگ رہا ہے۔ مگر جاؤ۔ جی میں لڈو پھوڑنا پھر کبھی باتیں کریں گے۔ یہی مزے مزے کی"

شاہ آرا جب چلی گئی تو نو بہار بولی "بڑی سیدھی۔ بڑی بھولی ہیں یہ بیگم"

"کیوں تو ہمارے ہم بھی ایسے ہی ہوتے۔ ہمارا دل بھی ایسا ہی ہوتا تو اچھا تھا"

"نہیں بیگم"

"ارے خوش تو ہوتے ہر حال میں"

"آپ کے نصیب میں اور زیادہ بڑی خوشی لکھی ہے"

"تو یوں ہی بہلاتی ہے"

"دیکھ لیجیے گا بیگم۔ ان صاحبزادی کی بابت تو مجھے معلوم ہی ہو گیا ہے سب اور آپکی بابت خدا مالک ہے"

(۳۴)

ایک زمانہ تھا کہ قصر الفضا میں دن عید اور رات شب برات رہا کرتی تھی مگر اب عید بقرعید بھی تھوڑے بہت ہی جشن ہوتے۔ ابھی عید قربان کے دن نوبت خانہ پر شہنائی تو صبح ہی سے بجنے لگی تھی۔ نواب صاحب نئے کپڑے بدل کر باورچی خانہ میں قربانی کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ تمام نوکر چاکر نئی وردیاں پہنے تھے۔ بارہ دری میں تمام اعزا، اقربا اور متعلقین جمع تھے۔ مگر نواب صاحب کا دل کچھ بجھا ہوا تھا۔

اصطبل سے دو گھوڑوں والی گاڑیاں تیار ہو کر بارہ دری کے سامنے والی سڑک پر آکر لگ گئیں۔ اور اب نواب صاحب عیدگاہ تشریف لے جاتے مگر ان کے عیدگاہ جانے کے معنی یہ تھے کہ قریب میں ہزار روپیہ متعدد مصرفوں

میں خرچ ہوتا اور ان کو اپنے خزانے پر زوال کا اب کافی احساس ہو چلا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے سلطان علی خان عرف بڑے نواب عالم سے فرمایا۔

"بیٹے میرا کچھ عیدگاہ جانے کو جی نہیں چاہتا۔ میں گھر کی مسجد ہی میں نماز پڑھ لوں گا۔ تم ان سب کو عیدگاہ لے جاؤ۔"

"جیسا حکم"

مگر میر کلو بولے "حضور یہ تو وضع کے خلاف ہوگا سرکار"

"مجھے کچھ کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔ اس لیے میں نہ جاؤں گا۔ دروازے سے مسجد تک جانا اتنی ایک سیڑھیاں چڑھنا بھی میں نہ جاؤں گا۔ وضع کبھی جب تک جسم اور قویٰ اجازت دیتے ہیں وضع کی پابندی کرتا ہوں" اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا

سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیس؛ جب ہم نہ رہے تو کوئی کھیڑا نہ رہا"

"ارے حضور۔ یہ برس برس کے دن کیسے الفاظ منھ سے نکالتے ہیں۔ حضور کو خدا عمر نوح عطا کرے ہم لوگ سب آپ پر سے قربان ہو جائیں۔ آپ دل تھوڑا نہ کریں۔ آپ اب بھی آج کل کے جوانوں سے بہتر ہیں ہر طرح سرکار"

سب نے کچھ نہ کچھ اصرار کیا اور آخر میں حضور نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا۔

"اچھا میں چلوں گا" اور لالہ مدن بہاری کی طرف منھ اٹھا کر دیکھا۔

"خادم نے سب انتظام کر دیا ہے حضور۔ میں بھی اصرار کرنے والا ہی تھا کہ حضور عیدگاہ ضرور تشریف لے جائیں"

حضور کی طبیعت بشاش ہو گئی۔ شان سے خلق خدا کے درمیان جانا۔

اور ضرورتمندوں کی بے چوں و چرا مدد کرنا ان کا مرغوب ترین مشغلہ تھا۔ شہر میں لاکھوں شریفوں کی اسی طرح پرورش ہوتی تھی۔ اکثر بدمعاش بھی فائدہ اٹھا لیتے تھے مگر نواب صاحب کو اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ ان کا فیض عام تھا اور فیض کے دریا بہانے میں ان کو لطف آتا تھا۔

(۳۵)

دوپہر کے بعد نواب صاحب نماز عید ادا کر کے قصر الفضا میں واپس آئے۔ نماز ختم ہوئے دیر ہوئی تھی مگر مسجد آصفی کے چاروں طرف جو میلا لگا ہوا تھا اس میں سے اکثر صاحبزادگان وغیرہ کچھ چیزیں خریدنے لگے تھے اور چوک میں سے گذرتے وقت قریب قریب ہر دوکاندار نے تحفے پیش کیے تھے اور نواب صاحب نے ان کو حسب معمول انعامات دیے تھے۔

سب لوگ نہایت خوش تھے۔ صرف حیدر نواب چہرے سے کچھ متفکر معلوم ہوتے تھے مگر ان کے چہرہ پر کسی نے غور ہی نہیں کیا۔

سب لوگ بارہ دری میں جا کر بیٹھے۔ لالہ صاحب نے متعدد تھیلیاں روپیوں کی لا کر نواب صاحب کے سامنے رکھ دیں اور کچھ دیر تک نواب صاحب تمام عملے کو انعامات تقسیم کرتے رہے۔

شہر کے بڑے بڑے لوگ، اعزا، اقربا، ملاقاتی آتے گئے اور نواب صاحب سے عید ملتے گئے اور بیٹھتے گئے۔ نواب صاحب تمام لوگوں سے متعدد قسم کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ دعوت کا وقت آگیا۔ دسترخوان بچھایا گیا اور

اس پر قریب ڈھائی سو آدمیوں نے کھانا کھایا۔

دعوت کے بعد سیکڑوں کی تعداد میں رنڈیاں اور بھانڈ بارہ دری میں داخل ہوئے اور سب نے ملکر مبارکباد کے گیت گائے۔ سب کے الگ الگ مجرے کرنے میں بہت وقت لگتا اس لیے کچھ چیدہ چیدہ طائفے پیش ہوئے اور ایک ایک دو دو گیت یا ایک ایک دو دو گتوں کے بعد جانے گئے۔

کافی وقت گذر گیا تھا اور بھانڈوں کی طرف ابھی نگاہ ہی نہیں گئی تھی۔ نواب صاحب جلسہ ختم کر کے محلات میں جانا چاہتے تھے۔ لہذا سب بھانڈوں کو متوجہ کر کے فرمایا۔

"تم سب ملکر اگر کوئی نقل ہو تو پیش کرو۔ یوں تو سب ایک ہی سی نقلیں کرتے رہتے ہو"

نواب صاحب کے داروغہ طرب جو ایک کشمیری تھے دست بستہ کھڑے ہو کر بولے،

"حضور ان لوگوں نے ایک نئی نقل ایجاد کی ہے۔ سب تفریقوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ سرکار نئی چیز ہے۔ اس ناچیز کی رائے میں یہ سب ملکر اس کو پیش کر دیں تو اچھا ہوگا"

"درست" نواب صاحب نے فرمایا۔

بھانڈوں نے نقل شروع کی:

ایک سیاہ الٹا توا، بہت زیادہ موٹا آدمی جس کی نیلی نیلی آنکھیں موٹے موٹے ہونٹ اور چوڑی چپٹی ناک نہایت درجہ بدنما معلوم ہو رہی تھی۔ سامنے آیا، جھک کر محفل کو سلام کیا۔ یہ شخص سر پہ منڈاسا باندھے تھا

اور سفید اچکن پہنے تھا۔ اس کے سیاہ چہرے پر کچھ ضرورت سے زیادہ چمک تھی۔ اس شخص نے خاص انداز میں کہا۔

"حضور قربان جاؤں۔ یہ نقل اللہ میاں کی نقل ہے"

تمام محفل متوجہ تھی۔ وہ یہ الفاظ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ بھانڈوں کے غول میں سے ایک زور کی آواز آئی:

"ارے کیا کہتا ہے بھانڈ کے بچے"

کالے موٹے بھانڈ نے اپنی نیلی نیلی آنکھیں نکال کر چاروں طرف دیکھا اور بولا۔

"ابے یہ کدھر سے بول رہا ہے۔ سامنے آتو بتاؤں پیچھے سے بول رہا ہے۔ سامنے آ"

بھانڈوں کے غول میں سے ایک آدمی نہایت لمبا اور نہایت دُبلا گلوں میں دو دو انچ گڑھے پڑے ہوئے سر پر سبز پگڑی باندھے اور سُرخ اچکن پہنے اُچک کر آیا اور کالے بھانڈ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ شخص آستینیں چڑھاتا جاتا تھا اور اپنی تیوری پر بل ڈالتا جاتا تھا اور منہ سے کہتا جاتا تھا یہ دکھانے کے لیے کہ غصہ کے مارے بیتاب ہے۔

"ارے میاں بات کیا ہے، یہ غصہ کاہے کا ہے" کالے بھانڈ نے کہا۔

"ہونھ۔ ہونھ" لمبا بھانڈ اور زیادہ غصہ دکھاتا گیا۔

"ارے پاگل خانہ سے تو نہیں چھوٹ کر آیا ہے"

"ہونھ، ہونھ۔ بھانڈ کے بچے"

"تم تو بھانڈ نہیں ہو جیسے منہ سے تو خاندانی معلوم ہوتے ہو"

"ہو نہہ۔ ہو نہہ۔ تمہاری یہ عبارت خداوند کریم کی شان میں"

"اچھا ہم سمجھے تم خالص آدمی نہیں ہو۔ تمہارے اندر کسی مولانا کے اونٹ کا میل معلوم ہوتا ہے"

"ہو نہہ۔ ہو نہہ۔ گدھو۔ تم سب کی نقل کرتے رہے اب خدا۔ رسول اور ائمہ پر اترے ہو۔ ہم نہیں برداشت کر سکتے تمہاری جان لے لیں گے اور اپنی دے دیں گے"

"کیسے برداشت کرو گے۔ ہو نہ لمبے عوج بن عنق کے صاحبزادے"

"دیکھو بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بناؤ"

"تم ہو نرے گدھے۔ ارے اس کی کائنات سے نکل کر ہم کہیں جا سکتے ہیں۔ اور اس کی شان میں ہم کچھ کہہ سکتے ہیں اپنے مالک پاک پروردگار کی ہم نقل کریں گے۔ معاذ اللہ۔ ہم تو اللہ میاں کی نقل کر رہے ہیں۔ اللہ میاں سمجھے۔ اا وہی پرانے بڑے میاں۔ ہاں سمجھ جاؤ۔ غصہ تھوک دو۔ ارے تم یہ کدھر سے بڑے کسی مولانا کے اونٹ کے نیچے آ گئے ہو۔ تم بھی تو بھانڈ ہو۔ آؤ ہم اور تم مل کے اپنے مذہبی ڈھونگ کا بھانڈا پھوڑیں۔ آؤ ہم اور تم اس نقل کو پیش کریں"

"مگر تم ہو بدتمیز"

"ابا اگر مگر نہ کرو۔ بدتمیز تم بھی اور ہم بھی اور ہمارا خاندان بھر بدتمیز اور تمہاری والدہ بھی بدتمیز۔"

دونوں نے جھک کر سلام کیے اور کالے بھانڈ نے کہا "قربان جاؤں حضور۔ یہ تمہید تھی تاکہ کفر کا فتوے نہ دیدیا جائے ہم لوگوں پہ جوسرکار کہیں کے نہ رہیں۔ اب نقل پیش ہوتی ہے"

کالا بھانڈ ٹہلنے لگا۔ لمبا بھانڈ دوسری طرف سے چلتا ہوا آیا دونوں آمنے سامنے ہوئے

"ابا السلام علیکم"

"ابا وعلیکم السلام"

"بہت دنوں میں ملاقات ہوئی" "کہو کہاں چلے"

"ابا گھر جا رہے ہیں۔ نماز پڑھ کر۔ آؤ عید تو مل لو"

دونوں نے عید ملی۔ اس کے بعد کالا بھانڈ بولا۔

"مگر تم نے سنا نہیں یار"

"کیا؟"

"ابا تم نے سنا نہیں یار"

"ارے بھئی کیا؟"

"ابا تم نے سنا ہی نہیں"

"بتاؤ گے بھی کچھ"

"تم نے سنا ہی نہیں"

"ہم نہ سنیں گے۔ ہم تو جاتے ہیں"

"ابا۔ سنتے جاؤ"

"کیا سنتے جائیں"

"یہی"

"میں کہتا ہوں تم واہی ہوئے ہو!"

"اماں آسمان سے سواریاں اُترنے والی ہیں"

"ہاں تمہیں۔ اللہ"

"پھر وا بھی آتی ہونگی"

"تم الّو بنا رہے ہو۔ ہم کو گھر جانا ہے"

"گھر جانا تو ہم کو بھی ہے۔ ارے تم بڑے بد مذاق بے دین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ آخر خدا کے یہاں جانا ہے تم کو پتا نہیں یہاں خدا کی سواری آنے والی ہے۔ جو دیکھے گا اس کی بخشش یقینی ہے"

"خدا کی سواری آئیں"

"اماں وہی خدا۔ وہی حضرت عیسےٰ کے والد محمد رسول اللہ کے عاشق۔ وہی پرانے بڑے میاں جو ازل سے پہلے تھے اور ابد کے بعد تک رہیں گے۔ وہ جو آسمان پر بیٹھے ہیں نا۔ گاؤ تکیہ لگائے۔ وہی!!"

"لاحول ولاقوۃ۔ کیا کفر بک رہے ہو۔ توبہ کرو توبہ۔ کافر ہو گئے"

"کافر ہو گے تم۔ ہم حقیقت بیان کر رہے ہیں۔ تمہیں جانا ہے جاؤ آپ ہی تمہاری بخشش نہ ہوگی۔ روز حساب۔ جاؤ بھی جاؤ اپنے رستے"

اتنے میں ایک نقل آتی ہوئی دکھائی دی۔ ایک بھانڈ جس کے

منہ پر سبز نقاب پڑی تھی ایک دوسرے بھانڈ کی پیٹھ پر سوار تھا۔ اس کے چاروں طرف قریب پچاس بھانڈوں کی بھیڑ تھی۔ ہٹو بچو۔ شاہ شہیداں کی سواری آتی ہے "کی صدا گونجی۔

کالا بھانڈ اور لمبا بھانڈ ایک کنارے ہو کر کھڑے ہو گئے

لمبے بھانڈ نے پوچھا، "کس کی سواری ہے۔ ہے تو بڑے کروفر اور شان و شوکت سے آ رہی"

کالا بھانڈ بولا، "اماں مجھے نہیں یہ نقیب کیا کہہ رہا ہے"

"اچھا۔ اچھا"

"اماں کیوں نہ ہو۔ بھائی کیوں نہ ہو۔ تین مہینے کا محرم۔ ہر روز مجلس۔ ہر موقع پہ نذر کیوں نہ ہو"

سواری گزر گئی۔

ایک دوسری سواری آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس پر سوار کالی نقاب ڈالے تھا اور اس کے ساتھ کوئی بیس آدمی ہوں گے سب خاموشی کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔

لمبا بھانڈ بولا، "یہ کون"

"جناب امیر"

"مگر ان کے ساتھ کم آدمی کیوں ہیں؟"

"ارے بھائی محرم تو ڈھائی تین مہینہ کا ہوتا ہے

اور شبیں کل تین دن کی۔ اور وہ بھی روزروں میں۔ ان کے ساتھ اس قدر آدمی بھی بہت سمجھو۔ مشکل کشا ہیں شاید اس لیے اتنے بھی دکھائی دیتے ہیں!"

اس کے بعد ایک سواری اور آئی اس میں سوار کے چہرہ پر سفید نقاب پڑی تھی اور کل تین آدمی مولاناؤں کا لباس پہنے لڑکھڑاتے ہوئے ساتھ ساتھ چلے آرہے تھے۔

لمبا بھانڈا بولا "بھئی یہ کون"

"یہ رسول خدا"

"آئیں۔ ان کے ساتھ یہ دو ٹوٹے پھوٹے مولانا!"

"ہاں۔ اور یہ کیا لیں گے۔ سال میں ایک دن ذکر فضائل میں یاد کر لیے جاتے ہیں اور کچھ مٹھائی پر نذر ہو جاتی ہے اس پر دو چار قانع ناکارے عالموں کے سوا اور کون ان کے ساتھ بسر کر سکتا ہے"

آخری سواری سب سے عجیب تھی۔ ایک نہایت بڈھا نحیف و زار آدمی ایک اتنے ہی زیادہ نحیف و زار بڈھے کی پیٹھ پر سوار آتا دکھائی دیا۔ سوار اور گھوڑے دونوں کے بدن میں رعشہ تھا

"یہ کون ہیں"

"یہ وہی وہ۔ وہی وہ"

"وہی وہ۔ یہ کیا ہوا"

"اس کی عربی ہوئی الله"

"ہم تیں تو سمجھے الله میاں کی سواری!"

"جی ہاں"
"مگر ان کی شکل"
"اتنے عرصہ سے ہیں اور اتنے بڈھے بھی نہ ہوتے"
"اور ان کا گھوڑا"
"گھوڑا؟ گھوڑا ان کو کہاں سے میسر۔ دیکھتے نہیں ہو کانی لنگڑی گدھیا ہے روز الست سے پہلے کی"
"مگر کائنات کا مالک"
"یہ ایک ہی ہی۔ ان کو پوچھنا کون ہے کبھی چھٹے چھماہے یا برسوں میں کسی کی شادی ہوئی تو ان کے طاق میں ان کے نام کے پانچ گلگلے چڑھا دئے جاتے ہیں۔ اب یا آپ کھائیں اور کیا اپنی گدھیا کو دیں رکھئے ابد تک جینا ہی ہے ان کو اس لئے جئے جا رہے ہیں"
محفل میں لوگ ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ گئے تھے۔ مگر نقل ختم ہونے پر سب خاموش ہو گئے تھے کیونکہ اس نقل میں ایسی جسارت کی گئی تھی کہ اس پر ہنستے رہنا بھی مذہبی نقطۂ نظر سے ٹھیک نہ تھا۔

کالا اور لمباہ نون بھانڈ آگے آئے اور بولے:
"حضور قربان جاؤں۔ سرکار یہ تھی اللہ میاں کی نقل"
نواب صاحب نہایت سنجیدگی سے منہ میں پیچوان لگائے پوری نقل دیکھتے رہے تھے۔ اب پیچوان کو منہ سے ہٹاتے ہوئے بولے۔
"کیا خوب طنز ہے ہمارے مذہبی رسوم پر۔ خوب۔ بہت خوب

ان کو دو ہزار روپیہ انعام دیا جائے ‘‘

۳۶

خاص محل کے دالان میں دسترخوان کے بعد سے ڈومنیوں کا ناچ گانا ہو رہا تھا۔ بڑی بیگم صاحب مسند نشیں تھیں اور تمام بیگمات اور مصاحبین اِدھر اُدھر بیٹھی تھیں انجمن آرا اپنی ماں کے پاس بیٹھی تھی۔ اسکے نازک چہرہ کو ہلکے گلابی رنگ کا دوپٹہ کانوں میں یاقوت کے لمبے لمبے بندے اور ماتھے پر درِ نجف کا ٹیکہ اور بھی نازک بنا رہے تھے۔ سرمہ سے اسکی کٹیلی آنکھوں میں اور بھی غضب کی کاٹ پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اس کا نازک اور بھولا چہرہ کچھ اترا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ شائد اس کے دل میں کچھ ایسا درد تھا کہ اس محفل رقص و سرود میں اس کی طبیعت نہیں لگ رہی تھی۔ شاہ آرا جو بڑی بیگم صاحب کے قریب بیٹھی تھی۔ کھلی جا رہی تھی انجمن آرا کی بیقرار نگاہ کسی ایک جگہ نہ جمتی تھی۔ اسکی نظر فضیلت پر پڑی جو ایک کھمبے سے لگی کھڑی تھی فضیلت نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا جیسے کہ کنکیا اڑاتے وقت لوگ انگلی سے ٹھمکی دیتے ہیں۔ ‘‘ انجمن آرا نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور کہا۔

’’ دولہن اماں میں ذرا پیشاب کر آؤں ‘‘

’’ جاؤ بیٹی ‘‘ اور پھر ذرا زور سے بولیں ’’ فضیلت ‘‘

صاحبزادی اور فضیلت اپنی طرف آئیں۔ صاحبزادی نے پاخانہ کے

پاس جاکر ادھر اُدھر دیکھا اور کوٹھے پر چڑھ گئیں۔ آسمان پر ایک سرخ کنکیا اُڑ رہی تھی جس پر موٹے حرفوں میں "عید مبارک" لکھا ہوا تھا۔ کنکیا اُتر رہی تھی اور جب قریب آگئی تو انجمن نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

کنکیا پر عید مبارک کے نیچے میر کا یہ شعر لکھا ہوا تھا ؎

ہوئی عید سب نے پہنے خوشی و طرب کے جامے ۔۔۔ نہ ہوا کہ ہم بدلتے یہ لباس سوگوارانہ

اسکے بعد یہ عبارت تھی:

"آج صبح میری کائنات عید تھی کا ش عید نظارہ تمہارا سنگھار۔ تمہارے کپڑے۔ تمہارا اکھڑے اکھڑے انگڑائی لینا اور مسکرانا سب تمہارے نازک حسن کے شایان شان تھا۔ اس سے زیادہ دلکش سماں میں نے کبھی نہیں دیکھا میں بالکل محو تھا۔ پھر دل کی تڑپ بڑھی۔ شدت سے یہ تمنا پیدا ہوئی کہ تم تک پہنچ جاؤں مگر ہمیں اور تمہیں الگ ہی رہنا ہے۔ بالکل دور دور۔ میری زندگی تنہا ہے۔ میں کہیں دور چلا جاؤں گا اور تمہاری یاد میں کہیں بیٹھ کر زندگی گذار دوں گا یہ آخری کنکیا ہے۔ آخری عید مبارک۔ تو سلامت رہے آباد رہے شاد رہے"

انجمن یہ عبارت پڑھ رہی تھی کہ فضیلت ہانپتی ہوئی آئی اور جھک کے بولی "اے بیگم غضب ہوگیا فہیمن ماما آپ کو بلانے آئی ہے۔ نواب صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم چلو بیگم ابھی چھت پر سے آتی ہیں تو بولی میں بھی ساتھ ہی چلوں گی اور کھڑی ہے نیچے۔ اب کیا کریں"

انجمن بھی گھبرا گئی۔ کوٹھے پر سے جلدی جلدی اُتری اور ایکدم پاخانہ میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آئی فہیمن نے دیکھ لیا تھا کہ صاحبزادی کوٹھے سے آکر پاخانہ میں گئیں مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی اسنے صرف اتنا کہا "

(۱۷)

انجمن آرا اپنے چھپر کھٹ پر لیٹی تھی۔ محفل میں بیٹھے بیٹھے تھک کر چور ہو گئی تھی۔ اس کی پٹی کے پاس ایک طرف فضیلت بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی اور دوسری طرف نوبہار آکر بیٹھ گئی تھی۔ انجمن نوبہار کی طرف کروٹ لیے ہوئے اس سے باتیں کر رہی تھی

"تو نے یہ شعر کہاں سے سنا۔ نوبہار"

"اے بیگم مشہور شعر ہے میر کا"

"مگر یہ آج یاد آیا"

"وہ بیگم میرے حسب حال ہے۔ ہر عید کو یاد آتا ہے"

"ہٹ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کر"

"میں کیسی باتیں کر رہی ہوں صاحبزادی۔ نہ معلوم کیسے یہ شعر میرے ذہن میں آگیا ؎

ہوئی عید سب نے پہنے خوشی و طرب کے جامے نہ ہوا کہ ہم بدلتے یہ لباس سوگواراں

اے بیگم آپ کے ماتھے پر شکن کا نشان کیوں آیا"

"ہاں میں نے اسے اتار کے پھینک دیا مگر مجھ سے کہو . . . مگر دیکھ نوبہار بات نہ ٹال خوبصورتی سے۔ مجھ سے تو چھپائیگی تو میں پھر تجھ سے نہ بولوں گی"

"اچھا تو بیگم سنئے۔ یوں تو ہم سب حضور نواب عالی جاہ کی لونڈیاں

"اچھا آئیے شاہ آرا بیگم میری بجو بی آپ بھی میرے پاس دراز ہو جائیے"

شاہ آرا اس کے پاس چھپر کھٹ پہ لیٹ گئی اور بولی

"بجو ایک بات ہے۔ وہ میں آپ سے کہنے آئی ہوں"

"کوئی نئی بات تمھاری شادی کی"

"آپ کو تو ہر بات میں مذاق سوجھتا ہے۔ بھئی اللہ"

"بات تو کوئی ایسی ہی ہو گی تمھارے پیٹ میں نہیں رکی کہنے دوڑی آئیں"

"نہیں بجو بڑی وہ بات ہے آپکی"

"میری؟"

"جی ہاں۔ وہ نہیں بھی امی جان سے اور آپ کی دولہن اماں اور میری دولہن اماں بھی بیٹھی تھیں تو وہ یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو بھٹے پہنگی سمجھتیں"

"تو سب لوگوں نے کیا کہا۔" انھوں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں کہنے لگیں میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ صاحبزادی کچھ دبلی بھی ہوتی جاتی ہیں۔ کچھ کھوئی کھوئی سی بھی رہتی ہیں۔ خدا نہ جانے بیوی کچھ تو روگ لگتا ہے۔ کسی رمال سے طالع دکھایا جائے"

"اچھا اور سب سنائیے؟"

"نہیں چچی اماں نے کہا کچھ نہیں ذرا باڑھ کا زمانہ ہے تو دولہن اماں لیکن واہ باڑھ کے زمانے میں تم بھی کو کٹوں کو کٹوں پھرا کرتی تھیں۔ مجھے تو تعجب ہے"

"پھر ہماری دولھن اماں نے کیا کہا"

"چچی اماں نے کہا ٹھیک تو ہے بڑی بھابھی اور اب کل پرسوں آپکے طالع دکھائے جائیں گے"

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہوئی"

"کیا سچ مچ آپ کوٹھے پر گئی تھیں؟"

"ادھر گرمی میں سے آئی تھی ذرا کوٹھے پر چلی گئی وہاں ہوا آتی ہے۔ یہ کوٹھے کے زینے بنائے ہی کیوں گئے تھے ان کو تڑوا دیا جائے میں اب کبھی زینوں پر قدم نہیں رکھوں گی۔ یہاں تو بات کے بتنگڑ بن جاتے ہیں"

۳۸

نواب صاحب اپنی تیسری بیوی کے یہاں آکر تشریف فرما ہوئے یہ بیوی ان کی سب بیویوں سے زیادہ خوبصورت تھیں۔ ڈھلتی عمر پر بھی ان کے حسن کا عجیب انداز تھا اور عجیب شان تھی۔ چہرہ کی نوک پلک ہر طرح سڈول اور خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ آنکھ ناک اور نقشہ دیکھ کر لوگ کہتے تھے انکو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ نواب صاحب پر ان کے حسن کا کافی رعب تھا اور وہ ان کو خاص نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔

"بیگم تم تو پھر سے جوان ہوتی ہوئی معلوم ہو رہی ہو تمھیں دیکھ کے مجھے ہمیشہ یہ شعر عرفی کا یاد رہا تا ہے"

کسے کہ محرم باد صباست میداند کہ باوجود خزان بوئے یاسمن باقی ست

"اے بیٹے - آپ کو بھی باتیں رہتی ہیں - اب میں بوڑھی ہوئی بال سفید ہو رہے ہیں کوئی بچہ نہیں ہوا اسی فکر میں گھل کر رہ گئی "

"اچھا بیگم - وہ تمہاری صغرا کہاں ہے - وہ تو تمہاری لڑکی ہے - بس خدا کی ہی دین سمجھو - اسے بلاؤ مجھے اسکو عیدی دینا ہے"

بیگم صاحب کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی - عرصے کے بعد انہوں نے اپنے ایک عزیز کا لڑکا پالا تھا وہ بھی مر گیا تھا - پھر انہوں نے اپنے بھائی کی [illegible] اولاد ایک لڑکی پالی تھی جو اب بڑھ کر جوان ہو گئی تھی - اس کا نام صغرا تھا - یوں تو یہ لڑکی گوری تھی مگر اسکی صورت عجیب کچھ پھپائی سی تھی اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی گالوں سے ڈھکی ہوئی تھیں - قد بھی پست تھا اور جسم ضرورت سے زیادہ موٹا ہونے کی وجہ سے گیند ایسی معلوم ہوتی تھی - صغرا کو ہر وقت سنگھار کرتے رہنے یا سوتے رہنے کے سوا کوئی اور کام نہیں تھا - آج عید کے دن پانچ دفعہ کپڑے بدل چکی تھی - نواب صاحب کی آمد کی خبر سن کر پھر جوڑا بدلنے گئی تھی -

صغرا کپڑے بدل کر ڈھلکتی ہوئی سامنے آئی اور نواب صاحب کو جھک کر سلام کیا ۔

"جیتی رہو تم کہاں چھپی بیٹھی تھیں صغرا"

"کپڑے بدل رہی تھی حضور آپا"

"اچھا یہ تمہاری عیدی" اور نواب صاحب نے اسکے ہاتھ میں روپیوں کی پوٹلی رکھ دی اور پھر بیگم کی طرف متوجہ ہو کر بولے

"اچھا بیگم تو ہم اب جاتے ہیں"
"جی ہاں جی ہاں۔ جائیے اس گھر میں تو آپ کے لئے کانٹے ہیں کانٹے"
"اف نوہ بیگم۔ تمہارا ناز ابھی تک نہیں گیا۔ ہوئے یاسمن باقی ست"
"میرا ناز۔ میرا ناز کیا۔ آپ کو ناز دکھانے کے لئے سیکڑوں اور ہیں۔ جی چھوٹے محل میں جانے کی دیر ہوتی ہوگی۔ اچھا سدھارئے خدا حافظ"
"نہیں۔ میں نہیں جاتا ابھی۔ آج برس برس کے دن بھی تم اپنے طعنہ تشنہ سے نہیں باز آتیں۔ تم جانتی ہو کہ میرے محلات میں تم سے زیادہ نازنین کوئی نہیں"
"مجھ سے ایسی ہی محبت تھی تو میرے اوپر سوتیں کیوں لائی گئیں"
"خیر میں تم سب سے برابری کا برتاؤ کرتا ہوں کہ نہیں"
"سب مرد بڑے منصف مزاج ہی تو ہوا کرتے ہیں۔ خیر اگر آپ کچھ دیر یہاں تشریف رکھیں تو کچھ باتیں کرنا ہیں"
"اچھا تم ناراض نہ ہو بیگم تم جب تک کہو گی میں بیٹھوں گا۔ وہ بات کیا کرنا ہے کہیں"
"عرصہ سے میں ایک بات سوچ رہی ہوں اور آپ سے ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ صغرا کی بھی شادی اب آپ ہی کو کرنا ہوگی۔ صغرا تو جا کھیل"
اور صغرا یہاں سے ہٹ گئی

"تو بیگم۔ میں نے کب کہا کہ میں اسے اپنی لڑکیوں کی طرح نہیں بیاہونگا"

"جی ہاں۔ مگر یہ میرے بھائی کی غیر کفو لڑکی ہے۔ اس کو اچھا بر ملنا مشکل ہوگا"

"یہ بھی ٹھیک کہتی ہو"

"مجھے خیال آیا کہ حیدر بھی تو آپکے بھائی کا ..."

"ہاں تو تمہارا مطلب یہ کہ حیدر کی نسبت صغرا سے ہوسکتی ہے"

"میں یہ کہتے ذرا ڈرتی ہوں کیونکہ حیدر نواب کو آپ نے کافی عزت دے رکھی ہے"

"تو اس میں ڈر کا ہے کا۔ بات تو معقول ہے مجھے اسکا خیال کچھ زیادہ ہے مگر اس سے کیا صغرا اور وہ بالکل ایک دوسرے کے مناسب ہیں مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا میں ابھی جاکر اس کی ماں کو راضی کرتا ہوں۔ اب خوش ہوئیں بیگم" نواب مسکرا دو۔ تمہاری مسکراہٹ اب بھی قیامت ہے"

۳۰۹

نواب صاحب چھوٹے محل میں گئے۔ پھر ایک آدھ متاعی محلوں میں ہوتے ہوئے بھوے اور لونڈی خادمت کے گذر کر قصر الفنا کے بالکل کونے پہ۔

حیدر نواب کی حویلی میں پہنچے۔ حیدر نواب باہر برآمدے میں بیٹھے
نواب صاحب کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جھک کر
سلام کیا۔ نواب صاحب نے دعا کے بعد پوچھا۔
"کہیں یہ تم یوں ہی بیٹھے ہو۔ آج اپنے کیلپ ویلپ نہیں
جاتے"
"حضور! آج عید ہے میں نے کہا کہاں جاؤں"
"یہ تم مضمحل کیوں ہو؟"
"ابھی ذرا سو گیا تھا حضور۔ ابھی اٹھا ہوں"
"اچھا۔ اپنی والدہ سے اطلاع کر دو کہ میں آیا ہوں"
"آپ آگے تشریف لے چلیں"
"واہ میاں صاحبزادے واہ اب تو ماشاءاللہ تم کیا کہتے
ہیں بی۔ اے۔ ہونے کو ہو مگر رہے بھولے کے بھولے ہی۔ ماں
تمہاری گھر میں نہ معلوم کیسے بیٹھی ہوں اور میں گھستا چلا جاؤں۔ تم
آگے چل کے اطلاع کر دو"
حیدر نواب لپک کر گھر میں آگئے اور وہاں سے اطلاع کی۔ وہ اپنے
چھپر کھٹ سے اٹھ کر استقبال کے لیے دالان میں آگئیں۔ ادھر
نواب صاحب تخت پر بیٹھے ہوئے [illegible]
[illegible]
والدہ حیدر نے جھک کر سلام کیا۔ نواب صاحب نے دعا دی
دونوں جا کر تخت پر کے چوکے پر بیٹھ گئے۔ والدہ حیدر نواب صاحب
کے سامنے چھپر کھٹ کے ڈالے رہا کرتی تھیں۔ اور باتیں کرتے

آپ کی شفقت۔ اپکی محبت سے امید ہے کہ آپ سب کچھ اچھا ہی کریں گے مگر حیدر تو شادی کرنے کو نہیں کہتے ابھی "

"وہ بیچارے سمجھے حیدر کی بھی کوئی رائے ہے۔ خوب کہی آپ نے بھاوج صاحب واللہ۔ خوب "

"مگر بھائی جان صاحب یہ انگریزی پڑھکر اسکا دماغ عجب ہوگیا ہے میں نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا تو کہنے لگا میں کبھی شادی نہیں کرونگا "

"تو یہ کہیے یہ معاملات میں آپ سب دریافت کئے بیٹھی ہیں"

نواب صاحب ہنسے اور پھر کہنے لگے "اول تو آپ کو اس سے کہنے ہی کی کیا ضرورت تھی کہیں لڑکوں سے باتیں کی جاتی ہیں ان کی شادی کے متعلق "

"وہ سب درست مگر آپ کے بھائی مرحوم نے یہ وصیت کی تھی کہ جب حیدر جوان ہو تو اس سے پوچھ کر اسکی شادی کرنا "

"تو یہ کہئے کہ آپ نے اپنے شوہر مرحوم کی وصیت پر عمل کیا اسے بھی اسکی اصلاح نہ فرمائے۔ وہ تو خبطی تھا۔ بالکل پاگل ہمیشہ اپنی نئی نکالتا تھا میں تم سے واقعہ بتاؤں۔ جب میری سب سے چھوٹی لڑکی کی شادی تھی تو کہنے لگا کہ لڑکی کی رائے لی جائے۔ [illegible] وقت ہوں آگر الٹا ظلم ہے اور شریعت کے [illegible] بالکل پاگل تھا۔ اپنی شادی کے سلسلے میں [illegible] [illegible] کی وجہ سے عمر شادی کرنے کی [illegible] اس سے شادی کرونگا جو ان لڑکی ابھی [illegible]

ان کے ساتھ شادی کرنے کو خود اکے رائے دینی "" اور ذرا مسکرا
کر بولے "سچ سچ بتاؤ تم نے مکمل رائے دی ہوگی"
والدہ حیدر اسیر شرما گئیں ۔ اپنے سفید دوپٹہ کا گھونگھٹ
ذرا نیچا کر لیا اور منہ تھوڑا سا پھیر کر بولیں "بھائی صاحب میرے
والد مرحوم شریعت کے پابند تھے والد نے مجھ سے کہا کہ تیری خلوص
کے ساتھ رائے ہو تو شادی کروں نہیں تو نہ کروں"

"اور تم جھٹ سے بول اٹھیں ہاں"

"بھئی آپ تو دل لگی فرماتے ہیں ۔ میں نے اپنی بہن کے ذریعہ
کہلا دیا تھا کہ یہ ہے میری رائے"

"اچھا تو این خانہ تمام آفتاب است ۔ سچ بات ہے ۔ تو پھر
حیدر کی شادی کے بارے میں ہماری رائے کی کوئی حیثیت نہ
ہوگی"

"نہیں حضور وہ موقع اور تھا ۔ آپ کی رائے کو رد کرنا کیا
مجال ۔ آپ کی رائے ہمارے لئے حکم ہے جو آپ فرمائیں گے
وہی ہوگا"

"اچھا ۔ ہمارے خاندان میں تو قاعدوں پر چلنا ہوگا پہلی بات
یہ کہ رشتے میں بھی شادی کی رائے لے لینا جب نکاح کے وقت
پوچھا جائے تو اس کی رائے ہو ہی جائیگی ۔ شریعت کا حکم
پورا ہو جائیگا اور ہمارے میاں مرحوم کی وصیت بھی پوری ہو جائیگی
میں بھی پہنچ گئی"

"اسکے بعد میری یہ رائے ہے کہ منجھلی بیگم کی لڑکی ہے تمہاری بھتیجی

جس کو انھوں نے پالا ہے۔ اسکے ساتھ نسبت ہو جائے۔ تم نے دیکھا تو ہے صغرا کو،،

"جی ہاں آپ کی جو رائے وہ ٹھیک ہے حیدر آپکا حکم مانے گا،،

"بس تو پھر ٹھیک ہے،،

اور نواب صاحب باہر تشریف لے آئے۔

۴

ابھی شام نہیں ہوئی تھی۔ نواب صاحب دن بھر ادھر ادھر آنے جانے کی وجہ سے تھک کر چور ہو گئے تھے اس لیے ابھی سے آرامگاہ کے سامنے والے چبوترے پر چھپر کھٹ بچھوا کر سرہانے گاؤ تکیہ رکھوا کر آرام سے پیر پھیلائے بیٹھے تھے اور پیچوان سے شوق فرما رہے تھے۔ مصاحبین پاس ہی زمین پر فرش پر بیٹھے تھے اور حضور کا دل بہلانے کے لیے ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے۔ میر کلو سب سے زیادہ ان [illegible] زیادہ [illegible] ہو گئے تھے کہ آج وہ نواب صاحب کی [illegible] اچکن پہنے ہوئے تھے جو ان کے جسم پر اس طرح [illegible] معلوم ہوتی تھی جیسے کہ درزی کی دوکان میں [illegible] رکھی ہوئی [illegible] ایک مندیل کا [illegible] ٹوپی اوڑھے [illegible]

ڈلیہ کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ میر کلو نے عید پر ایک رباعی کہی تھی مگر اسکو حضور کی خدمت میں پیش کرنے کی ابھی تک نوبت نہ آئی تھی چنانچہ وہ کہہ رہے تھے

"حضور کیا عرض کروں عید کا دن ڈھل گیا۔ چار مرتبہ کوشش کی سناؤں۔ مگر کچھ نہ کچھ ایسا ہو گیا کہ بات ٹل گئی۔ حضور اب اس وقت موقع ہے۔ خدا کرے کوئی آ نہ جائے"

"بات تو یہ ہے کہ جو بھی موقع ملا تم نے تمہید میں صرف کر دیا۔ نہیں تو رباعی بھی چار مصرعوں کی چیز بات کرتے میں سنائی جا سکتی تھی"

"حضور۔ وہ میر عنایت حسین کے اشعار کی طرح تو ہے نہیں کہ جھپس سے سنا دی جائے اور ختم"

"ہاں ہمارے اشعار جھکی ہو گئے جھپس سے سنا دیے گئے"

"میر صاحب آپ تو بات پکڑتے ہیں واللہ مجھے سنا لینے دیجیے نہیں تو یہ وقت بھی آپ کی بحث میں جاتا رہے گا"

"اچھا تم سناؤ"

"حضور عرض کرتا ہے یہ ناچیز پہلا مصرع۔ ذرا سادگی صفائی اور برجستگی اور روانی ملاحظہ ہو۔ مومنو آج ہے بقر عید کی عید"

"واہوا واہ! مومنو سے خطاب خوب کیا رباعی میں جدت ہے"

میر عنایت حسین نے کہا

"آپ عنایت حسین صاحب یہ جدت نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ مومنوں سے خطاب مرثیوں اور سلاموں اور مجلس والی چیزوں ہی میں کیوں ہو۔ یہیں تو مومنوں ہی کی خوشی سے خوشی ہے۔ ہم تو مومنوں سے خطاب

کریں گے،،

"اور یہ بقر عید کی عید،، ایک اور مصاحب نے ہنستے ہوئے کہا "آپ لوگ میرے کلام سمجھنے کے اہل نہیں۔ تمام فکر اس بقر عید کی عید پر صرف کر دی۔ حضور آپ کی شکر کی قسم۔ جان کھپا کر دو صنعتیں رعایت لفظی اور تکرار کو ایک جگہ پیدا کرکے یہ لطف نصیب ہوا ہے اور یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ کس قدر بدمذاقی کا زمانہ آگیا ہے،،

نواب صاحب کافی لطف اندوز ہو رہے تھے اور بولے "اچھا دوسرا مصرع حضور یہ ملحوظ رہے کہ چھوٹی بحر ہے جس میں آج تک ہمارے عنایت حسین صاحب ایک مصرع نہ کہہ سکے۔ خیر دوسرا مصرع ہوتا ہے۔

ع اما داللہ خوشی قابل دید

"کیا بے ساختگی کی "ٹانگ توڑی" عنایت حسین بولے۔

"ٹانگ توڑی۔ سر توڑ دیا بے ساختگی کا حضور حد ہو گئی۔ ذرا حضور لہجہ کی داد دیں۔ اما داللہ خوشی قابل دید،،

"قافیہ بھی خوب ہے،، ایک مصاحب بولے۔

"قافیہ کا خاص لطف تو چوتھے مصرع میں آپ ملاحظہ کریں گے۔ اس مصرع کو سہل ممتنع کی مثال کہئے۔ خیر حضور عالی جاہ دوسرا شعر ہے۔

سب فرشتوں سے مل کے جنت کی حضور مل کے خاص اہتمام سے
سب فرشتوں نے مل کے جنت کی۔ سب فرشتوں نے مل کے جنت کی
ایک دم کھول دی آکر کے کلید،،

ڈلیہ کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ میر کلو نے عید پر ایک رباعی کہی تھی مگر اسکو حضور کی خدمت میں پیش کرنے کی ابھی تک نوبت نہ آئی تھی چنانچہ وہ کہہ رہے تھے

"حضور کیا عرض کروں عید کا دن ڈھل گیا۔ چار مرتبہ کوشش کی سناؤں۔ مگر کچھ نہ کچھ ایسا ہو گیا کہ بات ٹل گئی۔ حضور اب اس وقت موقع ہے۔ خدا کرے کوئی آ نہ جائے"

"بات تو یہ ہے کہ جو بھی موقع ملا تم نے تمہید میں صرف کر دیا۔ نہیں تو رباعی بھی چار مصرعوں کی چیز بات کرتے میں سنائی جا سکتی تھی"

"حضور۔ وہ میر عنایت حسین کے اشعار کی طرح تو ہے نہیں کہ جھٹ سے سنا دی جائے اور ختم"

"ہاں ہمارے اشعار جھکی ہو گئے جھٹ سے سنا دئے گئے"

"میر صاحب آپ تو بات پکڑتے ہیں واللہ۔ مجھے سنا لینے دیجئے نہیں تو یہ وقت بھی آپ کی بحث میں جاتا رہے گا"

"اچھا تم سناؤ"

"حضور عرض کرتا ہے یہ ما چیز پہلا مصرع۔ ذرا سادگی صفائی اور برجستگی اور روانی ملاحظہ ہو۔ مومنو آج ہے بقرعید کی عید"

"واہ واہ واہ! مومنو سے خطاب عید کی رباعی میں جدت ہے"

میر عنایت حسین نے کہا

"آپ عنایت حسین صاحب یہ جدت نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ مومنوں سے خطاب مرثیوں اور سلاموں اور مجلس والی چیزوں ہی میں کیوں ہو۔ یہیں تو مومنوں ہی کی خوشی سے خوشی ہے۔ ہم تو مومنوں سے خطاب

کریں گے "

"اور یہ بقر عید کی عید" ایک اور مصاحب نے ہنستے ہوئے کہا "آپ لوگ میرا کلام سمجھنے کے اہل نہیں۔ تمام فکر اس بقر عید کی عید پر صرف کر دی۔ حضور آپ کی شکر کی قسم۔ جان کھپا کر دو صنعتیں رعایت لفظی اور تکرار کو ایک جگہ پیدا کر کے یہ لطف نصیب ہوا ہے اور یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ کس قدر بدمذاقی کا زمانہ آ گیا ہے"

نواب صاحب کافی لطف اندوز ہو رہے تھے اور بولے "اچھا دوسرا مصرع حضور یہ ملحوظ رہے کہ چھوٹی بحر ہے جس میں آج تک ہمارے عنایت حسین صاحب ایک مصرع نہ کہہ سکے۔ خیر دوسرا مصرع ہوتا ہے۔

ع ماشاء اللہ خوشی قابل دید

"کیا بے ساختگی کی "ٹانگ توڑی" عنایت حسین بولے۔

"ٹانگ توڑی۔ سر توڑ دیا بے ساختگی کا حضور حد ہو گئی۔ ذرا حضور لہجہ کی داد دیں۔ ماشاء اللہ خوشی قابل دید"

"قافیہ بھی خوب ہے" ایک مصاحب بولے۔

"قافیہ کا خاص لطف تو چوتھے مصرع میں آپ ملاحظہ کریں گے۔ اس مصرع کو سہل ممتنع کی مثال کہئے۔ خیر حضور عالی جاہ دوسرا شعر ہے۔

سب فرشتوں نے مل کے جنت کی حضور مل کے خاص اہتمام سے

سب فرشتوں نے ملکے جنت کی۔ سب فرشتوں نے مل کے جنت کی

ایک دم کھول دی اکڑ کے کلید"

"کلید۔ واللہ۔ واللہ۔ کیا نایاب قافیہ لائے ہیں اور کس قدر موزوں کیا ہے" سب زور زور ہنس کر تعریف کرنے لگے۔ نواب صاحب بھی زور سے ہنس پڑے

"مکرر ارشاد ہو" کی کئی نے التجا کی

"عرض ہے سب فرشتوں نے مل کے جنت کی ایک دم کھول دی آکر کے کلید"

"کنجی کھولنا تو محاورہ ہے۔ یہ کلید کھولنا آپ کا حق ہے" میر عنایت حسین بولے۔

"واہ میر صاحب کلید کے معنے اٹھا کر دیکھیے کنجی ہی ہوتے ہیں"

"جی ہاں آپ کی لغت میں ایک کنجی کے معنے ہیں اور عام لغت میں دو ہیں"

"ہونہہ میں عامیانہ سوقی معنے نہیں دیکھتا ہوں۔ باریک بیانی کی طرف جدت طرازی کی طرف میرا دھیان ہے"

"نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا مگر میر کلو قدما کی روایات کا بھی تو لحاظ رہنا چاہیئے"

"حضور وہ تو موجود ہے۔ عید کے سلسلہ میں جہانگیر بادشاہ اور نورجہاں کا شعر ہے جسمیں لفظ"

"اچھا تمہارا مطلب اس شعر سے ہے۔ ہاں جہانگیر نے کہا ع
ہلالِ عید بہ اوجِ فلک ہویدا شد + نورجہاں نے جواب دیا ع
کلید مے کدہ گم گشتہ بود پیدا شد"

"جی سرکار۔ خدا آپ کو سلامت رکھے رہتی دنیا تک۔ دیکھیے کلید ہے کہ نہیں اس شعر میں"

"یہ معاملہ سارا کنجی اور کندی کا ہے۔ اچھا میر کلوتم کھرے شاعر نہیں کھرے شاعر ہو" نواب صاحب نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے فرمایا۔

"سب لوگ خوب بن بن کر ہنسے اور کہتے رہے" حضور نے کمال کی بات کہی" میر عنایت حسین بھی جھوم جھوم کر تعریف کرنے لگے۔

"اور میر کلو یہ مصرع پڑھنے لگے" مجھے حضور نے ذرے سے آفتاب کیا"

۱۴

"رات کے خاصے کے بعد نواب صاحب نے فرمایا" میں بہت تھک گیا ہوں۔ اب ناچ واچ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تم لوگوں میں سے جو جس جس کا ناچ دیکھنا چاہے یا گانا سننا چاہو اسکو اپنی اپنی جگہ بلوا لو میں اب آرام سے سو نا چاہتا ہوں"

اور ہر صاحبزادے نے اپنے پسند کے طائفے اپنے اپنے یہاں بلوا لیے۔ ہر محل میں الگ الگ جشن ہوتے رہے

نواب اکبر علی خان عرف چھوٹے نواب عالم نے اپنے یہاں الگ انتظام کیا تھا اور دو چار نواب انکو اپنے سات لے گئے تھے۔ ان کی حویلی میں اندر کشمیریوں کے ناچ کا انتظام تھا کیونکہ ان کی بیوی کو خاص طور پر کشمیریوں کا ناچ پسند تھا۔ انگنائی میں کشمیری اور بھانڈ اپنا مجرا کر رہے

تھے اور بیگمات کوٹھے پر سے ناچ دیکھ رہی تھیں

باہر چھوٹے نواب کی دونوں رنڈیاں آج کچھ خاص طور پر سجی ہوئی کچھ ضرورت سے زیادہ مصروف معلوم ہو رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی عزیزوں کو بلایا تھا جن میں سے کچھ کا مجرا دیوان خانے میں ہونے والا تھا چھوٹے نواب عالم مسند پر بیٹھے تھے اور ان کے پاس حیدر نواب۔ ناچ شروع ہو چکا تھا اور چھوٹے نواب اس سے پورے طور پر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مگر حیدر نواب کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ انکے سامنے ہی دور دور سب رنڈیاں بیٹھی تھیں۔ ان میں ایک جوان نہایت خوبصورت لڑکی تھی جو ان کو ٹکٹکی باندھے دیکھے ہی جا رہی تھی مگر ان کی نگاہ کسی چیز پر نہ جمتی تھی کبھی ادھر دیکھتے کبھی ادھر دیکھتے۔ ان کا دل بیقرار تھا تمام دنیا ان کو ہیچ معلوم ہو رہی تھی اور جی چاہتا تھا کہ وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں

کبھی ایک نگاہ رقص کرنے والی رنڈی پر ڈالتے اور سوچتے "یہ بھی عورت ہے" اور پھر ایک نگاہ ان متعدد رنڈیوں پر دوڑاتے جو ایک طرف قطار میں بیٹھی تھیں اور سوچتے "یہ بھی عورتیں ہیں۔ جوان ہیں۔ دنیا انہیں بھی خوبصورت کہتی ہے ان کے بھی ناک نقشے وضع قطع درست ہیں مگر ان میں کیا بات نہیں ان میں کچھ نہیں ان کے خمیر کو پھر سے ڈھالنے کی ضرورت معلوم ہوتی۔ ان کی روح ہی نہیں بلکہ ہر ادا کو پھر سے بنانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ [illegible] معلوم ہو سکیں۔"

ان رنڈیوں میں ایک ایسی خوبصورت تھی جس کو ہزاروں میں ایک کہا جا سکتا تھا [illegible] نواب کی نگاہ اس پر بھی نہ جم سکی

ذرا سی مسکراہٹ کھیل جاتی اور وہ دل میں کہتے "نوبہار مجھے کس
قدر چاہتی ہے مگر میں اسے نہیں چاہ سکتا عجیب لڑکی ہے نوبہار
اس کی یاد ہی مجھے زندہ کرتی ہے میری دنیا میں سب سے بڑی ہمدرد اور دوست
میرے دل کو اس سے سوا اور کون بہلاتا ہے۔ آگے معلوم نہیں قدر کروں کم ہے"۔
مجھے بہت زیادہ غوطے نہ آ گرا ان کو یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ موتی نکال کے پل بھر
سے ڈوب جانے کے لئے دریا میں کود پڑا ہے ہیں اور نوبہار آ کر ان کا
ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور کہتی ہے "اے میاں آپ تیراک نہیں آپ کہیں
ڈوب گئے ہیں"

نوبہار نے ان کے دل پر کچھ ایسا اثر ڈالا تھا کہ نجمہ کے تصور کے ساتھ
ساتھ اب ان کو نوبہار کا بھی خیال ضرور آتا۔ مگر نوبہار کی طرف ان کے
جذبات بالکل صاف مختلف قسم کے تھے اس کے خیال سے ان کے دل
میں عشق کا جذبہ نہیں بلکہ دوستانہ ہمدردی، شکر گزاری وغیرہ کے جذبات
پیدا ہوتے

بی امراؤ جان نے نجمہ کے نواب کے پاس آ کر کہا "نواب یہ لڑکی غزل
کو نئے انداز میں گانے کی مشق کر رہی ہے اور اب آپ کے سامنے اپنے فن
کی مثال پیش کرے گی" اور اسی وقت وہ چھریرے بدن والی لڑکی
اپنے سازندوں کے سامنے آئی

حیدر نواب بھی نجمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے انشا کی غزل
گانا شروع کی۔ بہت آگے کئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔ اس کے طرز ادا
میں ایک خاص انداز تھا غزل کے پہلے مصرع کو نہایت آہستگی سے
اٹھاتی تھی۔ اس کی آواز بھی مہین اور رسیلی تھی ساز نیچے سروں میں

بجتا تھا۔ پھر دوسرے مصرع کو نہایت تیزی اور روانی کے ساتھ جوڑتی تھی اور ساز کے سر بھی تیز اور بلند ہو جاتے تھے۔ اکثر دوسرے مصرع کو تیزی سے ادا کرتے وقت تالی بھی بجاتے لگتی تھی۔ نواب عالم اور ان کے مصاحبین ہر شعر پر تعریف کرتے اور اکثر اشعار کو مکرر اور سہ کرر گانے کے لئے کہتے جب وہ لڑکی اس شعر پر آئی

"نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں"

تو حیدر نواب پر بھی ایسا اثر ہوا کہ اپنے زانو پر ہاتھ مار کر "اف" اکہہ اٹھے حالانکہ کسی نے اس شعر کو مکرر گانے کے لئے نہیں کہا کیونکہ ہر ایک عجب سے حیدر نواب کو دیکھنے لگا تھا مگر وہ لڑکی بڑی ادا شناس تھی۔ وہ آپ ہی مختلف لہجوں میں بنا بنا کر اس شعر کو بار بار ادا کرتی رہی اور حیدر نواب کچھ بکھو جھومتے رہے

"بھئی تمہیں بہت پسند آیا یہ شعر واللہ" چھوٹے نواب نے پوچھا

"حضور بھائی صاحب بڑا قیامت کا شعر ہے"

حیدر نواب کی توجہ اس غزل کے باقی شعروں کی طرف رہی مگر اسقدر نہیں یوں ہی محفل میں اگر کسی وقت وہ جاگ رہے تھے تو بس اسی دوران میں جب یہ غزل گائی جا رہی تھی

محفل برخاست ہوئی حیدر نواب رخصت ہو کر ڈیوڑھی کے پھاٹک تک گئے تھے کہ پیچھے سے چھوٹے نواب کی دلبر جان کی آواز آئی "حیدر نواب ذرا ٹھہرئے ایک بات کہنا ہے"

حیدر نواب ٹھہر گئے تو وہ بولی "میاں اگر اس لڑکی سے کچھ دل بہلانا چاہیں تو ہر وقت آپ کے یہاں"
"کیا باتیں کرتی ہیں آپ دلبر بھابی"
"اسے ہے۔ ذرا بیٹے تنا انگریزی پڑھ گئے ہیں تو ہم لوگوں سے الگ الگ رہنا چاہتے ہیں۔ اس کی غزل سے تو محو ہو گئے تھے"
"ہاں غزل مجھ کو پسند آئی۔ اس کی طرز بھی پسند آئی۔ وہ مجھے خاص ادا سے دیکھ رہی تھی۔ مگر میرا دل اس سے نہ بہلیگا۔ آپ نے بھی ہر دو لوگوں کے دل ٹٹولے ہونگے۔ آپ جانتی ہو بھی کہ دل بیتاب بہلتا نہیں بہلانے سے میرا دل کسی عورت سے نہیں بہل سکتا بھابی آپ کی عنایت کا توجہ کا شکریہ"
"اچھا یہ بات ہے دل پر تیر کھا گئے ہیں میاں صاحبزادے۔ ہے تو مرض برا اگر کیا گیا جائے۔ محبوبہ کی جو لگا بے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے۔ اچھا جائیے۔ خدا حافظ"

(۴۲)

"حیدر نواب چپکے چپکے اپنی حویلی کی طرف چلے جا رہے تھے بارہ دری سے آگے بڑھ کر اندھیارے میں ان کو ایک عورت سی جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ذرا قدم آگے بڑھا کے انہوں نے پوچھا "کون ہے"
"آپ ہیں حیدر نواب"

عید - اوہو ناہد"
"اسے اتنی خوشی کی کیا ضرورت"
"غالب نے کہا ہے
کم نہیں نازش ہمنامی چشم خوباں — تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
میں آپ کے خیالوں میں جگہ کر رہی ہوں میں خوش ہوں اس سے
زیادہ اور خوشی کیا ہو سکتی ہے میرے لیے"
"یہ شعر - خیر اسکو جانے دے - مگر سچ سچ اب انجو کے ساتھ
ساتھ تو بھی میرے ذہن میں گھر کرتی جا رہی ہے"
"اس شعر میں تو میں غالب ہوں اور صاحبزادی مغلوب"
"ٹھیک کہتی ہے - مگر یہ سمجھ آ ہی گیا"
"تو میں کب چاہتی ہوں کہ لونڈی کی اوقات سے اوپر جاؤں میرے
لیے یہی ہے کہ آپ خود نواب اور بیگم ہوں اور میں آپ دونوں کی
خدمت میں دن گزار دوں"
"تیری محبت بہت صاف اور پاک ہے - میری خود غرضی کی
محبت ہے"
"کیوں صاحب کیا میری اپنی غرض نہیں ہے"
"تو اپنے لیے تو کچھ نہیں چاہتی"
"اپنے لیے نہیں چاہتی تو کیا آپ کے لیے چاہتی ہوں - میرا دل
یہی چاہتا ہے"
"خیر تیری محبت بڑی قیمتی ہے"
"ایسی باتیں نہ کیجیے - آپ نے مجھے کتنا خوش کر دیا، اوہو - ب

آپ جائیے آرام کیجئے، میں اپنے دل سے باتیں کر کر خوب خوش ہونگی آج رات!"

(۴۳)

"کیوں انجو کل تم کوٹھے پر کیوں گئی تھیں" چھوٹی بہو صاحب نے پوچھا۔

"وہ جب پیشاب کرنے آئی تھی۔ دولہن اماں جب کا ذکر ہے"

"ہاں فہمین نے کوٹھے سے اترتے دیکھا تھا"

"جی ہاں۔ میں اور فضیلت کچھ سیڑھیاں اوپر چڑھ گئے تھے بڑی اچھی ہوا آ رہی تھی دولہن اماں"

"وہ حضور بہو صاحب" فضیلت بولی "بیگم پاخانہ میں تھیں اور میں زینہ کے پاس تھی۔ زینہ کی طرف بڑی اچھی ہوا آ رہی تھی اور بیگم باہر آئیں تو پسینے پسینے تھیں۔ میں نے کہا ہوا میں ذری کھڑی ہو جائیے اور ہم دونوں دو ایک زینے اوپر بھی چڑھ گئے۔ اتنے میں ماما جی آ گئیں۔ ہم لوگ چلے بھی آئے کوئی پانچ زینہ اوپر گئے ہوں گے"

"زینہ سے ہوا تو آتی ہے، مگر سمجھی انجو میری لال۔ کبھی اکیلے کوٹھے پہ نہ جایا کرو میرا بچہ اس محل میں تم جاتی نہیں ہو۔ ہاں"

"میں قسم کھاتی ہوں دولہن اماں اب کبھی نہ جاؤنگی سوائے آپ لوگوں کے ساتھ کے"

چھوٹی بہو صاحب کو کامل اطمینان ہوگیا۔ انجمن آرا بھی اپنے گھر کے شکی لوگوں سے واقف تھی اور اپنی محبت کو کامل طور پر پردہ میں رکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ پہلے ہی سے طے کر چکی تھی کہ کنکئیا بازی بند کرادی جائے۔ نو بہار اسکی بات کو حیدر نواب تک پہنچا آئی تھی اور حیدر نواب اپنی جھنجھلاہٹ میں تمام کنکئیاں اور ڈور کے گولے اور چرخیاں وغیرہ جلا چکے تھے

انجمن سوچ میں تھی کہ اب رسل و رسائل کا کون طریقہ اختیار کرے اسکی محتاط طبیعت نے کنکئیا والے طریقہ کو تو ختم کرنے ہی پر اسے مجبور کیا تھا مگر اس کا عشق بھرا دل اسے بے چین کیے تھا۔ اور وہ اس فکر میں تھی کہ کوئی اور ایسا طریقہ سمجھ میں آئے جس سے اسکے اور حیدر کے درمیان سلسلہ جاری رہے

دوپہر کے وقت سب لوگ توخس خانہ میں چلے گئے انجمن اپنی ہی طرف رہی اور فضیلت سے بات چیت کرتی رہی۔ انجمن نے کہا

"اچھا فضیلت تو ان سے روز مل آیا کر اور وہ جو کچھ انہیں یا لکھ کے دیں وہ یہاں لے آیا کر"

"مگر بیگم میں ان سے کیسے روز ملا کرونگی، اور ویسے بھی میں جاتی تھی تو وہ سیدھے منہ بات تھوڑی کیا کرتے تھے جو کچھ میں نے کہا وہ سن لیا اور پھر کہا جا۔ اور پھر مجھے وہاں اس قدر آتے جاتے بھی جھجک آتی ہے"

"تو پھر اور کوئی تیز چالاک لڑکی ڈھونڈھنا چاہیئے، تو تو بھولی ہے"

"بیگم۔ نوبہار کیسی رہے گی۔ ایک دن تو آپ کا پیغام لے جا چکی ہے"

"مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ مجھے بہت چاہتی ہے مگر وہ حضور دادا ابا کی خدمتی ہے اور یہاں کبھی کبھی ہی آجاتی ہے اس سے کیسے کام چلے گا"

"بیگم۔ آپ اس سے بس کہہ دیں وہ اپنا سب ٹھیک کر لے گی"

"مگر وہ بہت زیادہ آنے جانے لگی تو لوگوں کو شبہ ہو گا کہ اب کیوں زیادہ آتی جاتی ہے"

"تو پھر کیا کیا جائیگا"

"ایک بات سمجھ میں آئی۔ میں حضور دادا ابا سے اسے مانگ لونگی"

"یہ نہیں ہو گا بیگم۔ نواب صاحب کو اسکے بغیر قرار نہیں آتا اور مجھ جیسی کو ایسے اتنا قیمتی ہیرا ہزار کا"

"تو میں دادا ابا سے یوں کہوں گی کہ مجھے نوبہار بہت اچھی لگتی ہے آپ کی خدمت کے وقت آپ کے پاس چلی جائے اور باقی سب وقت میرے پاس رہا کرے بلکہ یہاں ہو یا کرے یہ تو گھر کی خانہ میں آخر رہتی ہی ہے۔ وہاں کی نظروں میں اس کی بھی رہنے کی جیسے تیری ہے"

"ٹھیک ہے تیرا ایسے شاید راضی ہو جائیں حضور عالی جاہ"

(۳۴)

نواب صاحب اور ان کے مصاحبین بارہ دری کے نیچے تہ خانہ میں
تشریف فرما تھے، انجمن آرا کی عرضی ایک لال تھیلی میں رکھی ہوئی بڑے محل کی محلدار
منشی نوبت رائے کو دیکھ چلی گئی منشی جی جب پڑھ چکے تو نواب صاحب نے
دریافت کیا

"کیا چاہتی ہے میری بچی"

"حضور مفہوم یہ ہے کہ نوبہار کو آپکی خدمت کے اوقات کے علاوہ اوقات
میں اپنی خدمت کے واسطے صاحبزادی عرض کرتی ہیں"

"خدمات کے اوقات کے علاوہ اوقات کیا خوب منشیانہ زبان ہے
واللہ منشی جی" میر کلو بولے

نواب صاحب نے فرمایا "ہاں بات تو ٹھیک ہے، اسکی اب
شادی ہونے والی ہے" اسکے پاس کم از کم چار کنیزیں ہونا چاہیے
یہ نوبہار کو اسنے ٹھیک نہیں لگا، پھر کچھ ٹھہر کر بولے "مگر خیر ہے
تو صبح اور رات ہی کو نوبہار کا کام ہوتا ہے" منی اب پرائے گھر کی
ہوجائیگی" اسکا دل رکھنا ضروری ہے"

میر کلو بولے "حضور کیا ہوا آپ کی کنیزیں تو کچھ کام
کرتی ہی نہیں پڑے پڑے نہیں بلکہ لیٹے لیٹے کھاتی
ہیں"

"اور وہ بھی تو کہیے کہ بڑی بدتمیز ہوتی جاتی ہیں" میر عنایت حسین نے کہا
"آئیں کیا معاملہ ہے؟" نواب صاحب نے دریافت کیا
"حضور کچھ نہیں۔ یہ میر صاحب یوں ہی۔ واللہ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں"
"حضور بات یہ ہے کہ ہمارے میر کلو صاحب وہ داروغہ ہے نہیں لونڈی
خادی کی اسے اسقدر ڈرتے ہیں جیسے کوئی شیرنی سے ڈرے"
"نہیں حضور میں اسے منہ نہیں لگاتا"
"بارہا نہیں منہ نہیں لگاتی حضور سنا ہے واللہ عالم وہ ان کی کئی
دفعہ مرمت کر چکی ہے"
"واللہ میر عنایت حسین صاحب۔ یہ آپ حد سے تجاوز فرما رہے ہیں"
"بیٹھے تو وہ ٹہری" نواب صاحب نے کہا "اور اگر کشتی ہو تو ان کو پیچ
دے گی"
"حضور عورت ذات کے سامنے میں کیا آستینیں چڑھاؤنگا"
"اچھا تو اسوقت ہم اسکو بلواتے ہیں آج یہی سہی۔ کوئی ہے یہاں آؤ"
میر کلو کانپنے لگے اور ہاتھ جوڑ کر بولے "حضور میری عزت آپ ہی
کی دی ہوئی ہے مجھ سے عورت کے اوپر وار نہ ہو گا حضور میں ہار ہی
مانتا ہوں"
"ایک نوکر اندر آ گیا تھا اور نواب صاحب کے حکم کا منتظر تھا۔ اس سے
میر کلو بولے "ارے یہاں تم جاؤ کوئی کام نہیں ہے"
نوکر جانے لگا تو حضور نے کہا "نہیں ٹھہرو"
"میر کلو اور بھی کانپنے لگے اور گڑگڑا گڑگڑا کر کہنے لگے حضور میری خطا کو
معاف کر دیجئے"

نواب صاحب نوکر کی طرف متوجہ ہو کر بولے "دیکھو بوندی خانہ جاؤ وہاں کی دو، وغیرہ سے کہنا" اور یہ کہکر حضور رک گئے "

میر گگو نے دوہائی دی "حضور میں مارا۔ ابھی سے میری زمین پر چپت لگایا جاتا ہوں۔ خدا کے لئے آپ کو خون حسین کا واسطہ اسے نہ بلوائیے۔ میری ساری آپ کی دی ہوئی عزت خاک میں مل جائیگی میں عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا"

"اچھا خیر" نواب صاحب بولے "دیکھو اس سے یہ کہنا کہ نوبہار کو میں طلب کر رہا ہوں"

نوبہار کا نام سنتے ہی میر گگو کے دم میں دم آیا حضور قہقہا مار کر ہنسے اور سب مصاحبین بھی ان سے زیادہ ہنسے اور سب نے کہا "واہ حضور خوب مذاق کیا آپ نے۔ واہ واہ"

تھوڑی دیر کے بعد نوبہار خدا دین حاضر ہوئی۔ نواب صاحب کی اسکو دیکھ کر باچھیں کھل گئیں اور چہرہ پر رنگ دوڑ گیا، فرمایا "

"نوبہار تیرا کام یہاں کچھ زیادہ تو نہیں ہے"

"کیوں سرکار عالی جاہ"

"میرا مطلب یہ کہ اگر تجھ کو چند ماہ کے لیے۔ ہاں یہی دو تین مہینہ کی بات ہے کچھ زیادہ کام دے دیا جائے تو"

"تو کیا سرکار اگر زندگی بھر کے لیے کچھ زیادہ کام ہو تو کنیز کیا عذر ہو سکتا ہے"

"اگر کسی اور کی کچھ خدمت کرنے کو کہا جائے"

"جی سرکار آپ کے علاوہ"

"میرا مقصد یہ ہے کہ تو میری خدمت کرتی ہے۔ اگر خالی وقت میں محل خانہ کے اندر کچھ کام تجھ کو کرنے کے لیے کہا جائے تو"

"مجھے سرکار یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کس کا کام کرونگی"
"کس محل میں کسی بیگم کا؟"
"یوں تو جو آپ حکم دے دیں گے وہ میں مانوں گی مگر پھر بیگم صاحب کے یہاں
شاید میں کسی بیگم صاحب کی طبیعت کے موافق کام نہ کر سکوں"
"اچھا اگر تم کو بیگم نہیں کسی صاحبزادی کی خدمت میں رکھا جائے تو تم کس
صاحبزادی کو پسند کرو گی؟"
نوبہار کا چہرہ کچھ اور شگفتہ ہوا - ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلی آنکھیں کچھ اور
زیادہ چمکیں اور وہ کچھ دیر سوچ کر بولی
"حضور - صاحبزادی نگین آرا کی خدمت"
"واہ - - - بیا کہ خشت لبت را طلب کند النسیم"
"تو سچ حضور صاحبزادی میری خدمت چاہتی ہیں" اور اسکی آنکھیں
عجب نشیلے انداز سے چمکیں"
"اچھا تم اپنے خالی وقت میں صاحبزادی کے پاس رہنا بھی چاہے وہیں
رہا کرو"- - اور پھر نواب صاحب نے ذرا مسکرا کر کہا "اچھا نوبہار
اپنے دار دفعہ کو یہاں بھیج دینا"
"اے سرکار حضور حضور" میر کو ہاتھ جوڑ کر بولے
نوبہار کھکھلا کے ہنس پڑی اور اپنے زرد دوپٹہ میں اپنا منہ ڈھانک
لیا حضور بھی ہنسے "اچھا نوبہار تم چلو ہم رقعہ بھیجے دیتے ہیں"
"اللہ حضور جلدی بھیجئے گا"
"اچھا تو - اس قدر بے قرار ہے لو"
"اور نوبہار مسکراتی ہوئی - آنکھوں آنکھوں میں نواب صاحب سے کھلنڈری

(۳۵)

داروغہ بولی خانہ اپنے خاص انداز میں نوبہار سے کہہ رہی تھی "میں جب تک رقعہ نہ دیکھ لوں گی اجازت نہیں دے سکتی۔ آخر خالہ جی کا گھر ملنا کیا ہے تیرے لیے"

"تو اس میں دیر ہی کیا ہے۔ ابھی آ جا ہی ہو گا۔ منشی جی لکھ ہی رہے تھے"

"وہ تو جانے دے نا۔ بڑی آوارہ لڑکی ہے۔ مجھے اس محل میں چالیس برس ہو گئے ہزاروں لڑکیاں آئیں، چلی گئیں، مر گئیں کیسے کیسے معاملے ہوئے اور کیا کیا کچھ نہیں ہوا مگر تیری ایسی تیز لڑکی کہیں نہیں دیکھی اور میں پھر بھی تیری بات پہ مٹی ڈال دیتی ہوں۔ جہاں جا رہی ہے دل دن بھر کھٹکتی ہے"

"وہ تو میری تیری کا ہے کی ایسی خالہ جان اور میری تو آپ خالہ جان ہیں۔ میری خالہ جی کا نہیں آخالہ جان کا تو گھر ہے ہی"

داروغہ ہنس دی۔ نوبہار کی طرف پھر پیار اور کچھ طنز کی نگاہ سے دیکھا اور بولی "جب بڑے نواب عالم نے تجھے مانگا تھا تو ہم ہو گئی تھی۔ نواب صاحب سے کہہ کر حکم بدلوا دیا تھا۔ اور اب اتنی دیر صبر نہیں ہوتا"

"جی خالہ جان آپ ایسی باتیں نہ کیجیے۔ ماں مرے ہوئے کو جیسے آپ ہی تو میری ماں ہیں۔ بڑے نواب کے یہاں آپ کا ہی چاہتا تھا کہ میں

جاؤں سیج بنائیے اور صاحبزادی کی میں ہمیشہ سے پروانہ ہوں "

"اچھا یہ بات ہے "

"جی ہاں خالہ جان یہی بات تو ہے " نوبہار نے اپنی شیلی آنکھیں مٹکا کر کہا

"اتنے میں نواب صاحب کا ہرکارہ رقعہ لیکر بھی آگیا اور داروغہ کو دے دیا "

"اب آپ اسے عینک منگا کر پڑھتی رہیے گا۔ میں جاتی ہوں "

یہ کہا نوبہار خاص محل میں آئی۔ انجمن آرا اپنی چھپر کھٹ پہ بیٹھی تھی۔ نوبہار لگرپٹی کے پاس بیٹھ گئی اور بولی

"اے صاحبزادی صاحب مجھے آج کتنی خوشی ہے کیا بتاؤں "

"میں بھی بہت خوش ہوں کہ حضور پرنور دادا ابا نے مجھے مجھ کو دے دیا "

کچھ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انجمن آرا سے نوبہار نے کہا

"مجھے بڑا شوق ہے بیگم کہ آپ کی کوئی خدمت کروں "

"مگر تو میری خدمت کیا کرنا چاہتی ہے "

"جو آپ حکم دیں "

"اگر میں کہوں کہ تو آسمان سے تارے توڑ کر لا دے "

"آسمان کے تارے توڑ لانا کیا مشکل ہے میں تو اس فکر میں ہوں کہ آپ کا تارا لا کے آپ کے ہاتھ میں رکھ دوں "

انجمن آرا اٹھ بیٹھی اور بولی "انجمن تو یہ کیا کہتی ہے "

"جی میں سچ کہتی ہوں۔ میں دنیا کو الٹ کر آپ دونوں کو ملا دینا چاہتی ہوں "

"جی ہاں ۔ مجھے تو خواب میں بھی ایسی امید نہیں ہوئی تھی"

"آپ کیا کہتی ہیں ۔ ایک لمحہ میں دنیا بدل سکتی ہے میں نے
آپ کی منگنی کے دن نواب صاحب سے کہا کہ میری شہزادی کے لیئے دولہا
مناسب نہیں انکے لیئے کسی حسین لال شہزادے کی ضرورت ہے ۔ نواب
مجھ کو بکتی اور گدھی کہتے ہوئے آرام کرنے گئے ۔ ان کو تو اپنی وضع اور
اپنے خاندان کے قاعدوں پر چلنا آتا ہے ۔ خیر مجھے یہ یقین ہو گیا
کہ ان کی رائے کے خلاف ہی چل کر میرا کام بنے گا"

"مگر تجھے یہ سب کیوں سوجھی ہے"

"مجھے آپ دونوں سے بڑی محبت ہے اور بس"

"میں یہ نہیں جانتی تھی"

"آپ دونوں کس قدر خوبصورت ہیں ! انشاء اللہ میرا جی یہی چاہتا ہے
کہ جوڑا آپ دونوں کا ہو ۔ اگر حیدر نواب میرے ہوتے تو آپ کو دیتی اور
آپ میری ہوتیں تو آپکو نہیں دیتی ۔ حیدر نواب کسی عورت سے بات
نہیں کرتے سوائے میرے اور آپ کا راز بھی میں ہی جانتی ہوں ۔ مجھے رات
رات بھر فکر رہتی ہے کہ کون سی ترتیب ہو جو آپ دونوں کے قالب بھی
اسی طرح سے ایک کر دوں جیسے کہ آپ کی روحیں ہیں"

"میں نہیں سمجھتی تھی کہ تو مجھ سے اسقدر محبت کرتی ہے"

اسی دن رات کو آرام کرنے سے پیشتر نواب صاحب نے پوچھا

"تمھیں پا کے بہت خوش ہوئی ؟"

"بہت خوش ہوئیں حضور" "اور میں بھی بہت خوش ہوا ہوں"

"مگر میں سوچتا ہوں یہ ٹھیک نہیں کہ تمھیں مجھ سے ایسی محبت ہو گئی ہے"

سہ پہر کے وقت نواب صاحب چمن میں نہر کے پاس والے چبوترے پر تشریف رکھتے تھے جملہ مصاحبین کے علاوہ بڑے نواب عالم اور شہر کے چند معزز حضرات بھی موجود تھے حیدر نواب بیٹھے ہوئے آئے جھک کر سلام کیا اور عرض کی

"حضور امتحان میں نمبر اول پاس ہوا"

"اچھا، مجھے بہت خوشی ہوئی تمہاری محنت ٹھکانے لگی"

"ماشاءاللہ حیدر نواب اسی خوشخبری کا تو انتظار تھا مٹھائی کھلوائیے واقعی" میر گلو بولے

"ہم مٹھائی کھلوائیں گے منشی جی حکم ہے داروغہ مطبخ کے نام کہ تمام عملے کو مٹھائی تقسیم کرانے کا انتظام کیا جائے" نواب صاحب نے فرمایا

"بڑے نواب عالم بولے "میاں حیدر بہت خوشی ہوئی، شمو رحیم تو ہم سے چھوٹے تھے" اور تم تو کبھی ہماری طرف جھانکتے بھی نہیں خیر ہم بہت خوش ہوئے"

"حضور بڑے بھائی صاحب یہ سب آپ ہی لوگوں کے کرم و عنایت اور دعاؤں کا طفیل ہے"

"آئیں، یہ طفیل کون ہے" میر گلو چونک کر بولے

"طفیل کا کیا ذکر"

"آپ ہی نے تو کہا طفیل ہے"

"واہ میر کلو وا، طفیل ور تو فیل آپ کے مذاق میں اب وہ برائی آ ہی نہیں سکتی"۔ حیدر نواب نے کہا
نواب صاحب کے پاس ایک صاحب تشریف رکھتے تھے انہوں نے
کہا "آپ انکو کسی بڑے انگریزی عہدہ پر ضرور بھیجیں"۔
"نہیں بھائی میرے یہاں کسی نے ابھی تک نوکری نہیں کی ہے اور
پھر انگریزی ۔۔ صاحب یہ نہ ہوگا"
"مگر حضور عالیجاہ اگر وہ خود ہم کو آپ سے مانگیں تو"
"ہم صاف انکار کر دینگے، کہدینگے کہ نوکری کرنا ہمارے یہاں عیب ہے"
"مگر سرکار اب تو انگریز بادشاہ ہے اگر بگڑ گیا تو" میر کلو بولے۔
"پھر بھی ہم اپنے گھر کی رسم توڑنے کے لیے نہیں تیار ہیں"
"اے حضور والا جاہ وہ یہ نہ کہے گا کہ حیدر نواب کو جب سکول بھیجا تھا تو رسم
نہیں ٹوٹی تھی اب نوکری پر بھی بھیجا ہوگا۔ آخر کوئی ایسا ویسا تو وہ ہے نہیں
انگریز ہے انگریز۔ بھلا دنیا میں اس سے کون جیتے گا حضور"
"ہاں اگر اسنے زبردستی کی تو مجبوری ہے مگر مجھے نوکری ناپسند ہے۔ کیوں
حیدر تمہاری کیا رائے ہے"
"میری وہی ۔ اے جو حضور کی ، خدا آپ کو میرے سر پر ہمیشہ کے لئے
سلامت رکھے مجھے نوکری کی کوئی ضرورت نہیں"
"خیر ابھی یہ سب پیش از مرگ واویلا ہے"
حیدر نواب نواب صاحب کی خدمت میں حاضر رہے، ادھر پورے محل
میں یہ خبر پہنچ گئی کہ حیدر علی خان کو سرکار انگریزی سے بڑا اونچا عہدہ دیا ہے
اب وہ شہر کے بڑے آدمی ہوگئے، کمپنی بہادر کے اعلےٰ عہدہ داروں میں
ہیں پورا لکھنؤ انکے انتظام میں ہوگا وہ جو چاہیں کریں

محلات کے اندر بھی یہ خبر پہونچی، بڑے محل میں بڑی بیگم صاحب نے صاحب سے کہا،
"وہ چھوٹے بھیا کا لڑکا لفٹننٹ ہوگیا، اچھا ہی ہوا، کیا سہارا تھا اسکا، خدا سلامت رکھے میرے سہاگ کو"
"مگر" بڑی بہو صاحب نے کہا، "یہ کریگا کیا اب مجھے تو اپنے باپ کی طرح سڑی سا معلوم ہوتا ہے"
"ارے جیسے بڑی بھابی سڑی وڑی کچھ بھی نہیں ہے میرے یہاں تو ابھی کل تک آتا تھا، اور اب تو اچھا جوان نکلا ہے" چھوٹی بہو بولیں
منجھلی بیگم صاحب کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کی بھتیجی کے ساتھ اختر حیدر نواب کی شادی ٹھہری تھی ہی اور نواب صاحب نے سب معاملات ٹھیک ہی کر دیے تھے صرف تاریخ مقرر ہونا باقی تھی بیگم اپنی مغلانی سے بولیں
"دیکھیے ہماری لڑکی کی قسمت ہمیشہ عورت کا پیرا دیکھا جاتا ہے، اس کے ساتھ شادی ہونے والی ہے نا اور وہ اعلیٰ عہدہ پر پہونچا"
"جی ہاں ہماری صاحبزادی ہی کے نصیب کا اثر ہے نہیں تو ہوتے اس عہدہ پر"
"میں سوچتی ہوں کہ نواب صاحب کو بلا کر شادی کی تاریخ طے کرا لوں"
"ٹھیک تو ہے سرکار، مگر وہ حیدر نواب کی والدہ نے کہلا نہیں بھیجا تھا کہ ادھر نہ معلوم لڑکے کو کیا کیا کام ہیں مجھے تو یاد بھی نہیں رہتا ہے گا تو اسی لیے محرم کے بعد وہ خود آکر تاریخ مقرر کرائیں گی استخارہ دکھا کے"
"ہاں مجھے یاد آیا تم سچ کہتی ہو" خیر ان کی ماں کو مبارکباد تو بھجوا ہی دو"
، نواب صاحب کے پاس رقعے لے جانے والے جانے لگے، اس لیے نواب

صاحب بھی ساتھ اٹھے اور بارہ دری کے چبوترے پر سے
حیدر علی خاں اپنے گھر کی طرف جانے لگے تو راستے میں ہر نوکر نے سلام
کیا۔ کوئی کہتا "حضور مبارک ہو آپ لاٹ ہو گئے"۔ کوئی "حضور مبارک
ہو آپ گوڈر ہو گیے"۔ کوئی "آپ ڈپٹی ہو گیے" کوئی "آپ تحصیلدار ہو گیے"
کوئی "ہو آپ تھانیدار ہو گیے"۔ غرضکہ ہر شخص اپنے خیال کے حساب سے
بہترین نوکری پر ان کو فائض کرتا تھا۔ حیدر نواب ہر ایک سے کہتے
"نہیں بھئی ابھی میں پاس ہی ہوا ہوں نوکری تو آگے کی بات ہے"
"حیدر نواب اپنی والدہ کے پاس آیے اور ان کو اپنے پاس ہونے
کا حال بتایا۔ ماں بہت خوش ہوئیں۔ ان کا سر اپنے سینہ سے لگایا اور منہہ پر
پیار کیے اور بولیں"
"اب بیٹے نوکری کب ہوگی"
"حضور ابا جان تو نوکری کو منع کرتے ہیں"
"ہو سو تم وہ اپنے یوں ہی منصوبے گانٹھا کرتے ہیں۔ تمھیں نوکری ہی
کرنا ہے اب بڑے نواب کے ٹکروں پر پڑے رہوگے وثیقہ تو بھائی صاحب سے
شروع ہوا ہے۔ ان کے لڑکوں پر جائیگا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے دنیا بدلے
ہی گی نہیں۔ اور تمہارے باپ کی وصیت بھلی لگتی"
"نوکری کے لیے کچھ کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے پرنسپل کی
تو سفارش مل جائے گی۔ ڈپٹی کمشنر وغیرہ کی بھی"
"تو تم آج ہی سے کوشش شروع کر دو"
حیدر نواب باہر کے برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گیے اتنے میں
ڈیوڑھی سے کسی کے آنے کی چاپ سنائی دی۔ انھوں نے منہ اٹھا کر دیکھا

تو نو بہار آ رہی تھی مسکراتی ہوئی اور اسکی آنکھوں میں ایک نئی دنیا کھیل رہی تھی، وہ پاس آکر بولی"

"مبارک ہو آپ کو میری طرف سے اور ان کی طرف سے"

"وہ خوش ہوئیں"

"ان کی خوشی کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور میری خوشی کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے"

"ان سے کہدینا کہ مجھے اب خوشی ہوئی کیونکہ تم خوش ہوئیں"

"مجھے خوشی یہ ہے کہ ہمارا کام نکلنے میں آسانی ہوگی"

"تیرا کام"

"اچھا یہ بتائیے کہ آپ کا عہدہ کیا ہے اور آپ کے سپرد کیسا انتظام ہوگا"

"ارے ابھی عہدہ وہدہ کوئی نہیں ملا ہے، ابھی بی اے کا امتحان پاس ہوا ہوں۔ یہ لوگ نہ معلوم کیا کیا اڑاتے پھرتے ہیں"

"تو پھر آپ کو مل کیا گیا جس کی دھوم مچی ہوئی ہے"

"میں نے امتحان پاس کیا۔ اس سے میں سرکاری نوکری کے قابل سمجھا جا سکتا ہوں اگر میں چاہوں تو نوکری کروں اور نہ چاہوں تو نہ کروں"

"آپ کرنا چاہتے ہیں کہ نہیں"

"والدہ کی تو رائے ہے کہ میں نوکری کروں ضرور مگر نواب صاحب کی رائے نہیں ملے"

"مگر آپ خود کی کیا رائے ہے"

"مجھ دل شکستہ کی کیا ردے ۔ جب وہی اپنی نہیں جس کو دل چاہتا ہے تو کیا زندگی کیا نوکری ۔ کیا آرام ۔ میں چاہتا ہوں میں اس وقت بہت خوش ہوں ، مجھے ایک انگریزی شاعر کے اشعار یاد آرہے ہیں ، مطلب یہ ہے کہ شاعر شہرت کو متوجہ کرکے کہتا ہے کہ اگر میں تجھے کسی وجہ سے اچھا سمجھتا ہوں تو وہ یہ وجہ ہے کہ میری شہرت سے میری معشوق خوش ہو کہ مجھے عشق کا اہل سمجھی ہے"

"تو اچھا بیگم کی خوشی سے آپ کی خوشی ہے ، مگر آپ چاہتے کیا ہیں ۔ آپ کہتے کہتے بدل گئے"

"میں چاہتا ہوں کہ اس وقت خوشی کے عالم میں ختم ہو جاؤں بقول ایک دوسرے انگریزی شاعر کے"

"اے ہٹیے نواب ایسی باتیں نہ کیا کیجیے یہ باتیں کیسی کرنے لگے آپ"

"تو تمہارا کیا بتاؤں ۔ غالب نے کہا ہے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے"

"واہ جیسے آپ ہی تو بڑا سے عاشق ہیں دنیا سے"

"اور میں کیا کر سکتا ہوں"

"آپ نوکری ضرور کیجیے ۔ عمدہ اونچا عہدہ اور دو تین مہینہ ہی میں مل جائے ، موقع ہے آپ کا عمدہ بڑھے گا ہم آپ کو گا"

"آخر نوکر ہی کیا چاہتی ہے"

"ابھی تک یہ نہیں بتا سکتی کہ کیا کروں گی آپ نوکری کی کوشش

کریں"

"میں کوشش شروع ہی کرنے والا ہوں ایک بڑی دعوت انگریزوں کو دونگا اور پھر سب ٹھیک ہو جائیگا"

"یہ بات آپ نے کی خوش ہونے کی ہیں ان سے یہ سب کہدونگی"

(۴۷)

"واقعی اتنی دیر کردی۔ آنے میں جلدی"

"بھائی صاحب سب میں پہلے حضور والا کو یہ خبر سنانا ضروری تھی اور وہاں آپ جانیئے جب بیٹھے تو بیٹھے"

"ارے وہاں سے اٹھ کر یہاں آئے"

"میں نے کہا کہ گھر میں کپڑے اتار کر اطمینان سے چلونگا اور بھائی صاحب وہاں کالج کے دفتر کے سامنے انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ پھر حضور والا کے پاس بیٹھا بیٹھنا ہی پڑ گیا اور حضور والا بھائی صاحب والدہ نے بلوالیا۔ اس لیے اب آپ تک پہنچنے میں دیر ہوئی۔ آپ میرے والد کی جگہ ہیں اور آپ کی شفقت واللہ حضور والا سے زیادہ ہے"

"اس نے تو اب [illegible] لڑکے تو اب سے آ کر [illegible] گلے نے کہا کہ آپ نہیں معلوم کیا [illegible] معلوم کیا مقرر ہوئے ہیں بھیا ان کے نواب ایسے [illegible] ہو گئے کیا احسن" امراؤ جان نے کہا"

"میرے لیے بھائی صاحب سے زیادہ خوش ہونے والا واللہ دنیا میں کوئی نہیں"

"خیر واللہ یہ سب بہت ٹھیک ہوا، خدا کا بہت بہت شکر ہے تم میرے بچے ہو میں تم میں اور اپنی لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں کرتا، لڑکا خدا نے مجھے دیا نہیں واللہ تم میرے لڑکے ہو تمہاری، پیدائش کے وقت عکوسے میں نے کہا تھا کہ مجھے یہ لڑکا دید یجیے۔ انھوں نے کہا کہ ابھی تمہارے یہاں بھی ہوگا۔ اسکے کئی برس کے بعد انجو پیدا ہوئی وہ بھی لڑکی اور اب کوئی بچہ تو ہوگا نہیں بیگم سے۔ بابا ں۔ تم میرے بچے ہو"

"تو نواب ایک جلسہ ہونا چاہیے" دلبر باجان نے کہا

"واللہ جلسہ ہوگا ضرور گا۔ اور ایک مجلس بھی ہوگی"

"بھائی صاحب یہ نوکری کے معاملات سب اچھی طرح طے ہو جانے دیجئے پھر جلسہ اور مجلس کیجیے"

"کیوں کیوں تم اب پاس ہو، نوکری تمہاری جوتیوں سے لگی ہے ارے حکم کسی دن آ ہی جائیگا واللہ"

"بھائی صاحب ابھی حکم آنے کے لیے ایک دعوت ضروری ہے"

"واللہ وہ دعوت میں ہی کرونگا۔ تم رقعہ انگریزی میں لکھ لانا اور میں دستخط کرونگا جیسے تمہاری تمام عرضیوں پر کرتا تھا"

"لیکن اگر حضور ابا بھی دعوت میں موجود رہیں تو اچھا ہی ہوگا"

"بھی واللہ وہ انگریزوں کے ساتھ نہیں کھائیں گے"

"وہ کھانا نہ کھائیں موجود رہیں"

"اس پہ تو وہ راضی ہو جائیں گے ترکیب تم ہی کوئی سوچو

مجھ سے تو وہ فرنٹ رہتے ہیں، تم جانتے ہو یہ ہمارے بڑے بھیا صاحب قبلہ کے گن ہیں میرے خلاف ہمیشہ بھڑ تا رہتا ہے یہ شخص ،، ارے بھئی اس دن بڑے دکھوڑے والے دن اکھوڑے کے تم تو چلے گئے واللہ اور مجھے حضور ابا ایسا گھورتے رہے جیسے کہ کھا جائیں گے، بھئی مجھے یہ شادی بالکل ناپسند ہے قسم جناب امیر کی میں نہیں چاہتا وہاں شادی ہو،،

،، مگر نواب آپ کا بس ہی کیا ہے، نواب صاحب کے سامنے،، امراؤ جان نے کہا۔

،، کیا کہوں قسم قران مجید کی ان بڑے میاں کے سامنے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، وہ جو جی چاہیں کر جائیں میں ٹکر ٹکر دیدم دم تر کشیدم، یہی مضمون ہوتا ہے واللہ،، خیر کچھ نہیں میاں حیدر اب تم ڈپٹی کمشنر ہو جاؤ گے، تو میں حضور ابا سے لڑوں گا اک دن، زیادہ سے زیادہ نکال ہی تو دیں گے میں تمہارے یہاں آکر رہوں گا، کیوں بیٹے،،

،، حضور آپ کی خدمت میرے لئے فخر ہو گی مجھے کتنی خوشی ہو گی جب آپ میرے گھر آکر رہیں گے، اس بات کے خیال ہی سے میں پھولے نہیں سماتا،،

،، اور بھائی یہ امراؤ جان اور دلربا جاں ہمارے دم کے ساتھ ہیں ان کا کچھ خرچہ زیادہ تو نہیں پڑ جائیگا،،

،، اے حضور انگریزی نوکروں کے یہاں تو فرش کے نیچے روپئے بچھے ہوتے ہیں، کمی کاہے کی ہو گی حیدر نواب کو،، دلربا نے کہا

،، حضور آپ ایسی قیمتی ہستیاں کہیں ملتی ہیں، آپ کی ہر خدمت میں مجھے عین خوشی ہو گی،،

"خیر یہ سب آگے کی باتیں ہیں، تم والشُد دعوت کا انتظام کرو"

حیدر نواب وہاں سے اٹھ کر بارہ دری کی طرف آ گئے، نواب صاحب نماز کے تخت پر تشریف لا چکے تھے۔ حیدر علی خاں لپکتے ہوئے پہونچے اور عرض کی"

"حضور ابا جان ایک عرض ہے"

"کیا ہے، کہو"

"کوئی ایسی بات نہیں پھر بھی نئی بات ہے"

"تم ڈرو نہیں کہہ ڈالو"

"بات یہ ہوئی حضور کہ کلب کے سب انگریز کہتے ہیں کہ ہم دعوت لیں گے"

"تو یہ کیا، دعوت کا انتظام ہو جائیگا"

"یہ تو ٹھیک ہے حضور مگر وہ سب انگریز ہیں اور ۔ ۔ ۔"

"تو تم انگریزی دعوت کا انتظام کرو اور ہم سب صرف دیں گے"

"یہ سب تو ہو جائیگا حضور ابا جان، بڑی مشکل تو یہ ہے کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ یہاں ہو"

"خیر بارہ دری میں میز کرسی کا انتظام کر دینا تم، یہ کیا بات ہے"

"سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ لوگ بغیر آپ کی شرکت کے کھانا کھانے کو تیار نہ ہونگے"

"میں میں ان کے ساتھ کیسے کھاؤنگا"

"وہ لوگ بضد ہیں کہ آپ کی شرکت کے بغیر دعوت بے لطف ہوگی"

"تو بیٹے میں کرسی پہ بیٹھ کر چھری کانٹے سے کیسے کھاؤں گا۔" نواب صاحب

مسکرائے اور پھر فرمایا "اور پھر انگریزی کھانا لاحول ولا قوۃ الا باللہ"
"آپ نوش نہ فرمایئے گا، فقط تشریف رکھ لیجیے گا ساتھ ان کے اور وہ لوگ کھاتے رہیں گے، میں ان کو سمجھا لونگا"
"ہاں ہاں یہ میں کر دونگا، اور ہوگا کب"
"کل رات میں حضور یا پرسوں"
"اچھا"

(۴۸)

بڑے نواب عالم اپنے دیوان خانہ میں تشریف رکھے تھے اور ان کے مصاحبین ان کے پاس بیٹھے تھے میر کلو آئے، صاحب سلامت کے بعد میر کلو بیٹھے اور بولے
"آج نواب آپ نے سُنا بڑے انتظام ہیں"
"کیا میر صاحب؟"
"ابھی حضور عالی جاہ نے حکم فرمایا کہ بارہ دری میں سے فرش فروش ہٹوا کر میز کرسی کا انتظام ہونا چاہیے اور سامنے کے چبوترے پر وہ بڑا نمگیرہ سے نہیں وہ لگا دیا جائے اور اس کے نیچے انگریزی کوچ وہ بچھے ہوں یہ سب انتظام حیدر نواب کے سپرد کر دیا گیا ہے اور حیدر نواب سب انتظام کرا رہے ہیں"
"اچھا" اور تھوڑی دیر تک بڑے نواب خاموش رہے پھر بولے

"بھائی اب تو بڑا آدمی حیدر رہے حیدر، وہی نواب کہلائیگا، ہم لوگ تو ختم من ختم"

"ارے کیوں نواب دشمنوں کے کان بہرے یہ ناامیدی کیوں"

"ارے بھئی میر صاحب حضور اباجان تک خبر نہ پہنچنے پائے کہیں ہماری وضعداری یہ ہے کہ اپنی عیب پوشی کریں اور اپنے کو بڑھا کے دکھائیں مگر میں تو سب حالت جانتا ہوں یہاں تو ڈھول کے اندر خول ہے بالکل حضور ابا کے اخراجات میں آن بان میں وضع میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا اور آمدنی ایک تو خرچہ پانچ اور اکثر تو ٹوٹا نے کی کوئی حد ہی نہیں ہوتی بس اب کیا کہیں"

"خدا سلامت رکھے ہمارے عالیجاہ کو اور بعد کو وثیقہ بھی تو ہے"

"اسکے بھی ہزار ٹکڑے ہو جائیں گے بھائی، یہ سب انتظامات ختم سب الگ الگ ہو جائیں گے، یہ محل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا"

"مگر حیدر نواب پھر بھی نوکر ہونگے اور نواب، دولت سے غیر تفو کو فرکت نہیں ملتی" میر کلو بولے

"نوکر، وہ بادشاہ کا نوکر۔ شہر بھر اس سے کانپے گا، اور ہم لوگ بھی تو آخر اس بادشاہ کی خیرات کھاتے ہین"

"خیرات کیوں نواب آپ کا روپیہ ملک نہیں لیا کمپنی بہادر نے جن کی صاحبزادی اب ملکہ ہین"

"یہ سب فضول کی باتین ہیں۔ یہ بھی ان کی عنایت ہے کہ ہمیں مانتے تو ہیں اور اگر وہ نہ دیں ہمیں کچھ"

"کہیں مجال پڑی ہے"

"واہ مجال کی بھی آپ نے خوب کہی، ملک لینے کی مجال تھی ارادہ کی نہیں، ارے بھائی یہ انگریز تو بڑی رحمدل قوم ہے کبھی کسی بادشاہ نے فتح کرنے کے بعد پہلے بادشاہ کی کسی اولاد کو کچھ دیا ہو تو بتاؤ، تاریخ شاہد ہے کہ غلام تھے اور نہ معلوم کیا کیا ہوا یا تھا، بس بیٹھے بٹھائے بھی رہیے"

تھوڑی دیر تک سب خاموش بیٹھے رہے، بڑے نواب عالم حقہ پیتے رہے، ان کی رنڈی نے پان کی گلوریاں منہ میں ان کے رکھ دیں، وہ کچھ فکرمند صورت بنائے رہے، پھر بولے

"اونھ، لاحول ولا قوۃ، کیا کیا حرکتیں ہیں، کیا کہا جائے"

"کیا کہیں سرکار بس لبوں پہ مہر خاموشی" ایک مصاحب نے کہا

"یہ گورنر جنرل بہادر کا اسی قلعہ میں آنا ......" میر کلو کہتے ہی کو تھے کہ بڑے نواب نے بات کاٹ دی

"گورنر جنرل ہونھ۔ ہونھ خوب، کلکتہ سے گورنر جنرل آئیں گے یہاں یہی کوئی معمولی ڈپٹی کمشنر، کلکٹر، دلکٹر آتا ہوگا"

"اے نواب ہمارے حساب تو کمشنر ہو، لفٹنٹ ہو، انجینیر ہو سب گورنر جنرل ہی ہیں۔ بادشاہ کی وہ تو بہ لحاظ کی قوم کے لوگ ہیں اور سب کمپنی بہادر آنجہانی کے خاندان کے" میر کلو بولے

"ہونھ، ہونھ آپ نہ معلوم کہاں کی کہاں لے گئے میاں میر کلو میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی آئے، آپ کی اس انتظام کے بارے میں کیا رائے ہے"

"اے حضور انتظام تو خوب ہو رہا ہے آخر حمید نواب انتظام کر رہے ہیں، انگریزی تعلیم یافتہ اور انگریزوں کی دعوت کا انتظام، خوب

ہو رہا ہے، نواب"

"تو تم کو پسند ہے یہ سب"

"جی ہاں، کیوں نہیں، میں تو انگریزوں کی صحبت اٹھائے ہوئے ہوں"

"لاحول ولا قوۃ آپ جائیے مجھے آپ سے بات نہیں کرنا ہے"

"میرا مطلب نواب آپ نہیں سمجھے، میں یہ سب طنز اً کہہ رہا تھا

حیدر نواب گاڈ سیو دی کوئین پڑھنا چاہیں انتظام کیا کریں گے کھانے"

"میر کلو صاحب حیدر نواب کے سامنے بھی یوں ہی کہہ دیجیے گا"

ایک مصاحب نے کہا

"تو آپ سمجھتے ہیں کہ میں ڈرتا ہوں، میں بس خدا کی ذات سے

ڈرتا ہوں، اور ہمارے خداوند نواب صاحب قبلہ میں ان کی بھی کبھی خوشامد

نہیں کی واللہ"

"خیر یہ سب باتیں جانے دو، میرا مطلب یہ ہے کہ انگریزوں کو گھر پہ

بلانا اور ان کے ساتھ کھانا کھانا کہاں تک جائز ہے؟"

"سرکار سراسر ناجائز ہے مگر کون کہے" اور پھر ذرا اکڑ کر بولے

"میں تو بہہ دونگا چاہے گردن کٹ جایے"

"ابا جان کو بھی میں کہتا ہوں، بڑھاپے میں کیا کیا باتیں سوجھ

رہی ہیں"

"نواب میں تو ابھی جا کر کہتا مگر۔۔۔ بہتر یہ ہوگا کہ مولوی باقر صاحب

کو بلوا لیجیے اور وہ جا کر کہیں میں بھی ہاں میں ہاں ملاتا جاؤنگا"

تھوڑی دیر میں ایک نوکر جا کر مولوی باقر کو بلا لایا اور ان سے بڑے

نواب نے کہا

"مولوی صاحب قبلہ، حضور راجا جان جو آج انگریزوں کی دعوت کر رہے ہیں تو یہ جائز ہے شرع سے؟"

مولانا نے غور سے بڑے نواب کو دیکھا اور بولے "سراسر ناجائز کیونکہ انگریز نجس محض ہیں اور کھانا بھی غیر ذبیحہ ہوگا۔"

"تو پھر آپ منع کیوں نہیں کرتے جا کر حضور راجا جان کو اور یہ میر کلو بھی آپ کے ساتھ ساتھ جائیں گے۔"

"مولوی باقر اور میر کلو نواب صاحب کی نشست میں پہنچے اور داہنے طرف کے تخت پر بیٹھ گئے، نواب صاحب نے فرمایا"

"بہت خوب تشریف لائے مولانا میں آپ کو بلوانے والا ہی تھا"

"جی سرکار حکم"

"مجھے ایک مسئلہ میں آپ کی رائے لینا تھی، عیسائی لوگ تو صاحب کتاب ہیں"

"ان پر انجیل نازل ہوئی۔"

"تو پھر اگر ایک مسلم ایک عیسائی کے ساتھ شادی کر لے تو"

"جائز ہوگی، ایسا ہوتا رہا ہے"

"اور ان کے ساتھ کھانا"

"ان کے یہاں کے کھانے پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ جانور ذبیحہ ہونے کا امکان نہیں"

"مگر یہاں تو سب مسلمان خانساماں چیزیں لگاتے ہیں اور پھر تاکید کر دی جائیگی کہ جانور ذبح کیے جائیں"

"اگر یہ یقین ہو کہ کھانا تمام تر مسلمان کا تیار کردہ ہے تو پھر کھانے میں

کوئی ہرج نہیں ،،

میر کلو بولے ،، جی حضور والا میں اپنے صاحب بہادر دوست کے یہاں کی چیزیں کھاتا ہوں بس اسی لیے کہ ان کے یہاں سب نوکر مسلمان ہیں اور شیعہ مذہب ہیں "

،، مگر آپ تو مٹھائیاں چکھتے ہونگے ،، ایک مصاحب نے کہا

،، تو کیا ، مٹھائی اور کھانا ایک ہی چیز ، کھانا تو دونوں کو چاہئے ،، مٹھائی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ،، میر عنایت حسین نے

،، میر کلو ذرا چکرا کر بولے ،، مقصد کو کھانے سے تھا ، آپ بھی کہاں کی کہاں لے جاتے ہیں "

نواب صاحب بولے ،، مولانا مجھے ان کا کھانا بھائیگا نہیں اور نہ میں ایک انگلی چکھوں گا ہی ، مگر بڑے لوگ آرہے ہیں ، سلطنت کے اراکین ہیں ، میرے گھر آرہے ہیں ، ولایت میں جاکر مجھے کیا کہیں گے اگر میں دعوت میں شریک ہوں یہ تو بدتمیزی ہوئی اور یہاں سے ولایت تک بدنامی ،،

،، جی ہاں سرکار یہ بات تو ہے ملکہ وکٹوریہ تک کمپنی بہادر تک بھی ہوگی سبھی ان لوگوں کی ضرور وہ کہیں گی کہ لکھنؤ کے رئیس مہمان نواز نہیں ، بڑی بدنامی ہے سرکار جی ہاں ،،

،، بالکل بجا ہے پیر و مرشد ، آپ نے جب مدعو فرمایا ہے تو شریک ہونا ایک حد تک لازم ٹھہرتا ہے اور شرعاً کوئی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا ،،

مولوی باقر اور میر کلو آئے تھے نواب صاحب کی رائے تبدیل

کرا دینے کے لیے مگر یہاں آکر بالکل اسی طرح نواب صاحب کی ہاں میں ہاں ملانے لگے جیسے کہ انہوں نے بڑے نواب کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ جب یہ دونوں بڑے نواب کے یہاں واپس آئے تو مولوی صاحب نے کہا،

"نواب ہم لوگ تھک گئے سمجھاتے سمجھاتے حضور کسی طرح نہیں مانتے، نہ ہاری مانتے ہیں اور نہ جیتی"

"نہیں نواب، ہاری تو مانتے ہی نہیں جیتی ہی جیتی مانتے چلے جا رہے ہیں" میر کلو بولے

(۴۹)

شام کے سات بجے سب انتظام درست تھا۔ بارہ دری کے سامنے والے چبوترے پر شامیانہ ایستادہ تھا، اس کے نیچے انگریزی صوفے اور ان کے ساتھ کی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں فرش برف سے ٹھنڈا کیا گیا تھا اور کیوڑے گلاب سے مہکایا گیا تھا۔ بارہ دری کے اندر تمام جھاڑ فانوس قندیلیں اور لیمپ روشن تھے۔ بیچوں بیچ میں ایک لمبی میز پڑی تھی اور اس کے چاروں طرف کرسیاں بچھی تھیں۔ بہت سے آدمی پنکھے لیے ہوئے موجود تھے"

"ٹھیک آٹھ بجے کھلی ہوئی وکٹوریہ گاڑیوں میں انگریز آنا شروع ہوئے، حیدر علی خاں انگریزی ڈریس سوٹ پہنے بارہ دری کے زینوں پر کھڑے تھے، وہ ہر ایک کا خیر مقدم کرتے اور ساتھ ٹہلتے ہوئے لا کر نواب

صاحب سے تعارف کراتے، نواب صاحب تاج سر پر لگائے کارچوبی اچکن اور مشروع کا پاجامہ پہنے ہوئے ایک کوچ پر تشریف فرما تھے

بیرے لوگ گلاس، بوتلیں وغیرہ کشتیوں میں لگائے ہوئے پھر رہے تھے اور ہر صاحب کی تواضع کر رہے تھے جب سب آکر بیٹھ گئے تو حیدر نواب نے نواب صاحب سے کہا

"حضور اب تشریف لے چلیں"

"نواب صاحب نے سب سے کہا

"آپ لوگ تشریف لائیں خاصہ حاضر ہے"

حیدر نواب نے انگریزی زبان میں سب لوگوں سے چلنے کے لیے کہا

کھانے کی میز پر نواب صاحب صدر نشیں ہوئے انکے داہنے اور اے جی جی، بائیں بیٹھے حیدر نواب ذرا دور پر بیٹھے کھانے کے کورس شروع ہو گئے، سات کورس تھے اس لیے کافی دیر لگی درمیان میں باتیں بھی ہوتی رہیں۔

سب انگریز ہندوستانی میں باتیں کر سکتے تھے مگر نواب صاحب کی شستہ اور بامحاورہ اردو کہیں کہیں ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی تو حیدر نواب کو ترجمانی کرنا پڑتی، اسی طرح انگریزوں کی الجھی ہوئی بات چیت جب نواب صاحب نہ سمجھ پاتے تو کہتے "کیا مطلب ہے حیدر" اور حیدر نواب اس بات کو سمجھا دیتے، باتیں متعدد قسم کی ہوتی رہیں مگر کام کی باتیں کچھ حسب ذیل طرح پر ہوئیں"

"آپ انتظامی عہدوں پر ہمارے یہاں کے لڑکوں کو بھی مقرر فرماتے ہیں"
"اس سے بہتر کیا ہو سکتا نواب صاحب، آپ اپنے ملک کا گورنمنٹ
خود کریں"
"آپ ہمارے حیدر کو لینا چاہتے ہیں"
"آپ کا اجازت"
"اور اگر ہم نہ چاہیں تو زبردستی کریں گے آپ"
"مگر آپ کیوں نہ چاہیں اچھا بات اپکا نیو ڈبرا او دے گا"
"تو آپ ان کو کیا عہدہ دیں گے"
"ہم اسی کو ڈپٹی کلکٹر نومینیٹ کرے گا اور یہ اپوائنٹ ہو جائیگا" کمشنر نے کہا
دوسری طرف آئی جی نے کہا "نواب صاب اسکو ہم ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ
بنائے گا، یہ اچھا جوان ہوتا مانگتا کام خوب کر سکتا پولیس والا
اچھا باڈی، اچھا گورا چہرا، ہم کو بہت اپنا لگتا، آپ اسکو پولیس دو"
"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا، آپ حضرات، جو جی چاہیں کریں،
حیدر سے بھی پوچھ لیں"
حیدر نواب نے اردو میں کہا "میں حضور ابا جان کی اجازت کے
بغیر کوئی قدم آگے نہ بڑھاؤں گا جو حضور کی رائے وہ میری رائے" اور پھر انگریزی
میں کہا "مجھے پولیس کی نوکری پسند ہے اور میرے چچا بھی اسی کو ترجیح دیں گے"
"ہم اسکو اپنا ڈپارٹمنٹ میں لے گا" آئی جی نے کہا
"ہم اس کا راجا رپورٹ بھیجے گا" کمشنر نے کہا
"نواب صاب ہمارا تو یہ ارادہ ہے اے ایس پی، اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس
ہم اس کا نوٹ میں اس کو اپنا پرسنل فرنڈ لکھے گا" ڈپٹی کمشنر

نے کہا،،

اسکے بعد سب لوگ آکر سنگھیرے کے نیچے بیٹھے، مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں اور آخر کار سب رخصت ہو ہو کر چلے گئے

نواب صاحب آرام گاہ میں پہنچے، رات کافی جا چکی تھی، نوبہار آرام گاہ میں بیٹھی جھاڑ کی روشنی میں ایک کتاب دیکھ رہی تھی مگر حضور کی چاپ پاتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"اف فوہ حضور آج بڑی دیر ہو گئی"

"مجھے بڑی بھوک لگی ہے نوبہار،، داروغہ باورچی خانہ ایک خوان خاصہ تیار لیے ہوئے منتظر ہی تھے، نواب صاحب نے کپڑے وغیرہ اتار کر خاصہ تناول فرمایا چبوترے پر کچھ دیر ٹہلے پھر چھپر کھٹ پر آ کر لیٹ گئے اور نوبہار سے بولے،

"نوبہار میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا"

"مگر دعوت تو خوب رہی سرکار، ان مردوے انگریزوں کو بھی آج معلوم ہو گیا ہوگا، آنکھیں کھل گئی ہونگی"

"کیا کوئی خاص بات تھی دعوت میں؟"

"حیدر نواب ہی حیدر نواب دکھائی دے رہے تھے، ادھر کے پردے سے میں نے کئی دفعہ جھانک کر دیکھا"

"حیدر ماشاءاللہ جچ رہا تھا انگریزی کپڑوں میں"

"مگر تمہاری صاحبزادی سے زیادہ کوئی نہیں جچتا، وہ تو قیامت ہی قیامت"

"اور تو کیا قیامت سے کم ہے"

"آپ کو تو حضور ایسی ہی باتیں آتی ہیں" اور اس نے اپنے سر پر آنچل ڈال لیا

"مجھے تو تجھ سے اچھا دنیا میں کوئی نہیں لگتا، تیرا حسن اک دریا ہے سیری ہی نہیں ہوتی"

"مگر کہاں میں لونڈی کیا معلوم کون قوم اور آپ خاندانی نواب زر لبفت پر گاڑھے کا پیوند معلوم ہوتی ہوں"

"ہاں، میرا اور تیرا کسی طرح جوڑ نہیں ہے"

"اور ہماری صاحبزادی کا اور سکندر نواب کا جوڑ ہے"

"پھر تو اسی بات پر آئی"

"میں کیا کروں مجھے تو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا یہ رشتہ"

"ارے پگلی، شادی کے سلسلہ میں کہیں یہ بات دیکھی جاتی ہے اچھا اگر تیری رائے کے مطابق بیاہ کیا جائے تو کہاں کیا جائے خاندان میں کوئی وجیہ لڑکا ہے"

"حیدر نواب تو ہیں، ان کی آپ ابھی تعریف کر رہے تھے"

"وہ خاندان میں کہاں ہمارے، وہ غیر کفو ہے اور اس کا باپ سوتیلا تھا، اور ہمارے سب بچے نجیب الطرفین ہیں، شادی میں خاندان کا خیال سب میں پہلے ضروری ہے"

"اور حسن کا خیال کیوں نہیں ضروری ہے"

"یہ ہماری وضع کے خلاف ہے"

"وضع آپ بدل نہیں سکتے"

"آئیں، بدلنا کیسا، یہ شرافت سے بعید ہے، مجھے افسوس ہے

اکثر باتیں ہمارے قاعدوں کے خلاف ہو رہی ہیں اور ہم نہیں روک سکتے
"یہ تو زمانہ کی رفتار ہے حضور، وہ اپنی رفتار چلے گا اور اسے
کوئی نہیں روک سکتا"
"یہ کیا کہتی ہے، زمانہ بدلے ہم تو نہ بدلیں گے، ہم زمانے کے
مالک ہیں محکوم نہیں ۔۔۔ اچھا اب میرا سر دبا"

(۵۰)

"بڑے نواب عالم اپنے دیوان خانہ میں مصاحبین کے ساتھ بیٹھے
تھے کہ ایک آدمی نے اندر آکر کہا
"حضور، مدارالمہام صاحب تشریف لا رہے ہیں"
"اچھا، جا چاچی آئیں، آئیں"
اتنے میں لالہ ملن بہاری لال اور ان کے پیچھے دو لٹھ بند سپاہی
آئے، بڑے نواب اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے بڑے نواب
نے سلام کیا۔
"آداب عرض"
"جیتے رہیے پرماتما اقبال بلند کرے"
"کیسے زحمت فرمائی، آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا"
"خیر آپ لوگ ۔۔۔۔ ذرا مجھے کچھ خاص باتیں کرنا ہیں لالہ جی
نے کہا اور تمام مصاحبین اٹھ اٹھ کر چلے گئے، لالہ جی بولے۔

"میاں مجھے بنارس جانا ہے، شیام کی لڑکی کی بات چیت آئی ہے"

"اچھا تلسی کی، ہاں ہماری شاردا سے کچھ چھوٹی ہے، مگر لالہ شیام تو دکھائی ہی نہیں دیتے کبھی"

"ہاں کام دام میں رہتا ہے بچپن میں رات دن کھیل کا زمانہ تھا، ہر وقت آپ ہی لوگوں میں کھیلا کرتا تھا۔ اب کام کاج نہیں دیکھے گا تو کیا کرے گا، خیر ابھی عالی جاہ کی خدمت میں گیا تھا رخصت لینے، حضور نے فرمایا کہ دفتر اور خزانہ آپ کے سپرد کر دوں اور حضور آپ کو طلب ہی کرنے والے تھے، میں نے کہا کہ میں اب جا ہی رہا ہوں آپ کے یہاں ہوتا جاؤں گا"

"آپ نے یہاں تشریف لا کر بڑی عزت افزائی کی"

"یہ کیا باتیں کرتے ہیں میاں، خیر ابھی بہت سے حسابات پر آپ کی دستخطیں ہونا باقی ہیں، وہ سب آپ ابھی کر دیجئے"

لالہ جی نے کہا "یہاں آؤ" اور ایک لٹھ بند سامنے کیا، بستے سے ایک پوتھی نکال کر بڑے نواب کے سامنے رکھی اور قلمدان بھی پیش کر دیا، بڑے نواب نے زانو پر پوتھی کو کھولا اور حسابات پر نظر دوڑا کر دستخطیں کرنے لگے، لالہ جی کہتے رہے

"تو میاں ایک زحمت ہوگی آپ کو جب تک میں واپس نہ آ جاؤں یعنی ہفتہ عشرے میں آ جاؤں گا، وہ زحمت آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ بس کچھ دیر کے لئے گھر روز دفتر میں ہو لیا کیجئے گا، سب کام چلتا رہے گا، منشیوں کو میں نے تاکید کر دی ہے آج تک کا سب حساب

چوکس ہو گیا، پرسوں شام جو انگریزوں کی دعوت ہوئی تھی اس کا بھی
سب حساب ٹھیک ہے، اب آج سے جو کچھ ہو گا وہ آپ کے سپرد،،

بڑے نواب دستخط کرتے کرتے پرسوں کی دعوت کے حساب پر
پہنچے اور اکرم سے بول اٹھے

،،اف نو بارہ سو روپیہ خرچ ہوا،،

،،کچھ زیادہ تو نہیں قریب سو آدمی تھے، میں نے سب حساب انگریزی
سے اردو میں حیدر نواب سے لکھوا لیا ہے، اسکا پرچہ دفتر میں
دیکھ لیں آپ سب انگریزی کے نیچے اردو میں سب لکھا ہے،،

،،حساب تو سب ٹھیک ہی ہو گا چاچا جی، میرا مطلب یہ کہ ہمارے
اخراجات آمدنی سے کسقدر زیادہ ہیں،،

،،وہ تو میں برسوں سے کہتا آ رہا ہوں، مگر کیا کیا جائے۔ آخر وضع
کی پابندی بھی تو کرنا ہے، اور میں تو عالی جاہ کی تعریف کرتا ہوں کہ
اب تو وہ پہلے سے ایک دھائی بھی نہیں خرچ کرتے، بالکل ہاتھ
روک لیا، واہ،،

،،مگر یہ انگریزوں کی دعوت تو بالکل فضول خرچی ہوئی،،

،،صاحبزادے یوں تو سب ہی فضول خرچیاں ہوا کرتی ہیں، کیا
کیا روکیے گا۔ آپ تو سب جانتے ہیں بارہ، تیرا سو کی رقم کیا ہوگی
حیدر نواب کی زندگی بن جائے گی،،

،،مگر خزانے کی حالت، ہماری آمدنی ایک تو خرچ دس یہ سب
کب تک چلے گا،،

،،عالی جاہ کو خدا سلامت رکھے، ان کے دم تک تو سب چلتا ہی ہے

خدا نے دیا ہے، اسکی فکر کیا، ہاتھی لاکھ لٹے گا تب بھی سوا سو من کا،،

"اور بھی کم از کم دو لڑکیان تو بیاہنا ہی ہیں، اسمین تو میں سمجھتا ہوں خزانہ خالی ہو جائیگا،،

"یہ سب باتین دور اندیشی کی ضرور ہین مگر عزت کے آگے پیسہ تو کوئی چیز نہیں ہاتھ کا میل ہے،،

"میرا مطلب تو یہ تھا کہ وضع کو قائم رکھنے کے لیے تو اخراجات ہوتے ہی ہیں، اب یہ نئی نئی باتین جو ہونگی تو اخراجات بڑھینگے کہ نہیں، یہ انگریزوں کی دعوت نئی بات تھی آخر،،

"یہ وقت ان باتوں کے نکالنے کا نہیں ہے اور اب تو دعوت ہو بھی گئی، اب کی سے کچھ ہوا تو مین تخلیہ میں حضور عالی سے عرض کرونگا۔۔۔ اب مجھے دیر ہو رہی ہے مین چلونگا،،

لالہ جی چلے گئے اور بڑے نواب کے تمام مصاحبین پھر پہلے کی طرح بھر ہو گئے۔ بڑے نواب کچھ سوچ میں بیٹھے تھے

"حضور نواب کوئی خاص بات ہے۔ آپ فکر مند معلوم ہو رہے ہین،، ایک نے پوچھا۔

"فکر مند ہم نہ ہونگے تو کیا تم ہوگے ع سارے جہان کا درد ہمارے جگر میں ہے، لالہ جی چھٹی جا رہے ہین، نہ معلوم کب آئین ہم اب دفتر سنبھالین، سب کاموں کے ذمہ دار تو ہم تھے ہی اور یہ بھی کام پورا ہمارے سر پہ ڈالا گیا، آخر ہمارے اور بھائی بھی ہین ہم سے چھوٹے کنبہ ہین، دن رات چھپی اڑ رہی ہے دو دو دو ہنڈیا

ایک اس بغل میں ایک اس بغل میں بالکل مدہوش کچھ خبر ہی نہیں
کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، کبھی ہمارا فائدہ ہو جائے تو لڑنے کو تیار
اور محلات دے کے لڑکے لڑکیاں ہیں۔ وثیقہ میں حصہ سب کا ہو گا
مگر کام سپرد ہے بس ہمارے "

"میری رائے ناقص میں حضور نواب صاحب قبلہ آپ کے
سپرد یہ کام اس لیے کرتے ہیں کہ آپ اولاد اکبر ہیں، آخر ان کی جگہ
آپ ہی کو لینا ہو گی اور پورا عملہ آپ ہی کا ہو گا"

"آپ کی رائے ناقص ہی ہے۔ وہ زمانے لد گئے صاحب
اب مل جل کر کام نہیں ہو گا، اپنی اپنی ٹھیکری اور اپنا اپنا راج
یہ وثیقہ سو ٹکڑے ہو جائیگا، یہ سب نوابی حضور ابا جان ہی کے دم
تک ہے، ایک ایک تنکا تنکا بٹ جائے گا، آپ ہیں کس ہوا
میں۔۔۔ ہمارے اوپر یہ سب کام فضول فضول کے لیے ڈالے
جاتے ہیں ہم کوئی چیز مانگیں نہیں ملے گی کام ہم کیے جائیں "

"آپ سچ فرماتے ہیں "

"میں بھی دنیا کو دیکھ کر چلوں گا کچھ میرا فائدہ ہو جائے اس
فکر سے دن رات ہوں "

تھوڑی دیر تک نواب فکر میں بیٹھے رہے حقہ پیتے رہے پھر
بولے "اچھا میں ذرا بیگم کے پاس ہو آؤں "

"یہ کہہ کر بڑے نواب اپنے محل کے اندر آئے، بیگم کو بلوایا اور
ان سے باتیں کرنے لگے، پھر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد نواب
نے کہا

"بات یہ ہے بیگم کہ یہ سب ڈھول جونوابی کا ہے اسوقت یہ ایک دن پھٹ سے پھوٹ جائیگا اور اسکے اندر سے خول نکلے گا"

"آپ کا کیا مطلب"

"مطلب یہ کہ مرین اندر تم اور باہر ہم اور فائدے کے وقت سب کا برابر حصہ یہ بھی کوئی انصاف ہے"

"ہوں"

دیکھو بیگم حضور ابا جان کے اخراجات کسی طرح کم نہ ہونگے اور خزانے کو تم خالی ہی سمجھو"

"اچھا"

"ہاں - اب یہاں کچھ رہ نہیں گیا ہے، انجو کی شادی میں سب صفایا ہو جائیگا۔ کچھ ٹوٹے پھوٹے موتی دو تی پڑے رہ جائیں گے بس"

"اچھا"

"ہاں پھر ہوگی شادی ہماری شدو کی اور اسکو کچھ دینے کے لیے رہ ہی جائیگا، اور امی جان تو جیسا تم نے بتایا تھا نواب کے ساتھ پر راضی ہی ہیں گھر کے گھر میں شادی ہوگی لہذا کچھ دینے لینے کی ایسی ضرورت بھی نہیں سمجھی جائیگی۔ لہذا رہے خسارہ میں ہم"

"یہ تو ٹھیک کہتے ہیں آپ نواب مگر آپ کریں گے کیا"

"ایک ترکیب ہے ایسے میں موقع ہے، مگر شدو کی شادی ادھر ہی ہو جائے تو جو کچھ ہے ہم سب سمیٹ لیں گے خزانہ بھی ہمارے قبضہ میں ہے اور رہا انجو کی شادی کا تو وہ دیکھا جائیگا اور حضور ابا جانیں ہم سے کیا مطلب"

"مگر امی جان اسی بقرعید کے مہینہ میں تو ہرگز شادی نہ کریں گی"

"ہونہہ امی جان کی بھی کوئی بات ہے میں انکو ابھی بیٹھی پڑھاتا ہوں"

بڑی بہو صاحب اپنے محل میں ٹھہریں کیونکہ ان کے میاں اپنی ماں کے پاس جا رہے تھے اور خاص محل کے سامنے وہ کیسے اپنے میاں کا سامنا کر سکتی تھیں، بڑے نواب خاص محل میں آئے اور سلام کر کے اپنی والدہ کے پاس بیٹھے، انہوں نے فرمایا

"آج کدھر سے سورج نکلا کہ ادھر آ گئے صاحبزادے میرا بھی آخر ماں کا کلیجہ ہے کبھی دیکھنے کو جی چاہتا ہے"

"تو امی جان آپ بلوا لیا کیجے مجھے تو دم مارنے کی فرصت نہیں رہتی، ہر کام میرے سپرد وہ اب لاٹھی پہ ٹک گئے ہیں، دفتر خزانہ میرے سپرد کر گئے ہیں"

"اے چھوٹے بھائی سے کچھ کام کرا لیا کرو بیٹا"

"انکی نہ کہیے، جانے دیجیے، اور اس پہ طرہ آپ نے اور بھی سنا کچھ"

"کیا"

"میں کیا عرض کروں، مجھے شرم آتی ہے، آپ بزرگوں کی باتوں میں مجھے کیا دخل اگر اب سب کام ہیں کو کرنا ہے تو زبردستی ہر جگہ ڈھکیلے جاتے ہیں"

"آخر بات کیا ہے"

"مجھے تو شرم آتی ہے آپ کے سامنے"

"نہیں تم کہہ بھی ڈالو"

"شادی وادی کے معاملات میں میرا کیا دخل، مجھے معلوم بھی نہیں تھا

کہ چھوٹی امی جان کے یہاں کچھ بات چیت ہو بھی رہی ہے کہ نہیں، حضور ابا جانی اور آپ جانیں، مگر چھوٹی امی جان خود ہی ان کو لاکھ سمجھایا، ہر سمجھ ہی میں نہیں آتا ان کے"

"ارے ان کا کچھ حال ٹھیک نہیں ہے آخر صدمہ بھی تو اتنا اٹھایا مگر وہ کہتی کیا ہیں"

"دھن ہے کہ شادی محرم سے پہلے ہو جائے، محرم میں وہ بندی جئے یا نہ جئے، نواب آغا کا سہرہ تو دیکھ لیں" میں نے عرض کیا کہ حضور امی جان سے کہلوائیے، حضور ابا جان سے کہیے، میرا کوئی دخل نہیں میں کچھ نہیں جانتا مگر ان کی ایک ہی دھن ہے تم ہی خاص محل کو راضی کرو نواب صاحب تو راضی ہو ہی جائیں گے، مجبوری درجہ آپ کے سامنے یہ بے حیائی کر رہا ہوں حضور امی جان، اور کہتی ہیں ہو تو ادھر ہی ہو نہیں تو یہ نسبت نہ ہوگی"

"اب اگر یہ نسبت نہ ہوئی تو پھر کیا ہوگا، کسی لڑکی کو کہیں دوسرا بر جڑتا ہے ایک نسبت ٹوٹنے کے بعد غیرت کی بات ہے، دیہاتی لوگ بھی کہتے ہیں اب تو گالی چڑھ گئی ہے مجھے محرم کے قریب کی شادی نہیں اچھی لگتی، سب بنڑ دھوں دھوں ہو کر رہ جاتا ہے، مگر اب جو وہ کہیں وہ کرنا ہوگا زبان دے چکے ہیں ابی"

"تو امی جان دیکھیے آج ہے سترہ، ابھی بارہ دن باقی ہیں، ان بارہ دنوں میں سب کچھ باسانی ہو جائیگا" "خیر"
گھر کے گھر میں تو شادی ہے کچھ ادھر ادھر سے مہمان آ جائیں گے
"خیر بیٹا۔ جو وہ کہتی ہیں وہی کرو"

بڑے محل سے اٹھ کر بڑے نواب عالم چھوٹے محل مین آئے اور خورد محل سے یوں باتیں کیں۔

"چھوٹی امی جان اب تو شادی ادھر کرنا ہوگی آپ کو امی جان راضی ہیں"

"مجھے تو کوئی عذر نہیں تھا، دونون میرے کلیجے جیسے آغا ویسے شاد، چاہو آج کر لو شادی"

یہاں سے اٹھ کر بڑے نواب بارہ دری میں آگئے اور نشست کے باہر کچھ دیر کھڑے سوچتے رہے کہ والد کے سامنے کس طرح بے حیا بنیں۔ آخر اندر جا کر میر عنایت حسین کے پاس بیٹھے اور ان کے کان میں کہا:

"میر صاحب آپ حضور ابا سے کہیے مجھے تو شرم آتی ہے کہ چھوٹی امی جان اور امی جان دونون بر ضد ہیں کہ شد و کی شادی اسی مہینہ میں ہو جائے" اسکے بعد نواب صاحب کی طرف ہاتھ جوڑ کر بولے "حضور ابا جان میں ابھی حاضر ہوا" اور نشست سے باہر چلے گئے میر عنایت حسین نے بڑے نواب کے الفاظ دہرائے نواب صاحب نے فرمایا

"تو اس میں کیا ہرج ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے" اور نواب صاحب نے آواز دی "کوئی ہے" ایک آدمی اندر آیا تو اس سے بولے "مولوی باقر کو بلا لاؤ"

تھوڑی دیر کے بعد مولوی باقر عبا سنبھالے ہوئے آئے اور نواب صاحب نے ان سے کہا

"آپ جناب کے یہاں تشریف لے جائیں اور تاریخ دار استخارہ دکھائیں کہ صاحبزادے شمشاد علی خان عرف آغا نواب کی شادی شاہ آرا بیگم کے ساتھ کس روز ہو۔ تمام رسوم اور ان کے اوقات کے بابت استخارے [illegible] لائیے اور جناب سے بھی کہدیجئے گا کہ نکاح آپ ہی پڑھائیں گے اور آپ ہی ایک دوسرے جناب کو اپنے ساتھ لیتے آئیں کے فقیہیں یہاں ہے وقت پر موجود رہیں گی"

"بجا پیر و مرشد" کہکر مولوی باقر روانہ ہو گئے۔

بڑے نواب باہر چبوترے پر کھڑے تھے، انہوں نے مولوی صاحب سے سب کچھ پوچھ لیا

شام تک ہر رسم کی تاریخیں مقرر ہو گئی تھیں، نوبت بجنے لگی تھی۔ سلامی کے گولے داغ چکے تھے اور اندر ڈومنیوں نے آکر ڈھول رکھ دیا تھا، ہر جگہ محرابوں پر بندھنوار باندھ دیئے گئے تھے

(۵۱)

"شام ہی سے شاہ آرا کو مانجھے بٹھا دیا گیا تھا، خاص محل کی شاہ نشین سے ملی ہوئی صحنچی میں سرخ اور زرد پردہ باندھ دیا گیا تھا اور اس کے اندر ایک نیچے کھٹ پر شاہ آرا لیٹی پڑی تھی۔ دیواروں پر لیمپ اور کنولوں کی اور اپنی پہرہ دنگوں کی روشنی سے صحنچی روشن تھی

گرمی کی وجہ سے چھت کا پنکھا چلایا جا رہا تھا

"انجمن آرا اور نوبہار پہنچیں تو ہم عمر دوسری لڑکیاں مہمان چھپر کھٹ کے پاس تخت پر بیٹھی تھیں، انجمن آرا نے ان سے کہا

"بھئی تم لوگ ادھر ہٹ جاؤ ہمیں اپنی شادو بی سے کچھ باتیں کرنا ہیں"

لڑکیاں سب باہر چلی گئیں، انجمن آرا چھپر کھٹ پر بیٹھ گئی، شاہ آرا منہ لپیٹے پڑی رہی

انجمن نے اسکو ہلا کر کہا "ہم سے بھی شرم کرو گی شاہ آرا؟"

"نوبہار نے کہا "اور صاحبزادی مجھ سے بھی۔ میں نے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا ہاتھ دیکھ کے کہ اسی مہینہ میں ہوگا بیاہ میں تو تسلیم کرنے آئی ہوں بیگم"

انجمن نے شاہ آرا کو اٹھا کر بیٹھایا اور اسکا منہ کھولا، اسنے شرما کر انجمن کے کندھے پر سر رکھ دیا، شاہ آرا کا منہ رنگین تھا اور وہ کھل جاتی مگر اپنے ہونٹ دبائے ہوئے تھی

"دیکھو شادو، اب ہو چکی شرم، اور ہم سے"

"دیکھیے بجو آپ نے پھر"

"میں نے جان بوجھ کے کہا کہ تم بولو تو کسی طرح"

"میں کیا بولوں بجو"

"میں کہتی ہوں اس نوبہار کو کیسا اچھا رمل آتا ہے بیٹا نہیں پڑی اس کی بات اسی مہینہ میں شادی ہو رہی ہے اور وہ بھی کھلے منہ کے ساتھ"

"اے بیگم اب یہ نام تو نہ لیجیے، صاحبزادی کو برا لگتا ہوگا"

نوبہار بولی،،

"تو جا یہاں سے نوبہار،، شہرو نے کہا

"میں جاؤں؟ میں تو منہ میٹھا کرنے آئی ہوں بیوی میں نے حکم لگایا تھا کہ نہیں"

شاہ آرا نے ترچھی نظروں سے نوبہار کی طرف دیکھا اور پھر شرما کر انجمن آرا کے کندھے پر سر رکھ دیا"

"ارے صاحبزادی اتنا نہ شرمائیے اللہ، آپ تو آغا نواب سے بھی بڑھ گئیں"

"تو آغا نواب شرماتے ہیں اب تک"؟ انجو نے پوچھا"

"آپ نے سنا نہیں۔ وہ کمرے کے باہر تھوڑی آ رہے ہیں جیسے وہ بھی مانجھے بیٹھے ہیں اور بیگم صاحب کہتی ہیں کہ اے بچہ ہے شرم آتی ہے اسکو ابھی سن ہی کیا ہے"،،

"گھونگھٹ تو نہیں نکالے ہیں کہیں"

"اب یہ بیگم مجھے نہیں معلوم اپنی کسی لونڈی کی ردا پٹیہ میں لپیٹے پڑے ہوں کیا معلوم"

انجمن آرا ہنس پڑی اور بولی "تو خوب، دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"

"اللہ، انجو کوئی اور باتیں کیجیے"

"گھر بھر میں بیاہ کی باتیں ہو رہی ہیں اور میں کوئی اور باتیں کروں، اور تم تو کوئی اور بات نکالتی ہی نہیں ہو"

"اچھا نوبہار سے کہہ دیجیے کہ پھر دے کے اِدھر اُدھر ہو جائے"

"واہ بیگم واہ، بھر پایا، مٹھائی کے بدلے اور نکالا مل رہا ہے ہمیں، واہ ری قسمت دیہاتی لوگ ایک مثل کہتے ہیں جب بہیں ہم کاک راج اب بھئے ہیں کوا۔ میاں بیوی مل بیٹھے اور ہم کا مارن پوا آئیں؟ یہ کیا مثل ہے؟" شاہ آرا چونک کر بولی

"قصہ یوں ہے کہ ایک تھیں بیوی، ان کے میاں پردیس گئے تھے ایک دن کوا آ کر بولا تو بیوی کہنے لگیں، کاک راج اُڑ جاؤ میرے میاں آئیں گے تو دودھ بھات کی تھالی دونگی آنچل پھاڑ لنگوٹی دونگی کوا اُڑ گیا۔ اب آئے ان کے میاں تو کوا پھر آیا اور بولنے لگا، میاں بیوی باتوں میں محو تھے، بیوی بولیں یہ کوا کیسا کاؤں کاؤں کیے جاتا ہے اور کھینچ کے اسکو لوٹا مارا، کوا بولا، بھلے رہیں ہم کاک راج اب بھئے ہیں کوا، میاں بی بی مل بیٹھے اور ہم کا مارن لوٹا، وہی مثل ہماری ہوئی۔ خیر ہم بھی اُڑے جاتے ہیں"

"نہیں" شاہ آرا کے منہ سے اکدم نکل گیا مگر وہ فوراً شرما گئی

"پھر تو بہار تیرا منہ مٹھائی سے بھرا جائیگا" انجو بولی

(۵۲)

جب انکے پوتے کی شادی کے شادیانے بجنے لگے تو خورد محل کو اپنا مرحوم بیٹا یاد آ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور بین کرنے لگیں "ارے اگر اس وقت وہ ہوتا تو کیسی خوشی ہوتی اس کو

ہائے اب میں اکیلی کیا کیا کروں"

بڑے نواب کو اس بات کی خبر ہوئی [illegible] کرتے ہوئے آئے اور بولے

"چھوٹی امی جان آپ اپنا دل تھوڑا نہ کریں، سرفراز مرحوم نہیں تو کیا میں تو ہوں اس کی جگہ۔ لڑکی میری نہیں وہ امی جان کی ہے لڑکا میرا ہے میں لڑکے کی طرف سے سب بجا کر دونگا، اپنے لڑکوں کے لیے میں نے کچھ نہیں کیا، تو آغا کے لیے سب کچھ کرونگا اپنے سب اور نکالو نکالو اور آپ جو جو کہیں گی وہی ہوگا آپ محل کے اندر اور میں محل کے باہر، آپ ہرگز نہ گھبرائیں"

خورد محل خوش ہو گئیں، اور بولیں، "خدا تجھے یہی دنیا تلک سلامت رکھے تو میرا بچہ، میرا کلیجہ ہے، میں چاہتی ہوں کہ شادی خوب دھوم سے ہو سب رسمیں ادا ہوں"

"میری بھی خواہش ہے، امی جان، اب آگے کوئی شادی تھوڑی ہی کرنا ہے۔ مجھے اپنے ارمان اسی شادی میں نکال لونگا"

بڑے نواب نے باہر آکر کہا "دونوں طرف کا انتظام میرے ہاتھ میں ہوگا"

میر کلو موجود تھے بولے "آپ نواب دونوں ہی طرف سے انتظام کیجیے گا"

خورد محل اور خاص محل دونوں میں تیاریاں بھر سواریاں آتی رہیں

پہلے مانجھے کی رسم ادا ہوئی شادی آغا کو نہلایا گیا اور ڈومنیوں نے ہرا دے گانے، پھر اسکو منجھی میں چھپر کھٹ پر کپڑے پہنا کر بٹھایا گیا اور اسکے ہاتھ میں کنگنا باندھ دیا گیا، پھر دولہا کے گھر مانجھا بھیجا گیا اور مانجھے کا جلوس شہر بھر میں گھوما کر خورد محل کی ڈیوڑھی پر لایا گیا اس محل کے خاص دالان میں چاندی کی چوکی پر نواب آغا کو بٹھایا گیا، ان کا عجب عالم تھا، یوں تو جب سے بیاہ

ٹھہو تھا وہ ہر وقت مولوی صاحب سے اور اپنی لونڈیوں سے شاہ آرا ہی کی باتیں کرتے رہتے تھے مگر جو کی پر آ کر بیٹھے تو انکو اس درجہ شرم آئی کہ عورتوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ سب نے کہا "دولہا بڑا شرمیلا ہے" دولہا لائے ہیں"

خورد محل اور بھی خوش ہوئیں اور بولیں "اچھا آخر میرے لال اب بے شرم ہو چکی مرد ذات ہو تلوار لیسے چلاؤ گے گھوڑے پر بیٹھ کر لڑائی کے میدان میں الم کو یوں فرم نہ کرنا چاہیے، لو کپڑے پہنو"

نواب آغا نے اپنی لونڈیوں کی مدد سے کپڑے پہنے اکثر عورتیں انکی بوکھلاہٹ پر ہنس ہنس پڑیں خیر ملنے جلنے کی رسمیں ادا ہو گئیں

دو دن کے بعد خورد محل سے ساتھ بڑے دھوم دھام سے شہر بھر کا چکر لگاتی ہوئی خاص محل آئی اور اسکے دوسرے دن اسی طرح سے خاص محل سے مہندی جلوس کے ساتھ علاوہ اور فنیسوں کے ایک فنیس میں انجمن آرا بھی تھی اور اس فنیس کے ساتھ ساتھ ادھر فضیلت اور ادھر نو بہار تھیں

اسی دن نو بہار کو جب سب کاموں سے فرصت ملی تو وہ حیدر نواب کے یہاں آئی، وہ مسہری پر چپن میں لیٹے سرہانے لیمپ رکھے پڑھ رہے تھے نو بہار پاس آئی اور بولی "آئیں نواب آپ تو ایسے سے ہیں جیسے کہ محل میں کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے"

"نو بہار میں وہاں خوشی کی محفل میں کہاں جاتا، آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را"

"میں جانتی تھی کہ آپ جلوس دیکھنے آئیں گے ضرور ہماری صاحبزادی پالکی کے جھٹکے میں سے جھانکتی رہیں کہ آپ کہیں دکھائی دیں"

"اچھا مجھے یہ نہیں معلوم تھا"

"غضب، اگر وہ آپ کو دکھائی دینے والی ہوتیں تو سب کچھ معلوم ہوتا، اے

میاں ذرا دوسرے کا بھی خیال کیا کیجیے جیسے آپ کا دل کسی کو دیکھنے کے لیے تڑپتا ہے ویسے کسی کا دل آپ کو بھی دیکھنے کے لیے تڑپتا ہے"
"مجھے یہ خیال نہیں تھا نہیں تو"
"خیر جانے دیجئے۔ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ کل آپ برات میں نہیں آئیں گے"
"کل ضرور آؤنگا جلوس کے ساتھ ساتھ ہونگا"
"کل ضرورت نہیں ہے، اب وہ روز روز نہ جائینگی آخر بن بیاہی ہیں"
"تو پھر میں کیا کروں"
"ان کا دل دکھانے کی آپ کو سزا ملنا چاہیے"
"جو سزا وہ تجویز کریں"
"وہ کیوں، میں نہ تجویز کروں اور میں نے تجویز کر بھی دی آپ کی سزا"
"میں تیار ہوں"
"خیر یہ سب باتیں ہیں۔ میں ایک بڑا زبردست کھیل کھیلنے والی ہوں کل رات میں۔ آپ کے لیے سخت مشکل ہے، بڑا خطرہ ہے، کام ہمت سے کیجیے گا میاں"
"آخر بات کیا ہے"
"میں نے بیگم سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں کل آپ کو اور ان کو آمنے سامنے کردونگی"
"یہ تو کیا کہہ رہی ہے۔ یہ کبھی ممکن ہی نہیں ہے اس محل میں"
"جی ہاں اس محل کی وضعداری میں میں پہلا رخنہ ڈال رہی ہوں"

"وہ جوں توں اکر کے ہو گئی ہیں تیار اب آپ کو کیا کرنا ہے وہ سنیے۔ کل جب برات آ کر بیٹھ جائے تو آپ محفل سے کھسکیے اور باغ کے پیچھے آ کر دیکھیے کا پیڑ ہے نہیں جس کے ٹہنے باہر لٹک رہے ہیں اس پر چڑھ کر باغ میں کود جائیے اور وہاں ہمارا انتظار کرتے رہیے شائد ہم دونوں وہاں آ سکیں۔ اور نہ آ سکیں تو صبح تک انتظار کرتے رہیے گا سزا تو ہے ہی آپ کی"

"مگر تو تمہارا کھیل بڑا مخدوش ہے، راہ بڑی پر خطر ہے"

"عشق کا کھیل ہی مخدوش ہے۔ میاں صاحبزادے۔ عشق کی راہ پر خطر ہی خطر ہے حضور۔ لیٹے لیٹے خواب دیکھنا۔ کتابیں پڑھنا، دور ہی سے تاکا جھانکی نہیں ہے آئیے میدان میں اگر ہمت ہے۔ اور آنا آپ کا ضروری ہے اب دوسرے صاحبزادی کا دل خون ہوتے ہوئے میں نہیں دیکھ سکتی"

"میں آؤں گا۔ ضرور اسی کے ذریعہ پیڑ پر چڑھ کر باغ میں اتروں گا۔ مگر ادھر پہرا بھی تو رہتا ہے۔ پہرے دار نے دیکھ لیا تو اور شور مچا پایا کہ چور چور تو پکڑے گئے"

"پہرے دار ہو گا، ضرور مگر جو بھی پہرے دار ہو گا اسے میں کل دریافت کر کے سمجھا دوں گی سب میرے کہنے میں ہیں آپ اطمینان رکھیے"

"مگر مجھے تو تعجب ہی ہو رہا ہے۔ یہ سب کیا ہو گا اور کیسے؟"

"آپ لیٹے لیٹے تعجب ہی کیے جائیے۔ میں جاتی ہوں"

(۵۴)

"برات کے دن خاص طور پر انتظامات ہوئے۔ بڑے نواب کی رائے
تھی کہ آرائش اور جلوس میں زیادہ خرچ نہ کیا جائے مگر خود محل کہاں سننے
والی تھیں۔ اس لیے سارے محل میں گلاسوں اور قندیلوں کی روشنی کی گئی بارہ
دری کے پاس نہر والے چمن میں خاص محل کے سامنے بارگاہ سجائی گئی
اور اس میں جھاڑ، کنول، ہانڈیوں اور شمعوں سے روشنی کی گئی"
کچھ رات گئے بارہ دری میں مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا اس کے بعد
برات کا جلوس آراستہ کیا گیا، جلوس کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے ہاتھی پھر
اونٹوں کی قطار۔ اسکے بعد گھوڑے سوار، اسکے بعد انگریزی بینڈ اور سپاہی
اسکے بعد کئی دستے قسم قسم کی جھنڈی والوں کے اسکے بعد کئی قسم کے باجے
اور پھر چوبدار لوگ اور سپاہیوں کے دستے پھر آرائش کے
متعدد تخت رواں۔ اس تمام جلوس کے بعد دولہا کا گھوڑا تھا
"دولہا جو کپڑوں اور سہرے کی وجہ سے بالکل گول گنبد ہو کر رہ گئے
تھے عجب حالت سے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دو دو آدمی ان کو ادھر
اودھر سنبھالے ہوئے چل رہے تھے تاکہ کہیں ڈھلک نہ جائیں ہاتھ
میں گھوڑے کی باگ تھی۔ داہنا ہاتھ رومال سے دہانے ہوئے تھے بلکہ بار
منہ کو ڈھانکے ہوئے تھا، دولہا اپنے تئیں ایک بڑی مصیبت کے دور سے
گذرتا ہوا محسوس کر رہے تھے
دولہا کے بعد بڑے نواب کا گھوڑا تھا اور چند اور امرا گھوڑوں پر

سواران کے پیچھے تھے، اسکے بعد کافی تعداد میں پالکیاں اور سکھپال تھے جن میں بیگمات تھیں اور ان کے ساتھ ساتھ پائے پکڑے ہوئے ان کی لونڈیاں تھیں سب کے بعد بہت سی گاڑیوں میں مہمان وغیرہ تھے

"نواب صاحب نے یہ سب جلوس قصر الفضا کے پھاٹک سے نکلتا ہوا دیکھا برات میں سب ہی لوگ شامل تھے اس لئے نواب صاحب کے پاس محض میر عنایت حسین رہ گئے تھے، تھوڑی دیر کے بعد حیدر نواب آ گئے۔ نواب صاحب نے انہیں دیکھ کر تعجب سے پوچھا "آئیں تم برات میں نہیں گئے حیدر،"

"حضور اباجان مجھے خیال ہوا کہ آپ اکیلے ہونگے،"

"اور یہ تم کپڑے بھی سفید ہی پہنے ہو یہ کیا مجھے دیکھو میں تو رنگین کپڑے پہنے ہوں اور تم بڈھوں کی طرح سفید انگرکھا"

"رنگین کپڑے کچھ"

"واہ۔ یہ انگریز دل میں کسی قسم کی رنگینی نہیں، بڑی پھیکی قوم ہے سب سادہ لباس پہنتے ہیں اور وہی بات تمہاری طبیعت میں بھی آگئی۔ جوانوں میں یہ سادگی اچھی نہیں لگتی۔ اب تم جوان ہو تمہاری بھی شادی کرو نگا لفات کے پہننے میں یہ کیا واہیات، سفید کپڑے پہنتے ہو، جاؤ زربفت کی اچکن اور بھاری ٹوپی پہن کر آؤ اور کامدار جوتا، اچھا ہوا جو تم برات میں اسی طرح نہیں چلے گئے"

حیدر نواب سر جھکائے گھر واپس جا رہے تھے راستے میں نوبہار نواب صاحب کے پاس جاتی ہوئی ملی وہ بولی

"کہاں جا رہے ہیں نواب برات میں نہیں گئے"

"تم نہیں گئیں تو ہم بھی نہیں گئے"

"مگر یاد ہے۔ نکاح کے بعد ہی جب ناچ شروع ہو جائے سمجھے!"
"اگر میں اس درمیان میں مر جاؤنگا تو میری روح موجود ہوگی"

(۵۴)

برات شہر میں گھوم کر قصر القضا میں واپس آئی بارگاہ میں تختوں کے چوکے پر مقیشی مسند بچھی ہوئی تھی جس پر سونے کے ڈنڈوں کا نگیرہ لگا ہوا تھا اس مسند پر دولہا کو بٹھایا گیا۔ خاص خاص لوگ مسند پر بیٹھے اور تمام لوگ ادھر ادھر قالینوں پر بیٹھ گئے، نواب صاحب قبلہ تشریف لائے اور مسند کے ایک کونے پر بیٹھ گئے احید ر نواب بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے سرخ زربفت کی اچکن اور مندیل کا رچوبی ٹوپی میں خاص طور پر اچھے لگ رہے تھے وہ مسند کے پیچھے بیٹھے۔ نواب صاحب نے ان کو دیکھ کر

"یہاں آکے بیٹھو بچوں کے پاس مسند پر"
"حضور! مجھے یہیں بیٹھا رہنے دیجئے۔ میری کچھ طبیعت اچھی نہیں ہے۔ شاید مجھے اٹھ اٹھ کر جانا پڑے"
"پہلے کیوں نہیں کہا کچھ دوا ہوتی"
"دوا میں نے کر لی ہے۔ ڈاکٹر کو دکھا لیا تھا"
"خیر تم یہیں بیٹھے رہو"
ناچ شروع ہونے کا حکم دیا گیا متعدد رنڈیوں نے ایک ساتھ مجرا کیا

اور مبارک باد گائی۔ پھر ایک رنڈی رہ گئی اور اسکے پیچھے سازندے آگئے یہ رنڈی مجرا کرتی رہی اور اسکے بعد کئی اور نے مجرے کیے

خاص محل میں بڑی بہو صاحبہ اور چھوٹی بہو صاحبہ نے چھڑیاں مار مار کر سمدھن کو اتروایا تھا اور پھر انہیں لاکر انگنائی میں نگیرے کے نیچے بٹھایا تھا وہاں بھی ڈومنیوں کا ناچ ہو رہا تھا

آدھی رات کے قریب دونوں طرف ناچ موقوف ہوگیا کیونکہ نکاح کا وقت آگیا تھا

دولہا کے پاس سا یہ دو مولوی ساہ عبائیں اور قبائیں پہلے سر پر بڑے بڑے عمامے باندھے آگر بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک اٹھ کر خاص محل کے اندر گئے اور چلمنی کے پاس جاکر کھڑے ہوئے اندر پھیر کھٹ پر بہت سی عورتیں شاہ آرا کو دبوچے بیٹھی تھیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا۔

"شاہ آرا بیگم بنت نواب سلطان علی خان آپ کا عقد بالعوض تیس لاکھ روپیہ مہر ہمراہ نواب شمشاد علی خان ابن نواب سرفراز علی خان مرحوم کے باندھوں آپ کو منظور ہے"

اس کے جواب میں کوئی آواز نہیں آئی عورتیں شاہ آرا کو دبوچ رہی تھیں اور مسعود کہہ رہی تھیں کہ صاحبزادی ہوں کہئے۔ مولوی صاحب نے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے اور پھر بھی کوئی آواز نہیں آئی تیسرے بار مولوی صاحب نے زور سے ساتھ پھر اپنے الفاظ کو دوہرایا اور اس دفعہ ایک ہلکی "ہوں" سی آواز سنائی دی اور اسکے بعد چند ہور کوں موٹی موٹی آوازیں آگئیں

"ہوں کودی" "ہوں کر دی"

مولوی صاحب باہر آئے۔ دوسرے مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر آغا نواب سے والد میں کچھ کہا اور آغا نواب شرما کر منہ ہاتھ رکھتے رکھتے جونکے "چپکے سے بولے "جی ہاں"

دونوں مولوی آگے بڑھ کر بیٹھے اور عربی میں ایک کے بعد دوسرے نے نکاح کے جملے دوہرائے اور اسکے بعد دونوں نے نواب صاحب کی طرف رخ کر کے کہا "خدا مبارک کرے" مولوی صاحبان کو خاصدانوں میں رقمیں پیش کی گئی اور وہ چلے گئے

ناچ پھر شروع ہو گیا۔ نواب صاحب کچھ دیر تشریف رکھے رہے پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور بارہ دری کی طرف روانہ ہوئے۔ حیدر نواب بھی پیچھے پیچھے آئے اور اپنے گھر کی طرف چلے گئے

گھر میں اچکن اور ٹوپی اتار کر حیدر نواب اپنی حویلی کے عقب دروازے سے نکلے اور قصر الفضا کی باہری دیوار کے پاس پاس چلتے ہوئے باغ تک آئے یہاں ایک سپاہی کندھے پر توڑے دار بندوق رکھے ہوئے ٹہلتا ہوا ان کو ملا سپاہی نے کہا

"کون"

"میں"

"اندھیارے میں حجور دیکھا نہیں۔ آپ کا رسا حجور دیا" نوجوان نے کہا "خدا سلامت رکھے"

"اچھا"

سپاہی ٹہلتا ہوا اور کھنکھار جاتا ہوا آگے بڑھا۔ حیدر نواب لیچے کے پیڑ کے پاس پہنچے، یہاں میاں کو رسا پڑا ملا اس کا جھنڈا انہوں نے پیر میں پھنسایا اور دیوار سے

سہارے اوپر چڑھ گئے اور پھر اسے پیر پھسلتے ہوئے باغ میں اتر گئے
باغ اندھیرے میں سنسان پڑا تھا کہیں کہیں پر کچھ کچھ چاندنی جھلک
رہی تھی حیدر نواب چپکے چپکے پیڑوں کے سہارے میں چلتے ہوئے ایسی جگہ آ کر بیٹھ گئے
مہر محل خانم کی طرف کا دروازہ جب کھلے تو ان کو فوراً معلوم ہو جائے کافی دیر تک
انتظار کی گھڑیاں گنتے رہے

(۵۵)

شادی کی محفل میں کشمیریوں کا ناچ شروع ہو چکا تھا۔ خاص محل کے
کوٹھے کی دیوار جالی دار تھی اور تمام بیگمات کوٹھے پر آ کر سوراخوں میں سے ناچ
دیکھ رہی تھیں۔ بڑی بہو صاحب کو کشمیریوں کا ناچ خاص طور پر بھاتا تھا اور
اس لیے خاص محل کی تمام عورتیں اوپر آگئی تھیں۔ صرف شاہ آرا کی صحنچی میں کچھ عورتیں
بیٹھی رہ گئی تھیں اور شاہ آرا اپنے دلہن کے لباس میں لپٹی ہوئی سو رہی تھی
کوٹھے پر ایک طرف انجمن آرا اور اسکی دو لونڈیاں فضیلت اور نوبہار
مہر سبزی خانم کے اہتمام میں کھڑی سوراخوں سے جھانک کر ناچ دیکھ رہی تھیں
مہر سبزی خانم کو نیند کے جھونکے آ رہے تھے اور ان سے کھڑا ابھی نہیں ہوا جا رہا
تھا۔ ان کے کھڑے کھڑے اونگھنے پر انجمن آرا، فضیلت اور نوبہار تینوں
ہنس ہنس پڑتی تھیں۔ وہ چونک چونک کر بار بار کہتیں
"ہائے تم تو لڑکیاں ہو مجھے نہیں بھاتا۔ یہ نگوڑا ناچ واچ مگر کیا کروں
صاحبزادی کے ساتھ رہنا ہی ہے"

"اے حضور اتالیق صاحب" نو بہار نے کہا "آپ جا کر آرام کریں ہم لوگ تو ہیں"

"میں کیسے جا سکتی ہوں۔ اگر میر صاحب پوچھ بیٹھیں"

"میں سمجھا لوں گی۔ اول تو وہ پوچھیں گی ہی نہیں کہ کہاں ہے اور اگر پوچھا بھی تو میں کہہ دوں گی کہ آپ چوکی پر گئی ہیں اور پھر فضیلت بھی ہیں جا کر سب کو سنبھال لوں گی"

"نہیں بیٹا۔ نوکری کا معاملہ ہے۔ اگر برطرف کر دی گئی"

"آپ ڈریے نہیں۔ نواب صاحب قبلہ تو میری بات سنیں گے ضرور"

کچھ اور اصرار کے بعد بہرحال مغلانی چلی گئیں

تھوڑی دیر کے بعد نو بہار نے انجمن آرا سے کہا

"بیگم۔ اب دیکھئے نائی والی نقل شروع ہو رہی ہے۔ بڑی دلچسپ ہوگی ہے کوئی دیکھے گا نہیں آپ نے فضیلت کو یہیں ٹھہرا دیں بیگم کو چھپر کی طرف لے جاتی ہوں کوئی پوچھے تو کہہ دینا"

یہ دونوں زینے پر سے اتریں۔ جہاں زینہ ختم ہوتا تھا وہاں پر ایک طرف تو خاص محل کے اندر جانے کا دروازہ تھا اور دوسری طرف ایک دروازہ تھا جو محل کے باہر جانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہ دروازہ عموماً بند رہتا تھا مگر محرم میں اس دروازے سے ہو کر بیگمات خاص امام باڑے کو جاتی تھیں یا اسی سے ہو کر باغ میں جایا کرتی تھیں۔ اسی دروازے کو نو بہار نے کھولا اور انجمن آرا کے ساتھ ساتھ باہر آ گئی۔ یہاں سے ایک گلیارے میں کوئی چالیس قدم چل کر باغ کا چھوٹا دروازہ تھا۔ نو بہار نے اس دروازے کو کھولا اور وہ آگے آگے اور انجمن آرا دبکتی ہوئی لہراتی ہوئی پیچھے پیچھے دونوں باغ میں داخل ہو گئے۔ حیدر نواب نے پیڑ کے نیچے سے ان کو آتے دیکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے

چاندنی میں انجمن کا حسین ڈیل ڈول ان کو عجیب رنگ میں دکھائی دیا۔ ایک سکنڈ کے اندر ان کے دماغ میں خیالات کا غلبہ ہوا "انجمن اور میں یہاں؟ یہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں"

نو بہار، انجمن آرا اور حیدر نواب تینوں آ کر بڑے درخت کے سایہ میں کھڑے ہوئے۔ انجمن آرا حیدر نواب کی طرف رخ کرتے ہوئے شرما گئی اور ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر کھڑی ہوئی۔ نو بہار وہاں سے کھسکنے لگی تو انجمن نے لپک کر اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ اسقدر شرما گئیں کیوں بیگم۔ یہ تو آپ کے حیدر نواب ہیں"

"مجھ سے کیوں شرماتی ہو انجمن میرے تو تصور میں ہر وقت تم ہو تم ہی تم ہو"

"اے بولئے بیگم ایسے موقعے کہ روز روز نہیں آتے"

بجلی اک کوندھ گئی آنکھوں کے آگے تو گیا، بات کرنے کو میں لب تشنہ تقریر بھی تھا

خیر میں اس وقت حد سے زیادہ خوش ہوں۔ تم مجھ سے اتنی قریب آ گئیں۔ یوں تو تم ہمیشہ میری رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہو مگر اسقدر قریب میرے سامنے کبھی نہیں آئیں اسی دن سے جب سے کہ تمہارا مجھ سے پردہ ہوا"

حیدر نواب بڑھ کر اس کے سامنے آ گئے۔ انجمن منہ پھیر لینے والی تھی مگر محض آنکھیں جھکا لے گئی رہی اور پھر کچھ گھبرا کر دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔ حیدر نے اسکے ہاتھوں کو نہایت آہستہ سے پکڑا اور کہا

"تمہاری اجازت ہے کہ تمہارا منہ میں قریب سے دیکھوں"

انجمن نے ہاتھ ہٹا لئے مگر گھبرا کر بولی "میرا دل بڑے زور زور سے دھڑک رہا ہے میں اب جاؤنگی۔ مجھے جانے دیجیے"

ہو قت محل محفل رقص کی طرف سے ایک زبردست قہقہے کی آواز آئی اور باغ بھر میں
گونج گئی۔ انجمن اچھل پڑی "اللہ بوا، پری چل تو بہار کوئی آجائیگا" اور نوبہار کا ہاتھ پکڑے
ہوئے بھاگنے لگی۔ حمیدہ نواب کہتے رہے "انجمن۔ تمہاری محبت۔ یہ رات
میں زندگی بھر نہ بھولونگا۔ یہ سماں ہر وقت میرے سامنے رہے گا۔۔"

جلدی جلدی دونوں باغ سے نکل کر گلیارے میں ہو کر اندر دروازے
سے گذر کر کوٹھے کے زینے پر چڑھنے لگیں۔ انجمن نے نوبہار
کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور چپکے سے کان میں بولی

"دیکھ نوبہار میرا دل ابھی تک کیسا دھاڑ دھاڑ ہو رہا ہے"

"آج پہلی ہی ملاقات تھی بیگم" اس نے کان میں کہا

"انجمن زینے اوپر چڑھ کر نوبہار سے پھر کان میں کہا "مگر بیگم آپ تو وہاں
جا کر گم سم ہو گئیں"

"میری تو جیسے روح نکل گئی تھی نوبہار مارے شرم کے"

"واہ واہ۔ بولو تو ہائیں کیا بڑی تھیں کہ یہ کہوں گی اور وہ کہونگی"

کیا بتاؤں۔ ارے تو نے وہ شعر نہیں سنا

یہ کہتے تھے وہ کہتے گر یار آ جاتا — سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

دونوں کوٹھے پر پہونچ گئیں۔ اور وہیں جا کر کھڑی ہو گئیں جہاں سے
پہلے بھانڈوں کی نقل دیکھ رہی تھیں

(۵۶)

دوسرے دن حاجی محل میں رخصتی کی تیاری ہو رہی تھی، شاہ آرا کی شادی

گھر کے گھر ہی میں ہو رہی تھی اس لیے اسکی رخصتی عموماً سے کم دردناک تھی۔ مگر پھر بھی خاص محل میں سب ہی رو رہے تھے۔ ڈومنیاں بابل گا رہی تھیں اور اس درد ناک گیت کے بول سن سن کر ہر ایک کے آنسو امنڈ رہے تھے۔ ہر عورت اپنے رومال سے آنسو پونچھتی دکھائی دے رہی تھی، شاہ آرا ایک دوشالے میں لپٹی ہوئی چھپر کھٹ پر تھی اور اس سے آ کر تمام اعزا ملتے اور روتے۔

نواب صاحب سے شروع ہو کر تمام قریب کے مرد عزیز پہلے ملے نواب صاحب ایسا روئے کہ بے حال ہو گئے اور کوتھارنے بڑھ کر انہیں سنبھالا اور لا کر تخت پر بٹھایا اور پنکھا جھلتی رہی

دالان میں فرش پر دولھا بیٹھا تھا اور کیونکہ وہ دولھن کا آرسی مصحف میں منہ دیکھ چکا تھا اس لیے سہرا اسکے سر پر الٹ دیا گیا تھا۔ وہ اپنے منہ پر سے رومال ایک منٹ کے لیے بھی نہ ہٹاتا تھا اور نہ آنکھیں اونچی کرتا تھا عورتوں دیکھ دیکھ کر کہتی تھیں وہ بڑا شرمیلا دولھا ہے ماشاءاللہ، خورد محل بھی زیادہ دور نہیں بیٹھی تھیں جب وہ کسی عورت کو تعریف کرتے سنتیں تو تو آ کر اپنے پوتے کی بلائیں لیتیں اور دولھا کی چاروں لونڈیوں میں سے کوئی فوراً دولھا کی نذر اتارتی

مرد مل مل کر باہر چلے گئے تھے اور عورتیں مل مل کر خوب رو رہی تھیں۔ نواب صاحب نے تخت پر سے فرمایا "او اللہ کے بندو، یہ سب کی سب کیوں رو رہی ہو۔ آخر لڑکی گھر کے گھر ہی میں تو رہے گی"

ایک بیگم بولیں "اے حضور رخصتی کا وقت برا ہوتا ہے۔ ہم ہی لوگوں کا دل جانتا ہے۔ حضور کو خدا نے مرد کیا ہے"

خاص محل کھنچی کھڑی رہی تھیں اور ان کی آنکھوں سے باران جاری تھا

نوکرنیاں برابر پنکھا جھل رہی تھیں مصاحبیں برابر تسلی دے رہی تھیں مگر ان کے آنسو تھمتے نہ تھے

آخر دولہا کو صحنچی میں بلایا گیا تاکہ دولہن کو اٹھا کر لے جائے۔ آغا نواب منہ سے ہاتھ ہلانے کو تیار ہی نہیں تھے اور پھر خورد محل نے فرمایا "اے ہے میرا بچہ کمزور ہے دولہن کو میں اٹھاؤنگی۔ غرض دولہن کو سکھ پال میں لاکر بٹھایا گیا بڑے نواب نے آغا کے باپ کی حیثیت سے سکھ پال پر ہاتھ رکھا

برات کا جلوس اب اور بھی لمبا ہو گیا تھا کیونکہ اب اسمیں جہیز بھی شامل تھا اور جہیز کا ایک ایک عدد ایک ایک مزدور کے سر پر رکھا گیا تھا اور اسطرح کوئی ڈیڑھ ہزار مزدوروں کی اکہری قطار اس میں شامل ہو گئی تھی

رات ہو گئی تھی جب برات شہر بھر میں گھومتی ہوئی خورد محل میں پہنچی۔ بڑے نواب نے سب سامان اپنے انتظام سے خورد محل کے توشی خانہ میں رکھوایا

اس رات کو خاص محل کو نیند نہیں آئی کیونکہ شاہ آرا ان کے پاس نہیں تھی۔ خورد محل بھی رات بھر پریشان رہیں کیونکہ آغا نواب ان کی آنکھ سے اوجھل تھا۔ کئی بار یہ اٹھ اٹھ کر اس دالان کے پاس گئیں جس کے اندر دولہا اور دولہن تھے لونڈیوں نے کہا "سرکار دولہا اور دولہن چین سے ہیں اور ان کو بھی اطمنان ہوا اور انھوں نے کہا "شکر ہے بارالہٰا"

(۵۷)

کچھ دن چڑھے شاہ آرا خاص محل واپس آئی گہنے میں لدی ہوئی۔ لمبا گھونگھٹ نکالے ہوئے۔ آغا نواب کی لونڈیوں میں سے دو اسکے پانچے ہاتھوں میں لیے ہوئے اور اس کی خود کی لونڈیاں پیچھے پیچھے

اسکی دادی نے خوب چمٹایا، پیار کیا اور گھونگھٹ الٹ دیا یہ کہکر

"ارے میکے میں کیا ضرورت ہے گھونگھٹ کی"

شاہ آرا اور بھی کھل گئی تھی۔ چہرہ پر کچھ اور سرخی آگئی تھی۔ سر پر جھمکا ماتھے پر ٹیکہ۔ ناک میں نتھ جس میں جڑاؤ پاکے اندر تے کے برابر موتی تھے اور کانوں میں بالے چھالے دار کرن پھول اور پتے بالیاں ان میں سب گہنوں نے اسکے چہرہ کو انسانی اور قدرتی صنعت کا اچھا خاصہ نمونہ بنا دیا تھا

بڑی بیگم صاحبہ نے دیر تک اسے اپنے سامنے سے اٹھنے نہیں دیا تمام محلوں کی لڑکیاں اور مہمانوں کی لڑکیاں اس سے ملنے کے لیے اور اسی سے باتیں کرنے کے لیے بیتاب تھیں اور ایک آدھ دروازے سے اشارے کر رہی تھی کہ وہ صحنچی میں اٹھ کر آئے شاہ آرا کا جی بھی اپنی ہمجولیوں میں بیٹھنے کو چاہتا تھا مگر دادی کی نگاہ سے مجبور تھی

آخر کار بیگم صاحب نے اجازت دی "دو چار بیٹی صحنچی میں آرام کرو"

وہ صحنچی میں آ کر اپنی چھپر کھٹ پر لیٹی اور سب لڑکیاں آکر اسکے ادھر ادھر شہد کی مکھیوں کی طرح بیٹھ گئیں اور مختلف قسم کے سوالات اس سے کرنے

گئیں۔ شاہ آرا کھل کھلا کھلا کر ہنستی اور جس جس بات کا جو جو جواب
چاہتی دیتی جاتی۔ آخر میں اسنے کہا "میری بجو۔ انجم باجی نہیں دکھائی دیں"
صغرا نے جو باتیں سمجھتی تھی کہا "اوا ے وہ اپنے ٹھاٹ میں لگی ہیں۔ ان کا ٹھاٹ ہی
نہیں ختم ہو چکتا صبوں سے۔ ابھی تو بن بیاہی ہیں یہ ٹھاٹ کس کے لیئے"
ایک اور لڑکی نے کہا "واہ بی صغرا بجاج بولے تو بولے چھلنی بھی
چلیں بولنے جن میں بہتر چھید۔ اے تم تو دن میں بیس دفعہ ٹھاٹ کرتی ہو
دو او دیکھو" شاہ آرا نے کہا "جاؤ کوئی میری بجو کو بلا لاؤ اور کہنا کہ اگر
آپ نہیں آتیں تو میں خود آتی ہوں"
ایک لڑکی باہر نکلی مگر پھر واپس آ کر بولی "اے وہ آ رہی ہیں وہ
نازک ادا لہراتی ہوئی اور انکی وہ چاند سی لونڈی ان پر سے صدقے ہوتی
ہوئی"
ایک اور لڑکی بولی "بجو بیگم کی لونڈیاں بھی خوب ہیں۔ ایک چاند اور
دوسری کالا کالا بادل"
"مگر اس قضیکت پر آسمانی رنگ کی رد ٹپہ خوب کھلتی ہے" ایک
اور لڑکی نے کہا
"مگر دوسری کی شکل تو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے"
"اور وہ انکی نہیں۔ وہ تو حضور بھیا کی خاص لونڈی ہے"
اتنے میں آگے آگے انجمن آرا اور پیچھے پیچھے تو بہار آ گئیں اندر
"تسلیم بجو"
"جیتی رہو" اور پھر کھٹ پر بیٹھ کر انجمن آرا نے شاہ آرا کو گلے سے لگایا
اور اسکے منھ پر پیار کیا

"میں تو بجو خود کر رہی تھی"

"مجھے دیر ہو گئی تم دولہن ہو تمہارے پاس سب کو رہنا چاہیے"

"آپ بھی تو دلہن ہو جائیں گی ایک مہینہ دو مہینہ کی بات ہے" ایک لڑکی نے کہا

"ان کے دلہن بننے میں ابھی بہت دیر ہے" نو بہار کھٹ سے بول اٹھی

"ارے نو بہار تو تو ایسی الگ کھڑی ہو گئی جیسے آئی نہیں" شاہ آرا نے کہا

"بیگم صاحب میں اپنی اوقات سے الگ کھڑی ہوں اور پھر مجھے ڈر ہے کہ آپ ناراض ہو گئیں"

"نہیں میں ناراض نہیں"

"اور ہمارا منہ ابھی خالی ہی ہے۔ دیکھئے اسی مہینہ میں ہو گئی شادی اور پھر آغا نواب ہی کے ساتھ"

"ائیں۔ ائیں یہ کیا" [illegible] پوچھا

"میں کوئی ایسا ویسا حکم [illegible] بیگم صاحب [illegible] ازل تھوڑی سیکھی ہوں"

"اری تو رمل جانتی ہے" [illegible] پوچھا

"میں تو مان گئی اسکو" شاہ آرا نے ہنس کر کہا اور پھر ہنسی اور بولی "سان گمان بھی نہیں تھا اور سب ٹھیک نکلا"

"ارے ہمارے ہاتھ ذرا دیکھو" کئی لڑکیوں نے کہا

"یہ وقت نہیں ہے صاحبزادیو اور مشکل مجھ سے یوں ہی بگڑ [illegible] ہوئے ہیں۔ صاحبزادی۔ ارے بیگم صاحب ہیں اب تو انہوں نے ان کو [illegible] نہیں چڑھائی۔ ہماری صاحبزادی نے فوراً نذر چڑھا دی اب دیکھئے کالم

ابھی یوں دو برس نہیں ہوگا"

"اچھا۔ انجم بیگم یہ بات ہے۔ بیاہ رچانا چاہتی ہیں" ایک لڑکی نے کہا

"شبو بھی تو چاہتی ہوگی کہ ابھی آپ کی نسبت ہو جائے ان سے چھوٹی بہن کا ہو گیا اور یہ بیچاری رہ گئیں اور یہ ادھر سے کہتی ہیں کہ یہ سوین نہ ہو"

انجم نے اس لڑکی کی طرف دیکھا اور اپنی خاص مسکراہٹ سے مسکرائی

"اچھا صاحب تیرے موکلوں کو نذر چڑھائیں گے ہمارے ہاتھ دیکھ" کئی لڑکیوں نے کہا

"ایک وقت میں ایک سے زیادہ ہاتھ دیکھنا ٹھیک نہیں"

"واہ۔ اور سب رمال یونہی کرتے ہیں"

"وہ غلط کرتے ہیں۔ سب ہی تو کبھی کبھی اڑاتے ہیں اور سب باتیں غلط نکلتی ہیں۔ اس وقت ساعت ہے کہ مجھے ایک صاحبزادی کا ہاتھ دیکھنے کی" یہ کہہ کر اس نے سب کے چہروں پر غور کی نگاہ ڈالی اور مسکراتی ہوئی صغرا کے چہرے کو دیکھ کر بولی "ان کی ساعت ہے"

صغرا نے فوراً اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

انجم نے انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تھوڑی دیر تک غور سے دیکھنے کے بعد بولی۔

"آپ کی شادی بقرعید کے دن ٹھہری مگر ہوگی نہیں"

"ہائیں یہ کیا" صغرا بولی

ایک لڑکی جو صغرا سے ملی جلی بیٹھی تھی بولی "اچھا یہ بتا کہ ٹھہری کہاں ہے"

تو ہم تجھے سچا جانیں"
"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ گذری ہوئی بات کا بتانا مشکل نہیں۔ آنے والی کا بتانا ہے کام میں بتاتی ہوں"
اسنے ہاتھ پھر غور سے دیکھا اور کہا "دولہا آپ کا ادھر رہتا ہے۔ دیکھے وہ اسکی صورت آئی۔ کیا خوبصورت جوان۔ گھوڑے پر سوار۔ انگریزی لباس ہے اسی محل میں جبکہ نواب کے ساتھ آپ کی ٹھہری ہے شادی"
صغرا نے ہٹ کہکر ہاتھ کھینچ لیا۔ انجمن ایک بالکل نئے رنگ سے مسکرائی۔ اور صغرا کے پاس بیٹھی ہوئی لڑکی بولی "کہتی تو سچ ہے"
"مگر تیرا دل تو کہتا ہے کہ ان کے ساتھ ہوگی نہیں شادی" انجمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اے صاحبزادی۔ وہ آدمی تھوڑی ہیں۔ وہ تو لال شہزادے ہیں اور ان کی شادی بھی کسی لال شہزادی سے ہوگی، ہو کے رہنے گی۔ اور بیگم ایک بات اور بتاؤں۔ لال شہزادی اور لال شہزادے کا پرسوں رات کو رسمی مصحف بھی ہو گیا شہزادے نے شہزادی کے منھ پر سے ہاتھ اٹھائے اور کہا بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام "
"کیا افیمیوں کی سی پینک والی باتیں کر رہی ہے" صغرا کے پاس والی لڑکی نے کہا
"نہیں بیگم جب آپ لوگ سب ناچ دیکھ رہی تھیں تو میں بھی تماشہ دیکھ رہی تھی۔ آسمان پر ہوا یہ باغ جنت میں"
"اونھ یہ باتیں چھوڑ دو سب" انجمن نے کہا
"اے آپ کو کیا انجو باجی" صغرا نے کہا

"ارے صغرا کو تو اپنے لال شہزادے کی کہانی اچھی لگ رہی ہے نہیں سننے دیجئے" ایک اور لڑکی بولی"
ایک تیسری لڑکی نے کہا "تو تمہارا وہ لال شہزادی کہیں صغرا کی طرح تو نہیں تھی"
"صغرا صاحبزادی ہیں اور اُس میں ایسا ہی فرق تھا جیسا کہ" اسنے رک کر سب لڑکیوں کے چہرہ پر نگاہ دوڑائی اور پھر کہا "جیسا کہ تمہاری صاحبزادی میں اور ان میں"
"تو تمہارا اب بس" انجمن نے کہا
"اچھا صاحبزادیو- اب میں کچھ نہ بتاؤں گی"

(۵۸)

آغا نواب نے دن چڑھے اٹھکر اِدھر اُدھر دیکھا تو اس خوبصورت سجی سجائی پری کو جسے کل خاص محل کے پرستان سے لائے تھے غائب پایا- دو لونڈیاں حاضر تھیں یہ اب انہیں مٹی کی گڑیوں سے بدتر معلوم ہو رہی تھیں - بوکھلائے ہوئے بولے"
"ارے وہ کہاں"
"آپ سوتے ہی رہ گئے وہ پہنچ بھی گئیں اپنے میکے" ایک لونڈی نے کہا
"ہاں- یہ کیا- ہا ہا ہا- امم- می جن" کہکر وہ دھاڑے

ان کی امی جان نے فوراً شاہ نشین سے آواز دی۔ وہ یہاں آؤ بیٹے
کچھ گھبرا گئے کیونکہ ان کی امی جان کی آواز کا لہجہ بدلا ہوا معلوم
ہوتا تھا۔ جلدی سے جوتا پہن کر شاہ نشین پر آگئے

"دیکھو بیٹے اب تمہاری شادی ہو گئی ہے۔ اب بچپن کی باتیں چھوڑ
سسرال کا واسطہ ہے لوگ بنائیں گے"

"تو امی جان۔ ہم کو برا لگ رہا ہے۔ ہماری دلہن کو چھپا دیا ان
حرامزادی قطا ماؤں، سور کی بچیوں نے"

بیگم صاحب اپنی آتو کی طرف رخ کر کے مسکرائیں اور آتو بولیں
"اے نواب۔ امی جان کے سامنے اپنی دلہن کا ذکر کر رہے ہیں آپ
شرم کی بات ہے۔ آپ کی دلہن میکے گئی ہیں۔ آج چوتھی کا دن ہے،
آپ بھی وہاں جائیگا"

"تو ہم جاتے ہیں وہاں"

"ابھی نہیں شام کو جائیے گا"

"شام کو۔ ہو نھ۔ ہو نھ۔ ہو نھ"

"آئیں آغا۔ اب تم بچے نہیں ہو مجھ سے کام لو شرم بھی نہیں آتی
تم کو"

"شرم کا ہے کی امی جان اور آپ ہی نے تو کہا تھا کہ مرد شرم
نہیں کرتے"

"تم ابھی محل میں گھستے چلے جاؤ گے تو گیا تھو کیں گی خاص محل
اور یہ کوئی گھسنے دیگا"

"تو ہم سے سب پردہ ہی کرتی رہیں گی"

"شام کو جب چوتھی کے کھانے پر بیٹھو گے تو سب سامنے آئیں گے"

"مگر امی جان ۔ اونھ، اونھ ۔ ہوں ہوں"

"فضول کی ضدیں نہیں کرتے ہیں میرے لال اب تمہارے سامنے دنیا ہے ۔ جاؤ منھ ہاتھ دھو کپڑے بدلو ۔ لونڈیو آؤ ۔ نواب کو کپڑے بدلواؤ ۔"

آغا نواب نہایت مخزون اپنی لونڈیوں کے ساتھ گئے ۔ انہوں نے منھ ہاتھ دھلائے کپڑے بدلوائے اتنے میں مولوی صاحب نے آواز دی اور پھر آواز دی ۔ آغا نواب نے کہا

"جاؤ کہدو اس مردے مولوی صاحب کے بچے سے کہ اب ہماری شادی ہو گئی ہے ۔ ہمارے سامنے دنیا ہے ۔ اب ہم نہیں پڑھا کریں گے"

"آپ ہی جا کر کہئے" ایک لونڈی نے کہا

"ارے گوبر کے بھوت ہو تم لوگ ۔ مر جاؤ خدا کرے آج ہی کے دن کیسی کیسی صورتیں ہیں تمہاری ۔ ارے تم لوگ پرستان میں کیوں نہیں تھیں ۔ ہماری بیوی بیگم کی صورت ہوتیں یعنی ہم سے یہ رات تک انتظار نہ ہوگا"

"اے نواب مولوی صاحب کے پاس ہو آیئے کچھ وقت کٹ جائیگا"

"مولوی صاحب اُلّو کا پٹھا ۔ ۔ ۔ ۔ اچھا دیکھو اس سے میں بات کرتا ہوں"

آغا نواب باہر آئے ۔ مولوی صاحب سے صاحب سلامت تو ترسے سے نہیں ہوا کرتی تھی ۔ مولوی صاحب خود اپنی عزت رکھنے کے لیے

سلامت رہنے کہہ دیا کرتے تھے۔ آج مولوی صاحب یہ بھی نہ کہنے پائے تھے
تھے کہ ان کے شاگرد برس پڑے
"مولوی صاحب آپ بہت پریشان کر رہے ہیں ہم کو۔ اب ہم دیر نہیں پڑھیں گے
اب ہماری شادی ہو گئی"
مولوی صاحب کو اپنی نوکری چھٹنے کا کھٹکا ہوا، گھبرا گئے اور بولے
درمیان۔ نواب خدا سلامت رکھے۔ کیا ہوا۔ ہم تو آپ کے
اتالیق ہیں۔ ہم بھی سنیں"
"نہیں آپ تشریف لے جائیں۔ امی جان نے بھی کہہ دیا ہے کہ اب
تمہارے ساتھ نہ دینا ہے۔ تمہارا بیاہ ہو گیا ہے"
مولوی صاحب نے نہایت بے بسی کے انداز میں کہا "اب ہم چلے تو
جائیں گے بھیک مانگ کر کھالیں گے۔ مگر نواب ہم بھی تو سنیں آپ
کی ناراضگی کی وجہ"
"ناراض واراض ہم نہیں ہیں۔ ہمارا دل نہیں لگ رہا ہے۔ ہماری
بڑی بیگم پھر اپنے پرستان کو اڑ گئیں۔ مولوی صاحب آپ مجھے خاص
محل لے چلئے اور میں اندر گھستا چلا جاؤنگا کوئی شرم نہیں کرونگا"
"ماشاء اللہ سے ماشاء اللہ نواب آپ کی ہمت تو یہ ہوئی۔ خدا نظر بد سے
بچائے۔ مگر نواب دیکھئے آپ کو ابھی تعلیم کی ضرورت ہے۔ خیر آپ مجھے
نکال دیجئے۔ آپ نے ابھی پریاں دیکھی کہاں ہیں۔ وہ سفلیاں آپ
کی لونڈیاں اور ایک آپ کی دلہن بیاہ کے آئیں اور اب وہ میکے گئیں
تو آپ بیتاب۔ ع تونے دیکھے ہی کہاں ناز و نزاکت والے"
"تو کیا مولوی صاحب آپ کو واللہ ہماری بڑی بیگم سے زیادہ خوبصورت

بھی کوئی عورت ہو سکتی ہے۔ ہائے مولوی صاحب کیا قیامت کا حسن ہے شاہ آرا بیگم کا۔ واللہ مولوی صاحب۔ وہ کیا شعر آپ نے مولوی صاحب ایک دفعہ پڑھا تھا، وہ نام آیا اور بوسے زبان سے ہونٹ کے لیے گیا تھا مولوی صاحب"

"اچھا اچھا وہ شعر ؎

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے"

"جی ہاں مولوی صاحب یہی مجھے تو یاد بھی نہیں ہوتا۔ تو یہ مولوی صاحب آپ کہہ رہے تھے کہ ان سے بھی زیادہ خوبصورت عورتیں ہوتی ہیں"

"ہاں نواب ایک سے ایک۔ بس روپیہ ہونا چاہیئے"

"تو ہم کیسے دیکھیں مولوی صاحب"

"آپ ابھی جان سے ایک دو تھیلیاں منگوائیے نہیں دیکھئے میں بلاتا ہوں آپ کی ایک لونڈی کو"

اور مولوی صاحب نے ڈیوڑھی پر آکر آواز دی۔ ایک لونڈی باہر آئی تو مولوی صاحب نے کہا "حضور بیگم صاحب سے دست بستہ آداب عرض کرنا اور کہنا کہ حضور ایک دو تھیلیاں پانچ پانچ سو والی عنایت کردیں آغا نواب دولہن بیگم صاحبہ کے لیے کچھ چیزیں خریدنے جائیں گے چوک"

لونڈی نے کہا "تو وہ خود آکر نہ مانگ لیں"

مولوی صاحب بولے "ارے ناقص العقل عورت۔ حضور بیگم صاحب کے سامنے وہ دلہن کے لئے چیزیں خریدنے کا نام لیں گے۔ تو مجھ کو کیا کہا جائے گی کہ میں نے کیا تہذیب سکھائی ہے کی"

لونڈی بیگم صاحب کے پاس آئی اور ان سے یہ سب بیان کیا۔ بیگم صاحب نے کہا "مولوی ہے نہایت قابل اور نہایت با تہذیب دیکھو کیسے قاعدے سکھاتا ہے۔ اپنے گھر کا ہوگا کہ دادی کے سامنے دلہن کا نام جو لیا تھا نواب آغا نے آج خوب تہذیب سکھاتا ہے واہ واہ"

بیگم صاحب نے روپیوں کی تھیلیاں ایک نوکرنی کے ہاتھ باہر بھجوادیں اور مولوی صاحب سے یہ بھی کہلوادیا کہ ہم آپ کی تعلیم سے بہت خوش ہیں آپ کو خاص انعام ملے گا۔ مولوی صاحب نے جواب میں حضور کا بہت بہت کرم اور نوازش کہلا بھیجا اور پھر نواب آغا سے بولے

"آپ نے چلیے اصطبل میں گاڑی تیار ملے گی ہی۔ آپ کو میں پریاں دکھاؤں تو پھر آپ کہیں اور اپنی اس پری کے لیے بھی کچھ زیور زیور لیتے آئیے گا"

(۵۹)

بڑے نواب کو اس بات کی بڑی خوشی ہوئی تھی کہ شادی ان کی خاطر خواہ ہوگئی۔ انہوں نے اپنے حساب نواب صاحب کی تمام کائنات کا کچھ ڈا۔ قبضے میں کرلیا تھا۔ بڑی بیگم صاحب نے اپنے بہترین جواہرات شاہ آبرا کو دے دیے تھے۔ ایک نولکھا ہار اپنے پاس رکھا تھا وہ بھی جوہتی کے دن کھانا کھلوائی ہیں نواب آغا نے مانگا اور ان کو دینا پڑا اور چنانچہ یہ بیش بہا ہار بھی اب بڑے نواب ہی کے قبضے میں تھا

بیاہ کے دوران میں خزانہ اور دفتر تو بڑے نواب کے قبضہ ہی میں
تھے اور خزانے میں جتنی بھی اعلےٰ اعلےٰ چیزیں تھیں وہ سب انھوں نے
جہیز میں شامل کر دی تھیں۔ علاوہ اس سب کے خود محل کا تمام سامان
تو آغا نواب کا تھا ہی۔ بڑے نواب کو پورا اطمینان ہوا کہ اب ان کے
پاس سب بھائیوں سے کہیں زیادہ حصہ نکلے گا۔
بڑے نواب تھے تو بڑے سیاسی مگر ساتھ ہی پیٹ کے ہلکے بھی
کافی تھے۔ اپنی فتوحات کل مصاحبین میں ذکر کر کے خراج تحسین لینے
کا ان کو بڑا شوق تھا۔ اپنی تمام ترکیبوں اور ان کی کامیابی کا کئی کئی دن ذکر
کرتے رہے اور مصاحبین تعریفوں پر تعریفیں کرتے رہے۔ سب مصاحبین
ایک رائے تھے کہ انگریزوں کو تمام ہندوستان کا انتظام بڑے
نواب کے سپرد کر دینا چاہیے۔
میر کلو کی بھی یہی رائے تھی اور انھوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ اپنے انگریز
دوست انجینیر سے نواب کی سیاست دانی کا ذکر کریں گے تاکہ وہ ولایت
جا کر ملکہ سے ذکر کرے اور اودھ کا ملک بڑے نواب کے نام واپس
کرا دے۔ میر کلو کو یقین تھا کہ جب بڑے نواب شہنشاہ اودھ
ہو جائیں گے تو ایک آدھ چھوٹی موٹی ریاست ان کو بھی مل جائے گی اور وہ
منوں کی مقدار میں افیم خریدا کریں گے اور ہر وقت اپنے چاروں طرف
مٹھائی کے ڈھیر لگائے رکھیں گے۔
میر کلو اس قسم کے خیالات میں گم ایک دن چھوٹے نواب کے
یہاں آ نکلے۔ چھوٹے نواب حسب معمول اپنی دونوں رنڈیوں کے ساتھ
پچیسی کھیل رہے تھے، یہ بھی آ کر بیٹھ گئے اور چھوٹے نواب کے

کھیل کی تعریف کرتے رہے۔ نواب نے ایک ہاتھ میں چھ لوئیں پھینکیں
تو میر کلو اپنے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اچک کر بولے
"واہ نواب کیا ہاتھ سکندر پایا ہے آپ نے بھی"
"ہاتھ سکندر یا نصیبہ سکندر" امراؤ جان نے کہا
"آپ کیا سمجھیں ان باریکیوں کو بی صاحب ہاتھ سکندر ہوتا ہی سکا جسکا نصیبہ
سکندر ہو۔ اب آپ جیسے کہیں گی کہ فلاں شخص دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے
میں نے اس دن بڑے نواب سے کہا کہ حضور آپ دونوں ہاتھوں سے کام کر رہے ہیں"
چھوٹے نواب ذرا چونکے اور ہاتھ روک کر بولے "تو میر کلو
کیا بڑے بھائی صاحب نے اس دوران میں دونوں ہاتھوں سے لوٹا"
"میں کیسے عرض کروں۔ میں کیا جانوں۔ آج صبح جب میں
حضور کی خدمت میں پہنچا تو لالہ جی باہر نکل ہی رہے تھے۔ آ گئے
ہیں ناوالیس چھٹی سے۔ تو لالہ جی کہہ رہے تھے کہ خرچہ حد سے زیادہ
ہو گیا اور بڑے صاحب کو خبر نہیں ہے۔ اسکے بعد حضور عالی جاہ
لالہ جی کے ساتھ خزانہ دیکھنے گئے اور وہاں سے آکر نہایت درجہ فکر میں
بیٹھے رہے۔ حقہ سے شوق فرمایا گئے اور کچھ نہ بولے میں نے کچھ بولنے کی
کوشش بھی کی مگر حضور کی نگاہ دیکھ کر خاموش ہی رہا۔ میں وہاں سے
کھسکا تب بھی حضور نے کچھ توجہ نہیں کی"
"اچھا تو یہ بات ہے، تو یہ کہیے۔ بڑے بھائی صاحب کو آپ نہیں
سمجھتے میر کلو۔ بڑے ہی ہوشیار ہیں۔ اب میں سمجھا۔ ہاں اب میں سمجھا۔ وہ
ہمارا بھائی نہیں ہے۔ ہمارا جانی دشمن ہے، واللہ ہے یہ کمین عقیق
بھائی شیطان صاحب کی میدان صاف دیکھ کر جھٹ پٹ بیاہ

رچا دیا۔ ہاں واللہ ہے۔ کیا دماغ۔ کہاں پہنچا ہے"

"حضور ان کے دماغ کی وجہ سے انگریز نہیں اودھ کا ملک واپس دینے والے ہیں"

"لاحول ولا قوت۔ واللہ ہے۔ آپ بھی کہاں کی کہاں لے چلتے ہیں اس نامعقول جالیے کو ملک واپس دیں گے انگریز۔ کمینی حرکتیں یہ اسکی۔ بڑا کھائی ہے تو کیا میرا۔ اور سب صفا کرنے کے بعد دادا کو سکھا دیا کہ تو لکھا ہار مانگے ای عان سے۔ واللہ۔ وہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ بیش بہا چیز تھی۔ اسے امی جان کے بعد ہم دونوں کی ہوتی وہ مار گیا"

"مگر حضور یہ بڑے نواب کو کیا فائدہ۔ وہ تو سب خورد محل کے پاس گیا"

"تم بھی تو میر کلو واللہ ہے نرے وہی ہیں۔ کیا کہوں آپ کو ارے یہ اسکی مکاری۔ وہ تم آغا جو ہے نہیں وہ سراسر الو کا پٹھا ہے اور اسکی دادی اس سے زیادہ الو کی پٹھی۔ ان دونوں کا یہ سر سلائیگا اور بھیجا کھائیگا۔ اس مکار کی ترکیبیں تم نہیں سمجھتے"

"اے نواب تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے یہی دس بیس ہزار روپیہ ادھر یا ادھر ہو گیا ہوگا"

"واللہ ہے میر کلو آپ تو بچے لیتے ہیں ان کی۔ واللہ ہے میں ان کی ترکیبوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ واللہ ہے۔ واللہ ہے انہوں نے سب خزانہ خالی کر لیا۔ اپنے گھر میں بھر لیا۔ اپنی لڑکی کو سب کچھ دے دیا اور امی جان نے دلوا دیا اور ابا جان غافل رہے۔ واللہ ہے بڑی بھاری چال چلی ہے میرے ساتھ۔ اچھا۔ اچھا۔ واللہ ہے۔ تو بھی میرا نام اکبر علی خان جو سب نہ نکلوا دوں۔ آدھا حصہ میرا بھی ہے واللہ ہے دیکھئے

دیکھئے ہاں "

چھوٹے نواب کا چہرہ ہنستا اٹھا بجیسی کو ڈانٹ کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "ابھی دیکھتا ہوں "

میر کلو کا دم ہی تو نکل گیا۔ وہ جانتے تھے کہ دونوں بھائیوں میں اکثر لڑائی ہو جایا کرتی تھی مگر اس وقت ان کا مطلب ہرگز لڑائی کرانا نہیں تھا۔ وہ تو محض بات پر بات کہہ رہے تھے۔ فوراً چھوٹے نواب کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولے

"حضور غصہ تھوک ڈالیں فضول فضول گھڑ کر ان کے ساتھ یہ کھن بھی پس کر رہ جائیگا حضور دہائی ہے آپ کی "

"ارے ہٹ میر کلو۔ آپ ہٹئے میں آپ کا نام نہیں لونگا۔ مگر میں چھوڑونگا نہیں اسوقت واللہ ہے "

میر کلو ہٹ گئے۔ دونوں رنڈیاں منہ تاکنے لگیں چھوٹے نواب پہلے اپنے محل میں گئے ہوئے آئے۔ انجمن آرا اپنے چھپر کھٹ پر لیٹی تھی اور نوبہار اسکے پاس بیٹھی تھی

"بیگم کہاں ہیں۔ کہاں ہیں واللہ ہے" غصہ میں جھنجھلاتے ہوئے نواب نے کہا

نوبہار دوڑ گئی اور چھوٹی بہو صاحب کو بلا لائی۔ انجمن آرا سہم ہو کر ششدر بیٹھی تھی اور اسکو خوف ہوا کہ کہیں باغ والی بات تو ان کو نہیں معلوم ہو گئی

بیگم کو آتا دیکھ کر نواب بولے "دیکھا بیگم تم نے اس مردود بڑے بھائی کی حرکتیں۔ اس ڈاکو نے ڈاکہ مار دیا۔ جیرا کو ہے وہ کم بخت "

"اُسے آخر ہوا کیا نواب؟"

"اس نے سب خزانہ اپنے قبضہ میں بھر لیا بیگم۔ اب کیا رکھا ہے اس بڈھے کے پاس۔ بڑی نوابی کی شان ہے"

"امیں حضور بابا کی شان میں یوں کہہ رہے ہیں۔ دماغ ٹھیک ہے اور کیا بڑے بھائی صاحب نے"

"اے بیگم واللہ ہے اس بڈھے ڈاکو صاحب نے اپنی لڑکی کی شادی کی دھڑ دھڑ میری لڑکی کی شادی ہوتی ہی رہ گئی۔ اور خود مدار المہام بھالا انجی بھیجے نہیں میدان صاف تھا۔ سب خزانہ لوٹ لیا گھر لوٹ لیا بیگم"

"تو خوب کیا انہوں نے جاگتے کی کٹیا اور سوتے کا کٹڑا۔ آپ کو اپنی چلیپی سے بھی فرصت ہوتی ہے کبھی۔ جو جو حق تلفیاں نہ ہوں تھوڑی ہیں اب ہماری لڑکی کی جب شادی ہوگی تو سب جہار ادے دیا جائیگا۔ وہاں سے کچھ نکلے ہی گا نہیں ہم رہ جائیں گے فقیر"

"خیر۔ خیر میں پوری دنیا تلپٹ کر دونگا۔ واللہ ہے۔ ٹھہر یہاں میں جاتا ہوں امی جان کے پاس" اور غصہ میں بھرے ہوئے جھومتے نواب اپنی والدہ کے سامنے آئے سرسری طور پر سلام کرکے بولے "دیکھئے امی جان یہ سب زیادتیاں بے انصافیاں۔ آپ کرانی ہیں، واللہ ہے"

"یہ سب کیا" بیگم صاحب نے ترش رو ہو کر کہا

"یہ بڑے بھائی صاحب نے لوٹ لیا مکمل ڈال کر لوٹ لیا"

"کیا بدتمیزی کی باتیں ہیں۔ چڑھا پھر سر پہ تیرے شیطان"

"میں ان سے خود نمٹوں گا۔ آپ سے انصاف کی امید تھی"

عبث ہے واللہ ہے" اور یہ کہکر وہ بڑے نواب کے محل کی طرف چپکے اور خاص محل سے غائب ہو گیے

بڑی بہو صاحب بولیں "خدا خیر کرے۔ یا جناب امیر مشکل کشا آئیے اب سر پھٹول ہوئی۔۔۔۔ اے مجلدار جلو ذرا حضور ذرا باجان کو اطلاع کر کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کی جان لیئے لے رہے ہیں"

چھوٹے نواب اپنے بڑے بھائی کے گھر میں جھمکے میں پہنچے اور بغیر صاحب سلامت ڈانٹ کر بولے۔

"کیوں صاحب یہ آپ نہ باز آئیں گے اپنی دھوکے بازیوں سے"

"کیا ہوا میاں کیا ہوا بھائی"

"ہاں ایسے بھولے بن گئے بڑے بھولے ہیں بے ایمان کہیں کے"

"ارے تو چھوٹا ہی بڑے کو ڈرائے یہ کہہ کیا رہا ہے"

"ہو بھولے بن جاؤ بھیڑ سب خزانہ لوٹ لیا میرا سب حصہ"

"یہ تم ہو کس ہوش میں اکبر میں نے کیا کیا"

"تم بے ایمان ہو دغا باز۔ خود غرض میرا حصہ مجھے ملنا چاہیے واللہ ہے"

"اپنی زبان سنبھالتا ہے کہ دوں ادھر سے بدتمیز" بڑے نواب نے آستینیں چڑھا کر کہا

"تو کیا میرے ہاتھ پیر نہیں ہیں ہیں تو سب نکلوا لونگا" اور چھوٹے نواب نے بھی آستینیں چڑھائیں۔ بڑے نواب کے مصاحبین بیچ میں آ گئے نہیں تو جھپٹ ہو جاتی

"تم آخر کوئی بات بھی ہو وہاں سے آ گیا لڑنے کو پاگل کہیں کا"

"بات۔ بات۔ ارے بات کوئی ایسی ویسی بات ہے۔ ملعون سب غضب کرکے بیٹھ گیا اور اب پوچھتا ہے بات"

"چھوڑ دو تم لوگ ہٹ جاؤ۔ ہٹ جاؤ۔ میں ابھی وقت اس کو ٹھیک کر دونگا"

بڑے نواب کے مصاحبین بولے "حضور جانے دیجئے۔ آپ کا غصہ برا ہے" اور یہ کہکر بڑے نواب کو الگ ہٹانے لگے

"ہو کھو واللہ ہے۔ بڑا ہے مجھ سے تو کیا میں بھر تا تو نکال نہ دلو گا اسکا"

اسوقت ایک بہت زور کی آواز آئی "یہ کیا" اور نواب صاحب قبلہ داخل ہوئے۔ نواب صاحب آگے بڑھ کر آئے سب لوگ سر تسلیم خم کرکے کھڑے ہو گئے نواب صاحب کے چہرے سے نہایت درجہ غیض اور رعب نمایاں تھا اور انہوں نے رعبدار آواز میں کہا۔

"اکبر کیا بدتمیزی کی باتیں کر رہے تھے تم بڑے بھائی سے ہم سکے روادار نہیں"

چھوٹے نواب سہم گئے اور کچھ نہ بولے

"میں نے تجھ کو خود بدتمیزی کے الفاظ اپنے بڑے بھائی کی شان میں نکالتے سنا... چل بڑھ آگے ہاتھ جوڑ بڑے بھائی کے"

چھوٹے نواب اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھے۔ نواب صاحب نے آستین چڑھائی اور بولے "تعمیل ہو میرے حکم کی یہیں تو"

چھوٹے نواب گڑگڑائے "حضور میری بات..."

"تیری بات کیسی پہلے میری بات میں نے تجھے بدتمیزی کے الفاظ منہ سے نکالتے سنا... میرے حکم کی تعمیل ہو نہیں تو یہیں زندہ دفن

کر دے گا"

چھوٹے نواب سہم گئے۔ منہ خشک ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ آگے بڑھے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی "بڑے بھائی صاحب میری گستاخی کو معاف کر دیجیے"

بڑے نواب نے بھائی کو فوراً چمٹا لیا اور بولے "میرے بھائی تم کو لوگ یوں ہی ورغلاتے ہیں میری طرف سے"

نواب صاحب نے آہستگی کے لہجہ میں فرمایا "آخر بات کیا ہوئی۔ اگر کچھ تھا تو تم کو مجھ سے کہنا تھا اگرچہ یہ سخت بدتمیزی ہے کہ دوڑے آئے لڑنے کے لیے چڑھائی کرتے ہوئے"

چھوٹے نواب اب بالکل پسپا ہو گئے تھے اور بولے "حضور آبا کچھ نہیں کوئی بات نہیں"

"حضور ابا جان صاحب کسی نے جا کر ان سے یہ لگا دیا کہ میں نے ان کا سب حصہ لوٹ لیا"

"حصہ کیا کسی کا کوئی حصہ نہیں میرے جیتے جی کب حصہ تمہارا الگ ہے میں وہ اور سنا۔ ان نے کوئی کام کوئی خرچہ بغیر میری اجازت نہیں کیا۔ تم سخت غلطی پر ہو۔ اگر جاؤ اپنی طرف۔ سراسر پاگل پن"

چھوٹے نواب باہر کے راستے سے نکل کر اپنے گھر چلے گئے۔ نواب صاحب اندر سے ہو کر تھوڑی دیر خاص محل کے پاس بیٹھ کر بارہ دری میں واپس آ گئے

(۶۰)

اس روز رات کو نواب صاحب نوبہار کو دیکھ کر مسکرائے نہیں بلکہ چھپر کھٹ پر لیٹے ہوئے اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھتے رہے - نوبہار بھی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور بولی

"حضور کیا ہے آج طبیعت ناساز ہے"

"نہیں نوبہار میں اچھا ہوں"

"تو کیا چھوٹے بڑے نواب کی لڑائی نے کچھ مغموم کر دیا سرکار کو"

"نہیں - وہ تو کوئی آج نئے لڑے ہیں؟ لڑتے ہی رہتے ہیں... یہاں بیٹھ جا نوبہار میرے پاس"

نوبہار چھپر کھٹ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور نواب صاحب نے اپنی نگاہ غور سے اسکے چہرہ پر جمائی - نوبہار بولی

"کیوں میرے مالک کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کے دل کا حال جانوں"

"تو کیا کرے گی جان کے"

"شاید میں کسی طرح آپ کے غم کو دور کر سکوں اور نہیں اگر میری جان بھی کام آ جائے تو پرواہ نہیں"

"اری نہیں - تو تو میرا غم دور کرنے کے لئے جان تک دینے کو تیار ہے"

"میں تو خدمتی ہوں سرکار خدمت کے معنے یہی ہیں"

"کیا اب تو دل سے کہہ رہی ہے"

"میں کیسے اپنا دل چیر کر آپ کو دکھا دوں ۔ البتہ آپ بتا دیجئے کہ آپ کیوں جیب جب ہیں"

"نوبہار میرے پاس سیکڑوں لونڈیاں رہیں مگر تجھ میں کچھ بات اور ہے تو جیسے دیگری میرا دل جتنا تیری طرف کھنچتا ہے کبھی کسی طرف کسی عورت کی طرف نہیں کھینچا"

"اور مجھے بھی تو حضور آپ سے محبت ہے ۔ آپ کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی"

"تو سچ کہہ رہی ہے"

"میں کیسے کہوں ۔ آپ مجھے اپنی اور لونڈیوں کی طرح سمجھتے رہے ہیں میں ہوں تو آپ کی لونڈی ہی مگر میں آپ کو کس قدر چاہتی ہوں کیسا بتاؤں"

"تو مجھے کیا چاہے گی تو ابھی جوان کھلتی ہوئی کلی اور میں مرجھایا ہوا پھول"

"یہ آپ کے خیالات ہیں حضور ۔ یہی جو عام وضعدار لوگوں کے خیال ہوتے ہیں ۔ میں تو ہر وضعداری سے آزاد ہوں ۔ آپ ہی کے الفاظ میں گدھی ہوں اور یہی میرا گدھاپن ہے کہ آپ کو دل و جان سے چاہتی ہوں"

"میں تیری باتوں پر یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہوں نوبہار مجھے یقین نہیں آتا ۔ آج صبح سے مجھے یہ احساس ہوا کہ میں بالکل تنہا ہوں بالکل اکیلا میرے پاس بہت ہزار قسم کے آدمی عورتیں آئے گئے مگر کوئی

بھی ایسا نہ تھا جو مجھے دل سے چاہتا ہو"

"آپ یہ خیال دل سے نکال دیں سرکار میں آپ کو تہ دل سے چاہتی ہوں۔ آپ ہی بتائیں نہیں چاہتی؟"

"تیرے ساتھ میں ہمیشہ خوش رہا۔ ع جان آجاتی ہے تن میں تیرے آجانے سے"

"یہی میرے خلوص کا ثبوت ہے سرکار"

"یہ تو تو پتے کی بات کہہ رہی ہے" نواب صاحب کچھ مسکرائے "اچھا تو میں تجھے اپنا واحد چاہنے والا گنوں گا آج سے"

"نہیں سرکار۔ کم از کم دو اور ہیں آپ کے چاہنے والے جو میرے ساتھ ہیں اور جن کی بابت مجھے پورا یقین ہے"

"وہ کون"

"ایک ہماری صاحبزادی"

"انجو۔ انجو مجھے چاہتی ہے"

"جی اور جان چاہتی ہیں صاحبزادی آپ کو"

"تو سچ کہہ رہی ہے"

"بالکل سچ۔ حضور آپ اپنی سب پوتیوں اور لڑکیوں کو ایک سا سمجھتے ہیں۔ صاحبزادی شاہ آرا بیگم ہیں ویسی اور کسی کو چاہ سکتی بھی نہیں مگر میری صاحبزادی کے دل میں چاہنے کا کسقدر مادہ ہے اور وہ آپ کو کسقدر چاہتی ہیں"

"اچھا تو ہمارا تو میں اکیلا نہیں ہوں"

"خدا نہ کرے آپ اکیلے ہوں۔ اور تیسرے چاہنے والے کا تو

آپ نے نام ہی نہیں پوچھا"

"وہ کون ہے"

"حیدر نواب"

"یہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا، حضور آپ سے کوئی بات چھپانا خلوص کے منافی ہے مجھے ان کے دل کی سب ہی باتیں معلوم ہیں"

"سر میں تو کیا وہ ان کے پاس آتی جاتی ہے"

"جی ہاں سرکار۔ کچھ عرصہ سے مجھ میں اور ان میں خوب باتیں ہوا کرتی ہیں"

"یہ عجیب بات۔ تو بھی جوان اور وہ بھی جوان"

"مگر ہمارے تعلقات کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ حیدر نواب کسی عورت کی طرف رجوع نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ہمارے تعلقات میں بدی ہوتی تو میں آپ سے یوں کہنے کی جسارت کب کر سکتی "

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ مگر مجھے یہ خوشی ہے کہ تم تینوں تو میرے چاہنے والے ہو"

"مگر سرکار کو یہ خیال کیسے ہوا کہ آپ اکیلے ہیں"

"بات یہ ہے نوبہار کہ اب تجھ سے کیا چھپانا۔ مجھے آج صبح سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے میں ایک ریت کے ٹیلہ پر کھڑا ہوں اور میرے پیروں کے نیچے سے ریت کھسک رہی ہے"

"یہ کیوں حضور"

"یہ راز ہے نوبہار اسے چھپائے رکھنا"

"اس سے آپ کو میرے خلوص کا اور بھی امتحان ہو جائیگا"

"اچھا سن۔ میں اب بالکل خالی ہوں۔ ڈھول کے اندر خول، میری آمدنی قلیل اور اخراجات کثیر۔ میرا خزانہ قریب قریب ختم ہے اور انجو کی شادی کرنا ہے صفدر علی خان سے تگڑ لینا ہے"

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں حضور"

"کیوں نہیں۔ یہ سارا ڈھونگ تو روپیہ ہی کے بدلے پر رچا ہے جس دن وہ نہ ہوگا یہ سب درہم و برہم ہو جائے گا اور میں اکیلا رہ جاؤں گا"

خدانخواستہ ایسا ہوگا ہی کیوں آپ کا محض خیال ہے حضور مگر یہ یقین رکھیے حضور کہ کوئی دقت ہو۔ ہم تینوں آپ کے قدموں سے چمٹی ہی رہیں گے آپ کسی طرح امتحان کر لیں حضور"

"امتحان کی ضرورت نہیں ہے نوبہار مگر ایک بات ذرا کھٹکی"

"کیا حضور"

"تیرے اور حیدر کے تعلقات"

"یہ حضور اس لئے کہ آپ کی کسی لونڈی نے آج تک آپ سے خلوص نہیں برتا اور آپ سے چھپا چھپا کر برائیاں کیں۔ آپ کو غصہ آیا آپ نے اکثر کو غصہ میں ختم بھی کر دیا۔ مجھے بھی خیال تھا کہ آپ اس بات کو سن کر ناراض ہونگے مگر میں جانتی ہوں کہ نہیں تو ڈر کا ہے کا اور یہ میں نے خود ہی آپ کے سامنے سب کچھ کہہ دیا حیدر نواب کو ایک لڑکی سے اسقدر شدید محبت ہے کہ وہ میں کیا کسی حور اور پری کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نہیں جانتے ہیں میں جانتی ہوں وہ اس درجہ پر ہیں جہاں انسان جنون کے تصور میں آدمی ہر چیز سے بیگانہ ہو جاتا ہے جدیا رندنے کہا

نہیں ہے ہے
جو سر آنکھ اٹھائے کبھی شیدا تیرا   سب بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا
یہی دیکھ کر میں آگے بڑھی اور ان سے باتیں کیا کرتی ہوں۔ ان سے باتوں میں بھول جاتی ہوں کہ میں عورت ہوں اور وہ مرد ہیں اور وہ بھی بھول جاتے ہیں کہ وہ مرد ہیں اور میں عورت"

"یہ تو عجیب باتیں ہیں نو بہار قصوں میں داستانوں میں ایسی باتیں سنیں۔ شاعروں نے بھی ایسا ہی کہا ہے مگر آنکھوں سے ایسا نہیں دیکھا"
"تو آپ اب دیکھ لیجئے۔ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے"
"یہ سب باتیں میرے لیے کچھ نئی سی معلوم ہو رہی ہیں نو بہار"
"جی سرکار یہ سب وضعداری۔ اخلاق سے الگ باتیں ہیں"
"اسی سے تو میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں"
"مگر آج صبح سے جو آپ کو ایک بالکل نیا احساس ہوا اس سے مجھے امید ہے کہ یہ سب باتیں آپ کی سمجھ میں آنے لگیں گی۔ آپ یوں سمجھئے کہ آپ انصاف کی کرسی پر بیٹھے ہیں اور ہم دونوں آپ کے چاہنے والے مگر آپ کے مجرم بھی آپ کے سامنے ہیں اور آپ کیا انصاف کریں گے ہمیں کیا سزا دیں گے"
"خیر اس بات پر میں سوچوں گا۔ تمہارے جرم کے خیال سے زیادہ مجھے تمہاری محبت کی اس وقت قدر ہو رہی ہے میں خوش ہوں نو بہار ایک نہیں تین تین میرے چاہنے والے موجود ہیں۔ اس خیال سے اپنے دل کو بہلا رہا ہوں"
"اس خیال پہ پورا یقین کیجئے سرکار۔ آپ ہرگز ہرگز دھوکا نہ

لھائیں گے میں آپ کو یقین دلاتی ہوں ... لائیے میں اب آپ
پاس دباتی ہوں ... وہ لوگ آکر پیر دبائیں گی ... آجاؤ سب...
حضور اطمینان سے آرام کریں"

(۶۱)

دوسرے دن صبح کو جب نوبہار نواب صاحب کو بیدار کرانے
آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ حضور آنکھیں کھولے لیٹے ہیں اور چہرہ پر کچھ
پریشانی کے آثار نمایاں ہیں۔ نوبہار چھپر کھٹ کے پاس آکر بولی
"حضور آرام نہیں کر رہے کیا بات ہے؟"
"ہاں نیند ہی نہیں آئی"
"حکیم صاحب کو بلواؤں"
"ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ اور وہ دیکھ ہی لیں گے آکر شام میں"
"تو حضور کچھ دل گھبرایا۔ کچھ فکر خدانخواستہ"
"ہاں نوبہار" نواب صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری "میں
نے ایک بڑا ڈراؤنا خواب دیکھا"
"کیا حضور بہت اچھا بہت خاصہ۔ خواب کی تعبیر الٹی ہی
ہوتی ہے سب اچھا ہی اچھا ہوگا"
"سب میرے ذہن میں گڈ مڈ سر بڑ ہے خیر اتنا صاف ہے کہ میں
نے دیکھا کہ بڑے بدشکل لوگ عجب عجب صورتیں شعلے کی سی آنکھیں نیچے

اور پیروں کی ایڑیاں آگے مجھے متعدد طریقوں پر ڈرا رہے ہیں اور آخر میں مجھ کو آکر انہوں نے میرے پاس سے چھین لیا اور گھسیٹتے ہوئے چلے۔ تو چیخ رہی تھی میں بھی چیخنے لگا اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ چاروں لونڈیاں کھڑی ہوئی بسم اللہ۔ بسم اللہ یا علی۔ یا علی کہہ رہی ہیں"

"یہ سب کچھ نہیں حضور مجھے آپ کے پاس سے کوئی نہیں لے جا سکتا چاہے وہ ہوا ذات ہو چاہے دیو ذات میں آپ سے کسی طرح الگ نہیں ہو سکتی کبھی نہیں"

"کیا تو سچ کہہ رہی ہے نوبہار"

"یہ حضور کا محض خیال ہے میں سوائے آپ کے اور کسی کی نہ ہوں نہ ہو سکتی ہوں"

"نوبہار میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب میں بہت بدل گیا ہوں۔ ایک زمانہ تھا اب سے تینتیس چونتیس سن بیشتر جب ایک لونڈی نے میری عیب کیا اور میں نے جذبۂ رقابت میں اسکو مروا ڈالا"

"جی ہاں مجھے معلوم ہے سرکار ہی کا تو رعب ہے کہ کوئی آپ کی لونڈیاں کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا"

"مگر اب مجھ میں وہ رقابت کا احساس نہیں"

"تو اسکے ہونے کا تو کچھ سبب بھی تو نہیں ہے"

"ہاں اب تو مجھ میں کچھ بھی نہیں ہے ع گیا شباب کے پھرا۔ اور دل کا اب تو کسی قسم کا ولولہ نہیں"

"یہ تو اچھا ہے حضور آپ کے دل میں اب آگ نہیں محبت تو ہے وہ محبت"

"جی ہاں۔ وہ سچی محبت جو بابا آدم اور اماں حوا کے درمیان تھی گیہوں

کھانے سے پہلے۔ اسی نے تو میرا دل چھین لیا سرکار"

"عشق حقیقی"

"میں آپ سے ویسا ہی عشق کرتی ہوں اور آپ کو بھی مجھ سے ویسا ہی عشق ہے۔ اس آگ والے عشق کا زمانہ ختم ہو گیا حضور۔ مجھے آپ کے خواب کے ایک معنے سمجھ میں آئے"

"کیا معنے"

"یہی تعبیر ہے اس خواب کی۔ وہ ڈراونی صورتیں برائیاں تھیں اور یں عورت عورت کی طرف سے جتنے پست خیالات تھے آپ کے دل میں وہ سب ختم ہو گئے اب آپ کا دل آئینہ ہو گیا ہے حضور۔ بالکل شفاف آئینہ"

"سچ یہی تعبیر ہے"

"اور کیا ہوتی سرکار"

"مگر وہ تو مجھے لئے جا رہے تھے تو تو اوعورتوں کی طرح نہیں"

"حضور میرا وجود اس خواب میں یوں تھا کہ کل رات میں نے جو آپ کو اپنے اور حیدر نواب کے تعلقات بتائے تو آپ کے دل میں رقابت کا جذبہ پیدا ہوا ضرور میں سمجھ گئی تھی۔ اگر چالیس یا پینتیس برس پہلے کا زمانہ ہوتا تو آپ مجھ کو مروا ڈالتے اور حیدر نواب کو بغیر کچھ دریافت کئے گھرسے نکلوا دیتے کل صرف ذرا سا احساس رقابت آپ کے دل میں پیدا ہو کر رہ گیا یہی برائی تھی اور وہ مجھ سے وابستہ تھی۔ میری موجودگی خواب میں ہونا اسلئے ضروری تھی اور میرے سلسلے سے ہی تو یہ سب برائیاں کچھ تھوڑی بہت عود کر گئے آپ کے ذہن میں آگئی تھیں"

"کہتی تو ٹھیک ہی ہے" یہ کہکر نواب صاحب اٹھے اور جوتا پہن کر جانے لگے تو بولے "اچھا میں سوچوں گا اس بڑھاپے میں مجھے یوں تبدیل ہونا لکھا تھا"

"حضور تبدیلی کے لئے کوئی وقت نہیں مقرر ہوتا۔ اور آپ بڑھے کب ہیں میں تو آپکو بالکل بچہ سمجھتی ہوں"

(۶۲)

"اے شدو کی شادی کا" بڑی بیگم صاحب نے کہا "کوئی خط ہی نہیں ملا محرم سر پر آگیا"

خدا معلوم بیگم صاحب کو کس خط کی تلاش تھی اور کس مہینہ میں شادی ہونے پر وہ خط کس طرح ملتا

مگر محرم آگیا تھا۔ ۲۹ تاریخ ذی الحجہ سے ہی محرم کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ شام سے سب محلات میں سوگ بدل دیا گیا تھا۔ سب لوگ سیاہ پوش ہوگئے تھے

نوبہار ۲۹ تاریخ کی صبح کو جب حضور کو بیدار کرانے آئی تو تمام سیاہ لباس پہنے تھی۔ اس رنگ میں اسکا گیہواں چہرہ اور باہیں عجیب طرح سے کھل رہی تھیں۔ اسکے چہرہ پہ نزاہت کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ اسکی باہوں میں کچھ زیادہ بھرتی آگئی تھی۔ نواب صاحب کی چھپر کھٹ کے پاس آکر اس نے بھیرویں کے راگ میں ایک نوحہ پڑھا اور نواب صاحب نے آنکھیں

کھول دیں اور اسکو عجیب متانت کے ساتھ دیکھا۔ نوبہار کے چہرہ پر عجیب پرکیف متانت طاری تھی حالانکہ اسکی نشیلی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

یہاں سے نوبہار خاص محل پہنچ کر چھوٹے محل میں آئی۔ انجمن آرا منھ دھونے کے بعد سنگھار میں مصروف تھی۔ کنگھی کر چکی تھی اور دھانی گہنہ پہن رہی تھی اسنے ہاتھوں میں سیاہ موتیوں کی چھپیاں اور کانوں میں اودے ریشم کے کرن پھول پہنے۔ اسکے بعد سر پر سیاہ ریشم کا دوپٹہ اوڑھا۔

نوبہار چوکی کے پاس کھڑی تھی۔ دوپٹہ اوڑھتے وقت انجمن نے عجیب انداز سے اسے دیکھا۔ نوبہار بولی

"بیگم اس ادا سے نہ دیکھئے۔ یہ گورے چہرہ پر اودے کرن پھول اور سیاہ آنکھوں کا اس انداز سے دیکھنا کسی کا دل کٹ کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے"

"کسی کا دل؟ اتنے دور سے کیا دکھائی دیتا ہوگا"

"نہیں بیگم دوربین سے آپ ایسی معلوم ہو رہی ہونگی جیسے میں آپ کو دیکھ رہی ہوں"

"یہ دوربین ہوتی کیسی ہے؟ تو نے دیکھی ہے"

"وہ ایک نالی۔ اتنی لمبی سی ہے۔ اس میں ایک شیشہ ادھر ایک ادھر لگا ہے۔ میں نے شیشہ کو آنکھ سے لگا کے دیکھا تو میں بڑا مزے میں تھی اور سامنے باہر والا دروازہ چمن کے ادھر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہیں ہے"

"اچھا تو میں انکے بالکل پاس معلوم ہوتی ہونگی۔ ہائے میرے اللہ"

اور یہ کہکر اسنے اپنا سیاہ دوپٹہ سر سے اوڑھ لیا اور چہرہ پر شرم کی سرخی دوڑ گئی۔ سیاہ دوپٹے میں اس کا سرخ و سفید چہرہ بادلوں میں چاند کو

شرما رہا تھا۔

"آپ ایسی معلوم ہوتی ہونگی جیسے ہم اور آپ بیٹھے ہیں"

"اچھا تو تو ان کے ساتھ اسطرح بیباک ہے"

"جی ہاں"

"تجھے ڈر تو نہیں لگتا"

"ڈر کا ہے کا بیگم"

"وہ مرد ہیں اور تو عورت جوان اور خوبصورت"

"مرد کہیں کھا تو نہیں جاتے اور میں نے تو مردوں ہی کے درمیان ہوش سنبھالا اور مردوں ہی میں رہی"

"یہ تو تو مردانی۔ اکیلے میں وہ تجھ سے کچھ کہتے تو نہیں"

"جو کچھ کہتے ہیں وہ سب آپ ہی کی بابت ہوتا ہے۔ ہم آپ ہی کی باتیں کرتے ہیں بیگم"

"اور تو اکیلے میں ان کے سامنے شرماتی بھی نہیں"

"میں ان سے شرماتی ہوں نہ وہ مجھ سے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کا خیال ہی نہیں ہوتا۔ بس آپ کا ہی خیال ہوتا ہے اور آپ ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔ ہم دونوں کو آپ ہی سے عشق ہے بیگم"

"یہ کیسی باتیں کرتی ہے" انجمن نے شرما کر کہا۔

"میرا یہی وہم ہے بیگم میں نے اب تک بہت طرح کے لوگ دیکھے مگر آپ دونوں کا ایسا کوئی نہیں دیکھا۔ یہ ظلم ہے کہ آپ دونوں کو الگ کیا جا رہا ہے۔ میرے دم میں دم ہے تو آپ دونوں کو ملا کر چھوڑونگی"

"مگر تو کر ہی کیا سکتی ہے"

"میں دن رات یہی سوچتی ہوں کہ میں کرونگی کیا۔ نواب صاحب سے کئی دفعہ بات چھیڑ چکی ہوں"

"آئین۔ یہ تو نے کیا کیا حضور دادا ابا سے کیا کہہ دیا تو نے؟"

"کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ یہی کہا کہ آپ کی اور رشید کی نواب کی شادی ہوتی تو اچھا ہوتا"

"یہ تو نے کیا کیا۔ وہ کیا کہتے ہوں گے"

"وہ کہتے کیا۔ انکی تو مرغی کی ایک ٹانگ ہے۔ وضعداری خاندانی رسوم بس۔ وہ تو وہی کریں گے جو ان کے خاندان میں ہوتا آیا ہے۔ مگر اب مجھے کچھ یوں ہی سی امید ہوتی ہے کہ وہ کچھ بدل رہے ہیں"

"یہ کیسے"

"اب کچھ دولت کا نشہ اتر رہا ہے۔ دنیا کا کچھ احساس پیدا ہو رہا ہے"

"مگر تو ہماری بات تو ان سے نہیں لیکر بیٹھ جائیگی"

"اگر ضرورت ہوئی تو سب کچھ کھول کر رکھ دونگی"

"ارے ارے۔ یہ تو کیا کرینگی۔ وہ ہم تینوں کو مروا ڈالیں گے"

"تو اس سے اچھا اور کیا ہوگا"

"نہیں نہیں۔ تو یوں باتیں سب کر مگر یہ سب ان کو نہ معلوم ہونے پائے"

"آپ بیگم نہیں جانتیں۔ حضور کی طبیعت اب بدل رہی ہے"

"بدل رہی ہے۔ یہ کیسے ممکن"

"خیر میں کوئی کچی گولیاں تھوڑی کھیلونگی بیگم۔ مجھے نواب صاحب

کی محبت پر اعتماد ہے اور میں وقت اور موقع بھی سمجھتی ہوں"

"مگر یہ ہوگا کیا۔ اور کیسے"

"مجھے خود نہیں معلوم کیا ہوگا اور کیسے ہوگا۔ مگر کچھ ہو کے ہی رہے گا"

چوکی کے پاس دھوپ آگئی تھی اور دونوں وہاں سے چلی آئیں

(۶۳)

محرم کی پہلی کو شام کے وقت نواب صاحب کا تعزیہ قریب چار فرلانگ لمبے جلوس کے ساتھ جس میں ہاتھیوں اونٹوں اور گھوڑوں کی قطاریں جھنڈی سپاہیوں اور ماتم داروں کے دستے اور متعدد قسم کے باجے شامل تھے چیکے چیکے نواب صاحب کی کربلا سے شہر میں ہوتا ہوا قطر الفضا میں آرہا تھا

اس جلوس کے آخر میں ایک بیس فٹ اونچا نہایت شاندار تعزیہ تھا جس کے ساتھ ساتھ ایک مجمع کثیر تھا۔ تعزیہ کے آگے نواب صاحب ننگے سر اور ننگے پیر سیاہ انگرکھا اور مشروع کا پاجامہ پہنے اور کمر سے تلوار باندھے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اسی طرح کا لباس پہنے ہوئے ان کے تمام صاحبزادگان اور اعزا بھی تھے۔ سوائے حیدر نواب کے جو غیر کفو تھے ہر قریب کا عزیز تلوار باندھے تھا

ایک جوڑ سوز خوان کا مرثیہ پڑھتا ہوا ساتھ تھا۔ دس پانچ

قدم پر پورا جلوس رک جاتا تھا اور سوزخوان دو چار بند پڑھتے تھے تمام مجمع روتا۔

جلوس قصر الفضا کے پھاٹک پر الگ ہو گیا اور تعزیہ مع مجمع کے بارہ دری والی سڑک پر گذرتا ہوا، خاص محل کی ڈیوڑھی کے پاس سے ہوتا ہوا نواب صاحب کے خاص امام باڑے کی طرف چلا محلات کے کوٹھوں پر بیگمات سوراخوں میں سے جھانک جھانک کر تعزیے کی زیارت کر رہی تھیں۔ ایک جگہ انجمن آرا اور نوبہار بھی کھڑی تھیں۔ جب تعزیہ بالکل ان کے نیچے سڑک پر پہنچا تو نوبہار نے انجمن کے کان میں کہا،

"دیکھا بیگم آپ نے"

"کہاں؟"

"وہ نواب صاحب سے چار آدمی پیچھے"

"ہاں۔ ہاں۔ دیکھا"

"کیسے اچھے لگ رہے ہیں"

"ہٹ تجھے ایسی ہی باتیں آتی ہیں"

یہاں سوزخوانوں نے کافی دیر تک سوزخوانی کی تاکہ اوپر کوٹھوں پر بیگمات سنیں اور ثواب حاصل کریں حیدر نواب منھ پر رومال رکھے سر جھکائے کھڑے تھے کبھی کبھی منھ اوپر اٹھا کر کوٹھے کی طرف دیکھ لیتے تھے ایک دفعہ انھوں نے سر اٹھایا تو نوبہار نے چپکے انجمن آرا سے کچھ کہنے کے لہجہ میں کہا

"ہونھہ۔ روز دوربین سے دیکھتے ہیں پھر بھی منھ اٹھا رہے ہیں اوپر جیسے کوئی جھلک دکھائی ہی تو دے جائیگی انھیں"

"چپ رہ تھوڑی دیر نوبہار"

"معافی چاہتی ہوں بیگم آپ کو تو چھٹے چھمائے ہی دیکھنے کو مل جاتے ہیں میں آپ کی محویت میں خلل انداز نہیں ہونگی"

تھوڑی دیر کے بعد تعزیہ خاص امام باڑہ کے پھاٹک پر پہنچ گیا متعدد دوسرے تعزیے خاص امام باڑے میں پہنچائے گئے اور بہت سے چھوٹے چھوٹے تعزیے نواب صاحب کے اعزا سروں پہ رکھے ہوئے مختلف محلوں میں لے گئے

ہر محل میں تعزیوں کو امام باڑوں میں رکھنے کے تھوڑی دیر بعد مجلسیں ہوئیں اور خاصہ کے وقت تک برابر کہیں نہ کہیں مجلسیں ہوتی رہیں نواب صاحب ایکی دفعہ تعزیہ کے ساتھ چلنے کی وجہ سے بہت زیادہ تھک گئے ۔ نوبہار نے ان کو آرام کرایا اور بارہ دری کے باہر آ کر تھوڑی دیر اپنی کوٹھری کی طرف گئی پھر کچھ مذبذب ہو کر پلٹی تاکہ پہلے انجمن آرا کو خاص امام باڑے کی مجلس میں پہونچا آئے پھر جا کر کھانا کھائے پھر سے خیال ہوا کہ مجلس شروع ہونے میں دیر ہوگی وہ پہلے کھانا کھالے پھر خاص محل میں واپس آئے ۔ وہ پلٹی اور حیدر نواب کی حویلی تک پہنچی ہی تھی کہ اس کو ایک جوتے کی چرمر سنائی دی ۔ اندھیارے میں حیدر نواب قریب آتے دکھائی دیے تھوڑی دور پر سے انھوں نے کہا

"کون ؟ نوبہار"

"جی نواب"

"کوئی خاص بات ؟"

"جی کچھ نہیں آج بیگم آپ کو خوب دیکھا کیں"

"ہاں مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے یہ سنکر ۔ مگر نوبہار میں بے حد

جانا چاہیے"

"دیکھیے پھر آپ ویسی باتیں کرنے لگے"

"ہمارا قصہ تو ختم ہی ہو گیا تھا۔ تو نے ایک نیا باب کھول دیا"

تو میں اسکو یوں ہی چھوڑ دوں ختم نہ کروں"

"نہ یوں ہی ختم ہو جائیگا میں اب چلا یہاں سے"

"کیوں"

"دیکھو میں تم سے ایک بات بتاتا ہوں۔ اب تک سوائے چھوٹے بھائی صاحب کے کسی کو نہیں بتائی آج میرے پاس لفٹنٹ گورنر یعنی لاٹ صاحب کا خط آیا ہے۔ مجھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نامزد کر دیا ہے"

"یہ نوکری کیا ہے"

"پولیس تو تم جانتی ہی ہو"

"جی ہاں سپاہی۔ تھانیدار۔ اور سب سے اونچا ہوتا ہے انگریز اسے کہتے ہیں کپتان پولیس"

"ہاں۔ ہاں۔ تو سمجھو کہ کپتان کے نیچے ڈپٹی مجھے بنا دیا گیا ہے"

"یہ تو بہت اونچا عہدہ ہے تھانیدار تک جو چاہیں کر سکتے ہیں"

"عہدہ تو بہت اثر کا ہے"

"تو پھر آپ جو چاہیں کریں۔ پورا لکھنؤ لٹوا دیں"

"مگر اپنے فائدے کے لئے دوسروں کو لٹوانا۔ یہ تو انصاف نہیں"

"تو آپ یہاں سے چلے جائیں گے"

"جانا تو ہے ہی"

"میرا دل گھبرائے گا"

"میں تجھے کیسے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ دل تو میرا بھی بہت گھبرائے گا"

"جاؤں گی تو میں بھی نہیں کہیں نواب صاحب کو چھوڑ کر۔۔۔۔ ہاں آپ اور بیگم دونوں جہاں ایک گھر میں ہوں وہاں میں جاؤنگی مجھے دونوں کی محبت مل کر نواب صاحب کی محبت سے زیادہ ہے"

"ایسا ہونا خواب ہے"

"آپ پولیس کے افسر ہو کر یہ سب خواب کہتے ہیں"

"مس شمسے اور اس سے کیا تعلق"

"میں سوچ رہی ہوں کہ آپ کا عہدہ کسی طرح آپکی مدد نہیں کر سکتا"

"کسی طرح نہیں یہ معاملہ اور ہے"

"اچھا اس معاملے میں جو کچھ کر سکتی ہوں وہ میں کر سکتی ہوں"

"تو بھی کیا کر سکتی ہے"

"خیر کہیے۔ ایک دفع دیکھا ہے اور پھر دیکھنے کی خواہش ہے کہ نہیں"

"اس خواہش کو نہ چھیڑ تجھے۔ ٹھٹھولیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں"

"دیکھئے ان محرم کے دنوں میں بہت موقعے ملیں گے"

"ہاں مگر"

"یہ اگر مگر کچھ نہیں۔ ارے اب آپ کیا نہیں کر سکتے۔ کون کہنے والا ہے ایک دن اسی باغ کی دیوار پھلانگ کر بیگم کو گھوڑے پر بٹھا کر یہ جا وہ جا پتہ بھی نہ لگے گا کسی کو"

"یہ کیسی بات کہہ رہی ہے تو نوبہار۔ اف فوہ۔ اسکا خیال بھی میرے

رونگٹے کھڑے کیے دے رہا ہے کتنی بری بات ہے کتنی بدنامی۔ اور حضور ابا جان کا کیا حال ہوگا۔ اور پھر میں اپنے عشق کو ایسی حرکت سے خراب کروں"

"تو پھر جانے دیجیے۔ ایک چکی کا پاٹ کلیجے پر رکھ لیجیے۔ یہ عشق ہی کیوں کیا تھا"

"یہ تو لگائے نہ لگے ایسی آگ ہے"

"اور یہ آگ وصل کی طرف تو لپکتی ہے۔ اور اچھے برے سے اسے کیا مطلب۔ آگ اگر لگے تو وہ نیک آدمی کا بھی گھر جلا دیگی اور بد کا بھی آپنے وہ شعر نہیں سنا۔

عشق تا خامہ است، با خدا بتر نامی ننگ   بجۂ مغفذان جنون را کئی حیا تجربات

"کہہ تو کچھ صحیح ہی رہی ہے۔ مگر۔۔۔ خیر میں نے ایک انگریزی مثنوی کچھ پڑھی ہے۔ اسکا قصہ یہ ہے کہ ایک جوان رئیس زادہ ایک گھر کی رئیس زادی سے محبت کرتا ہے۔ ان دونوں گھروں میں لڑائی ہے اسلیے ان دونوں کی شادی نہیں ہوسکتی۔ خیر لڑکی کی شادی دوسری جگہ طے ہوکر برات کا دن آتا ہے اور برات کا ناچ شروع ہوتا ہے۔ انگریزوں میں یہ قاعدہ ہے کہ سب خاندان والے برات کے موقع پر مل مل کر ناچتے ہیں"

"اچھا قاعدہ ہے خوب"

"خیر تو برات کا ناچ ہو رہا ہے ان کے یہاں مجھے جیسے بارہ دری کے بیچ کے حصہ میں۔ اتنے میں وہی جوان۔ لو کشوا اس کا نام ہے اور وہ کہتا ہے کہ دولہن کے ساتھ مجھے ناچنے دیا جائے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا

سب جانتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور ناچ کو منع
کرنا ان کے یہاں سخت بدتمیزی ہے۔ خیر وہ دونوں ناچنے لگتے ہیں۔ ناچتے
ناچتے وہ اس بڑے ہال کے دروازے پر آگئے۔ بس تو کنوار نے اپنی محبوبہ کو
گود میں اٹھایا اور باہر آکر گھوڑے پر بٹھا کے بھاگ گیا۔ ایسا تیز گیا کہ کوئی
اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا"

قصہ تو بہت اچھا ہے۔ ایسا ہی کچھ تو وہ تھا نہیں ہندو راجا رائے
پتھورا۔ اس نے بھی کیا تھا"

"ہاں مگر ہمارا اخلاق یہ نہیں ہے"

"تو آپ کا اخلاق جب بادشاہوں کو سیدھی طرح ملک نہیں ملتا
تو [illegible] کر کے چھین لیتے ہیں۔ ویسی ہی بات ہے یہ بھی"

[illegible] لوکی لڑکی ہو نا مجھ کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے مگر میں تو نواب صاحب
[illegible] تھے تو یہ طریقہ برا ہی معلوم ہوتا ہے"

[illegible] نواب صاحب کے دل دکھنے کا مجھے بھی خیال ہوتا ہے بیچارے
[illegible] ان کا دل ایک طرف دکھے اور ان کا ایک طرف کسی کا تو
[illegible] دیکھیے یہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے"

[illegible] کہتا ہوا گزرا۔۔۔ "زنانی مجلس سے

[illegible]

[illegible] نے کہا "میں یہیں کھڑی رہ گئی۔ کھانا بھی نہیں
[illegible] میں پہنچا کے پھر آ کے کھاؤنگی"

(۶۴)

سات محرم کو رات کے وقت نواب صاحب کے یہاں مہندی
شان سے اٹھتی تھی۔ تمام جلوس کے ساتھ تابوت اور مہندی شہر میں ہوتی
ہوئی قصر الفضا میں آتی تھی۔ نواب صاحب بھی کمزوری کی وجہ سے تمام
راستہ ساتھ نہ چل سکے تھے۔ جب مہندی قصر الفضا کے پاس واپس آگئی
تھی تو پھر جا کر شریک ہو گئے تھے۔ جلوس سب صدر پھاٹک پر آکر ٹھہر
گیا تھا اور تابوت معہ مرثیہ خوانوں کے امام باڑے تک لایا گیا تھا۔
کوٹھوں پر سے بیگمات زیارت کر رہی تھیں۔ نوبہار اور انجمن
آرا بھی ایک طرف کھڑی تھیں۔ اتنے میں سب بیگمات نیچے اترنا
شروع ہوئیں۔ نوبہار نے کہا

"آئیے بیگم سب لوگ نیچے جا رہے ہیں"

"ٹھہر جا ابھی بھیڑ چھٹنے دے سب کو اتر جانے دے"

"اے صاحب زادی آئیے مہندی روشن کرنے کو امام باڑے میں"
ہرمزی خانم نے دروازہ کے پاس سے کہا۔

"آتی ہیں ذرا سب اتر جائیں" نوبہار نے جواب دیا

جب نوبہار اور انجمن سیڑھی سے بیس قدم دور تک آئی تھیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تھیں ایک دفعہ باغ میں مل کر پیک سے گئے ہیں ۔ آج کہنے لگے مہندی کے بعد موقع ہو باغ میں آج پھر لاؤ انہیں"

"تو تو نے کیا کہا"

"یہی کہ اندھے کے ہاتھ کی بٹیر لگی تو کہنے لگا روز شوربے سے کھاؤں گا۔ آج کے دن بیگم سب منت کی مہندی روشن کریں گے۔ آپ ہمیں سب کی نظروں سے ہٹ سکتی ہیں"

"ٹھیک سے کہا تو نے"

"چلیے بیگم ۔ اب سب اتر گئے ۔ آپ کی اتالیق انتظار کرتے کرتے اونگھ بھی گئیں ۔ دیکھوں ہیں کہ گئیں"

سب بیگمات اپنے اپنے محلات کے امام باڑوں میں مہندیاں روشن کرتی رہیں اور مجلسیں کرتی رہیں ۔ اسکے بعد خاصہ ہوا ۔ تو بہار نواب صاحب کو آرام کرانے کے بعد اپنا کھانا کھا کر انجمن آرا کے پاس واپس آئی خاص امام بارے کی مجلس کا وقت آیا اور سب بیگمات امام باڑے میں تشریف لائیں

یہ امام باڑہ ایک الگ عمارت نواب صاحب کی بارہ دری کے بالکل سامنے دکھن کی طرف واقع تھا ۔ اونچی دیوار کے بیچ میں ایک خوشنما پھاٹک کے ذریعہ اس کے اندر داخل ہوتے تھے ۔ اندر پہنچ کر پہلے ایک بہت بڑا صحن دکھائی دیتا تھا جس میں کئی ہزار آدمیوں کا مجمع سما سکتا تھا ۔ اسکے بعد ایک بڑا اور اونچا چبوترا تھا جس پر ہر وقت پھر ایک شامیانہ لگا رہتا تھا ۔ اسکے بعد بڑی بڑی اونچی محرابوں کا ایک بڑا دالان تھا جس میں در وازے لگے ہوئے تھے ۔ یہ حصہ بارہ دری کے برابر لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا ۔ اسکے پیچھے کوئی ایک مرد اونچی

شاہ نشین تھی جس میں سات دروازے لگے ہوئے تھے۔ اس شاہ نشین پر تعزیے تھے اور یہیں دیواروں پر علم وغیرہ کھڑے تھے۔ دالان میں اسی طرح جھاڑ فانوس اور قندیلیں وغیرہ لگی تھیں جیسے کہ بارہ دری میں۔ یہاں بھی زمین پر دری اور چاندنی کا فرش تھا۔ ایک طرف یعنی مشرق کی دیوار کے پاس سیاہ پوشش کا ممبر چلمنوں سے سجا ہوا رکھا تھا ممبر کے اِدھر اُدھر قالینوں کا فرش تھا

باہر والے مجلسوں کے لیے پورب کی طرف ایک پھاٹک تھا جو سڑک پر کھلتا تھا۔ اس پھاٹک پر دو سپاہیوں کا ہر وقت پہرہ محرم بھر رہتا تھا اور زنانی مجلس کے وقت اندر بھی دو خادمائیں یا لونڈیوں کا پہرہ رہتا تھا تاکہ یہ اندر آنے والی عورتوں پر نگاہ رکھیں

رات میں خاص زنانی مجلس شروع ہوتے وقت تمام قلعہ میں پردہ کرا دیا جاتا تھا اور بیگمات اپنے اپنے محلات سے نکل کر چمنوں کی روشوں پر ہو کر امام باڑے میں آ جاتی تھیں

خاص محل کے لوگ بجائے ڈیوڑھی سے ہو کر آنے کے کوٹھے پر جانے والے زینے کے پاس والے دروازے سے نکل کر امام باڑے میں آ جاتے تھے اکثر خاص محل صاحب کو چلنے میں کچھ ضعف محسوس ہوتا تھا تو کوئی لونڈی ان کو گود میں اٹھا کر لے جاتی تھی

آج ساتویں کو تمکیرے کے نیچے چبوترے پر مہندی کے طباق اور تخت جیسے ہوئے تھے۔ امام باڑے کے اندر زیادہ تر زنانہ مجلسی تھے چبوترے اور انگنائی میں کنڈر بھرا تھا

ممبر کے اِدھر اُدھر قالینوں پر تمام محلات آ کر بیٹھیں اور ان کے ساتھ

ان کی لڑکیاں تھیں مجلس شروع ہوئی۔ پہلے کئی جوڑ سوز خوان عورتوں کے
زمین پر پڑھتے رہے۔ اسکے بعد ایک تحت و لفظ خوان ممبر پر آئیں اور مرثیہ
تو تصنیف خاص انداز میں اشاروں کے ساتھ پڑھتی رہیں۔ اسکے
بعد ایک حدیث خوان نے ممبر پر جاکر ذکر کرنا شروع کیا۔

امام باڑے میں گرمی بہت تھی۔ گرمی کا اثر سب سے زیادہ نازک
انجمن آرا کے چہرے کو نڈھال کیے دے رہا تھا۔ وہ قالین پر اپنی ماں
کے پیچھے بیٹھی تھی۔ اس سے کچھ دور خالی زمین پر نوبہار اور فضیلت بیٹھی تھیں
حدیث خوان نے ذکر شروع ہی کیا تھا کہ انجمن آرا بے بس ہو کر چپکے سے
اپنی ماں سے بولی،

"دولہن اماں میری تو عجب حالت ہوئی جاتی ہے" اور اسنے
بوکھلا کے نوبہار کی طرف دیکھا۔ نوبہار فوراً پاس آ گئی،،

چھوٹی بہو صاحب نے کہا "باہر لے جا ہوا میں" اور نوبہار انجمن کو
سہارا دیے ہوئے انگنائی میں لے آئی۔ کدر میں سے انجمن کو وہ نکالتی
ہوئی امام باڑے کے پیچھے کھلی جگہ پہنچی۔ یہاں پر کئی تخت پڑے تھے جن
میں سے کچھ حصے کو کرتے رکھے ہوئے تھے اور ایک تخت خالی تھا
اس تخت پر اسنے انجمن آرا کو لٹا دیا اور وہ اور فضیلت پنکھا جھلنے لگیں
انجمن آرا کی طبیعت ٹھیک ہوئی۔

حصہ لیکن رکھوالی کرنے کے لیے ایک لونڈی وہاں تھی اسنے کہا
"دو نوبہار بہن ذرا ادھر لگا دو [illegible] ذرا پیشاب کر آؤں"
اور وہ چلی گئی فضیلت [illegible] بیگم ابھی آتی ہوں اور وہ بھی چلی گئی
نوبہار اور انجمن آرا اکیلی تھیں [illegible] آج میاں خوب [illegible]

ہونگے باغ میں"

"کیسے"

"باغ میں انتظار کر رہے ہونگے صاحبزادے عالم ٹہل رہے ہونگے یا بسیرہ لے رہے ہونگے کسی پیڑ کے نیچے"

"تو نے ان کو باغ میں بلایا تھا مجھ سے نہیں کہا"

"جی ہاں ستانے کے لیے میں نے کہا تھا کہ آپ باغ میں آجائیگا موقع ملا تو ہم آئیں گے گھڑی بھر کے لئے"

"تو پھر اب"

"موقع بالکل نہیں ہے۔ حدیث خوانی ہو رہی ہے۔ اسکے بعد ماتم ہو کر مجلس ختم ہو جائیگی اور آپ کی طبیعت بھی اچھی نہیں ہے"

"تو ان کو بڑی پریشانی ہوگی"

"ہونے دیجیے۔ عشق کی راہ میں کہیں ہر جگہ لڈو پیڑے تو نہیں بٹتے ہوتے ہیں"

"اچھا میں یہاں لیٹی ہوں تو جاکے انسے کہہ آ کہ وہ جائیں فضول پریشان نہ ہوں"

"میں تو نہیں جاؤنگی آپ کو اکیلا چھوڑ کے۔ رہنے دیجیے انہیں وہ بسیرا لے رہے ہونگے کسی پیڑ کے نیچے"

"نہیں مجھے برا لگ رہا ہے"

"تو آپ جیسے مجھ سے زیادہ چاہتی [illegible]"

"میں کیا [illegible] چاہتی ہے [illegible]"

"جی [illegible] آپ سے [illegible]"

"اچھا تیرے تو وہ ہاتھ میں ہیں"

"یہی تو نہیں ہے بیگم - وہ آپ کے ہاتھ میں ہیں اور میری چاہت یہ ہے کہ جو انکی خوشی وہ میری خوشی"

حصہ کی نگران واپس آگئی اور نوبہار نے اسکو دیکھ کر کہا "میری بہن ذرا فضیلت کو آواز دے لے"

وہ باہر چلی گئی تو نوبہار نے کہا

"جی ہاں بیگم عشق کے معنے یہی ہیں کہ معشوق کے دل کی بات کو اپنے دل کی بات پر ہمیشہ ترجیح دی جائے"

"یہ تو - تو عجب بات کہہ رہی ہے"

"جی ہاں بیگم آپکے خاندانی اخلاق کی رو سے عجب بات ہے مگر میں تو اس تعلیم پر لگائی گئی ہوں کہ دوسروں کے لئے زندہ رہوں - آپ کے یہاں تو ہر طرف خود پسندی کا دور ہے - نواب صاحب مجھے بہت پیارے ہیں مگر وہ بھی میں دیکھتی ہوں بالکل خود غرض ہیں - دوسروں کا کوئی خیال نہیں انہیں"

"ہمارے دادا ابا تو بڑے فیاض ہیں بہت روپئے بانٹتے ہیں"

"فیاضی بیگم روپیہ بانٹنے میں نہیں ہے - دل بدست آور کہ حج اکبر است - سچی فیاضی تو یہ ہے کہ سچے دلوں کے لیے برباد کردیں میرے استاد ... اپنے تئیں"

فضیلت آگئی اور بولی "صاحبزادی صاحب کیا حکم ہے"

نوبہار بولی "ماتم تو ابھی دیر تک ہوگا اور پھر حصہ بٹے گا - چل بیگم محل میں چلیں گی - یہاں تخت پر بیٹھ کر چلی جاتی ہے"

"اور چھوٹی بہو صاحب سے تو پوچھ لوں"

"نہیں۔ انہوں نے اجازت دے دی ہے"
تینوں خاص محل میں آ گئیں اور انجمن آرا انگنائی میں اپنے چھپر کھٹ پر لیٹ گئی۔ دونوں لونڈیاں پٹی کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں یہاں تک کہ باجے بجنے کی آواز آئی۔ فضیلت بولی "مجلس ختم ہو گئی میں اپنا حصہ لے آؤں"
"اور میرا بھی لیتی آنا" نوبہار نے کہا اور فضیلت دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ انجمن نے تکیہ پر سے منہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا اور بولی
"مجھے رہ رہ کے ان کی پریشانی کا دھیان آ رہا ہے"
"جانے بھی دیجئے بیگم میں ان کو سمجھا دونگی جا کے۔ اچھا تو میں کیا بات کہہ رہی تھی"
"تیری باتیں عجب طرح کی ہیں۔ کچھ میری سمجھ میں آتی ہیں کچھ نہیں آتیں جب تو ایسی باتیں کرتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میرے دماغ کی رگوں کو تان رہا ہے"
"تو میں ایسی باتیں نہ کیا کروں"
"نہیں نہیں تیری باتیں اچھی لگتی ہیں مجھے بہت پوری سمجھ میں نہیں آتیں"
"جانے دیجئے بیگم مجھے نہ آپ کو اور نہ ان کو کسی کو بھی سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا دھیان اپنے مقصد کی طرف ہے۔ میں اسکو پورا کرونگی۔ اگر ناکامیاب رہی تو یہی سہی"
لوگوں کے آنے کی چاپ سنائی دی اور ایک ایک کر کے سب سوتی گئیں۔ انگنائی میں سب کی چھپر کھٹ بچھی ہوئی تھیں سب آ آ کر ان پہ

بیٹھی گئیں۔ نوبہار رخصت ہوکر باہر آئی اور ادھر ادھر دیکھتی ہوئی باغ کے دروازے پر پہنچی۔ دروازہ کھول کر اندر آئی اور آگے بڑھتی چلی گئی حیدر نواب دروازے پر نگاہ لگائے بیٹھے ہی تھے پیڑ کے نیچے سے جہاں وہ بیٹھے تھے انہوں نے کچھ کھڑبڑاہٹ پیدا کی۔ نوبہار نے دبی زبان سے کہا

"اچھا آپ ابھی تک ہیں"

"مجلس ختم ہونے پر مجھے کامل ناامیدی ہو گئی تھی۔ مگر یہ یقین تھا کہ تو ضرور آئیگی"

"اور میں آ بھی گئی اب چلیے"

"تم تو ادھر واپس جاؤ گی"

"نہیں۔ آپ کے ساتھ۔ دیکھوں میں اب بھی رسے پر چڑھ لیتی ہوں"

یہ کہکر وہ دونوں باغ کی دیوار تک آئے۔ نوبہار نے پیڑ کے تنے سے لٹکا ہوا رسا پکڑا اور پھر زحمت کے بعد پیڑ پر پہنچ گئی اس رسے کے سہارے وہ باغ کے باہر اتری اور رسے کو اندر پھینک دیا۔ حیدر نواب بھی اسی طرح باغ کے باہر آئے۔

دونوں ساتھ ساتھ سڑک پر چلے۔ راستے میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ پہلے کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر نوبہار نے کہا

"بیگم کو آپ پر بڑا ترس آ رہا تھا"

"اچھا۔ اور اب ان کی طبیعت کیسی ہے"

"بالکل ٹھیک ۔ نزاکت کا پتلہ تو ہیں ہی ذرا میں دھان فرا میں پان اوپر کر پھر عشق کا بار گران"

"ہائے نو بہار میں کیسا خوش نصیب ہوں کہ وہ مجھے چاہتی ہیں"

"اور مجھے تو ان سے زیادہ خیال ہے آپکا"

"میں یوں بھی بہت خوش قسمت ہوں ۔ تیری محبت کی مجھے کتنی قدر ہے ۔ کاش کہ میں نے پہلے تجھی کو دیکھا ہوتا"

"نہیں ۔ یہ آپ کیا کہتے ہیں ۔ میں بیگم کو آپ سے زیادہ چاہتی ہوں"

"مجھ سے زیادہ ؟"

"جی ہاں ۔ دونوں معنوں میں جتنا آپ کو چاہتی ہوں اس سے زیادہ بیگم کو چاہتی ہوں اور جتنا آپ بیگم کو چاہ سکتے ہیں اس سے زیادہ میں ان کو چاہتی ہوں"

"تم سچ کہتی ہو ۔ تمہاری محبت بہت اعلیٰ ہے ۔۔۔۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ تو لونڈی اور پھر اتنی عالی خیال"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتی ۔۔۔۔۔ میں جو کچھ ہوں وہ ہوں ۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں نے آنکھ کھولی ڈاکوؤں کے درمیان میرا معلم ، استاد ، باپ جو کچھ کہئے اس نے مجھے جو کچھ بتا دیا میں وہ ہوں وہ اگر نہ پکڑا جاتا تو میں یہاں کہاں ہوتی ابھی جب میں رسے پر چڑھ رہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ میرے پیارے وہ مجھے رسے کا کودنا ، نہ پھیرنا سکھایا کرتا تھا اس جنگل میں جہاں ہم دونوں رہتے تھے کیا پیارا جنگل تھا"

"وہ بھی عجب شخص ہوگا۔ تجھے کامل بنادیا اسنے"
"آج مجھے رات بھر اسکا خیال رہے گا نواب"
"وہ ڈاکو تھا۔ انگریزی میں ایسے لوگوں کو آؤٹ لا کہتے ہیں یعنی وہ جو غلط قانون کو توڑنے کے لیے اسکے خلاف ورزی کرتے ہیں۔ انگریزوں کی تاریخ ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے"
"یہ میں کچھ نہیں جانتی اسکی روح میرے تن میں آگئی"
"تو مجھ سے چھوٹی ہے ضرور"
"اس سے آپ کا کیا مطلب"
"مطلب یہ کہ پھر بھی تو میری استاد ہے۔ مجھے اس وقت انگریزی شاعر ورڈسورتھ کے کچھ اشعار یاد آرہے ہیں مگر تو ان کو کیا سمجھے گی"
"جانے بھی دیجیے وہ سب کہیں میری تعریف ہوگی ان میں تو شاید میں بھٹک جاؤں اپنی راہ سے"
"شاعر چاہتا ہے کہ سب عورتیں تیری ہی سی ہونا چاہیے"
"اور بیگم کی ایسی؟"
"تم میرا مطلب نہیں سمجھ رہی ہو"
جانے دیجئے۔ لیجئے ادھر سے آپ اپنے دولت کدہ کو سدھاریے اور میں وہ دیکھے میرا پاہی آرہا ہے اسکے ساتھ اپنے لونڈی خانے چلی جاؤنگی"
"میں ادھر سے تجھے سوچتا ہوا نکل جاؤنگا"
"واہ ہوا واہ خوب صاحبزادے عالم میں کوئی میم صاحب

ہوں جن کو دروازے تک پہنچا ناخوش اخلاقی ہو آپ اپنی راہ جائیے میں اپنی جاتی ہوں۔ وہ میرا ایسا ہی گشت پر ہے یہی میرے ساتھ ہو جائے گا۔"

(۶۵)

آٹھویں تاریخ محرم خاص حاضری کی مجلس کا دن تھا۔ روز تو مردانی مجلس دن کے کھانے کے بعد ہوا کرتی تھی مگر آج کے دن صبح تڑکے ہی سے شروع ہو جاتی تھی۔ اس مجلس میں اتنی بھیڑ ہوا کرتی تھی کہ امام باڑے کا صحن بھرنے کے بعد چمن میں اور بارہ دری تک آدمی پھیلے ہوتے تھے حصہ قصر الفضا کے صدر پھاٹک پر بانٹا جاتا تھا مجلس بہت ہی جلدی ختم ہو جاتی تھی مگر حصہ بٹتے بٹتے دوپہر ہو جاتی۔ اس کے بعد حاضری کا دسترخوان ہوتا تھا

باہر حصہ بٹ رہا تھا انجمن چھپر کھٹ پر بیٹھی تھی اور نو بہار باہر سے آکر اسکے پاس پیڑھی پر بیٹھ گئی

"مجلس دیکھ آئی نو بہار؟"

"بیگم کھچا کھچ آدمی بھرے ہیں۔ چمن تک میں بھیڑ ہے۔ سب کیاریاں پھولوں کے درخت روندے ڈال رہے ہیں اور انتظام ان کے سپرد ہے۔"

"اچھا! آج کے دن تو سارا شہر امنڈ آتا ہے۔ روٹی شیرمال کا

حصہ لینے"

"انہوں نے حصے کا انتظام بہت اچھا کیا ہے پہلے تو ہاتھ میں شیرمال اور روٹی پکڑا دی جاتی تھی اور اسکے اندر حلوہ کباب وغیرہ رکھے ہوتے تھے۔ سب پھاٹک ہی پر گر جاتے تھے۔ پھاٹک کی زمین پر سب پیروں سے کچلے ہوئے پڑے ہوتے تھے"

"تو اب انہوں نے کیا کیا"

"انہوں نے ایک ایک گاڑھے کا رومال اور ایک ایک مٹی کا سکورا بڑھا دیا ہے۔ سکورے میں حلوہ اور کباب پیاز مولی سب رکھی اسپر ایک شیرمال تہ کر کے رکھ دی اور رومال میں سب باندھ دیا۔ ایک حصہ ہو گیا۔ ایسے سب حصے بندھوا کے ٹوکروں میں رکھ دئے گئے ہیں۔ ٹوکرے [illegible] ہوئے ہیں۔ حصے سب گنے ہوئے ہیں۔ یہ ٹوکرے پھاٹک کے پاس [illegible] ہوئے ہیں۔ دو آدمی ٹوکرا لیکر منشی منظور علی اور امام باڑے والے [illegible] کے پاس کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اٹھا اٹھا کر لوگوں کو دیتے جاتے ہیں۔ [illegible] حیدر نواب بھی کرسی بچھائے بیٹھے ہیں اور سب دیکھتے جاتے ہیں میں تو سب دیکھ کے آ رہی ہوں"

"[illegible] ہی امان ہیں اب تک سب ہیں"

"[illegible] کوٹھے پر بھی ہو آئی۔ شاہ آرا بیگم بھی تخت پر بیٹھی ہوئی [illegible] پھول رہی ہیں"

"[illegible] ہم بھی چلیں"

[illegible] ان دونوں نے بھی سوراخوں سے جھانکنا شروع کیا شاہ [illegible] نے کہا [illegible] آج تو بڑی دیر میں آئیں بہت بھیڑ نکل گئی"

"مگر اب بھی تو اتنے ایک لوگ ہیں" انجمن نے جھانکتے ہوئے کہا۔ نوبہار دور تک سوراخوں میں جھانکتی چلی گئی پھر اکر بولی "ادھر کونے کے سوراخ سے خوب دکھائی دے رہا ہے" انجمن اس کے ساتھ کونے میں گئی

"دیکھیے وہ ابّا"

"کہاں ؟"

"وہ محراب کے پاس پھاٹک کی"

"ہاں دیکھا"

"دیکھئے خدا ان کی بات رکھ لے حصّے انہوں نے پہلے سے آدھے بنوائے ہیں۔ ان کی رائے یہ تھی کہ حصّے برباد بہت جاتے تھے اور چوری بھی بہت ہوتی تھی۔ اسلئے انہوں نے رومال اور سکورے کا خرچہ تو بڑھا دیا مگر پورے خرچہ میں نصف کی کفایت کر دی۔ اور خود وہاں موجود ہیں تاکہ چوری نہ ہو"

"اچھا"

"میں نے پوچھا تھا کہ اگر کم ہو گئے حصّے تو کیا ہوگا۔ تو کہنے لگے کہ محلے والوں کے حصوں کا پھر سے انتظام کر لیا جائیگا۔ مگر انہیں امید ہے کہ کافی بچ جائیگا کیونکہ چوری نہیں ہونے پائیگی۔ وہ کہنے لگے کہ بیس ہزار سے زیادہ آدمی نہیں آ سکتے اور بیس کا انتظام کیا انہوں نے۔

"پہلے کتنوں کا انتظام ہوتا تھا"

"پچاس [illegible] وہ کہتے تھے کہ اتنے آدمی تو شہر میں مجلس [illegible] بیگم [illegible] الکھ آدمی ہیں سب تو نہ

ملا کر"

"اس مجلس مین تو خالی شیعہ شیعہ آتے ہین"

"جی ان بیگم حاضری کی مجلس میں اور کون آئیگا۔ آج کے دن سنی نوکروں کو فرصت مل جاتی ہے اور سب باہر کہین چلے جاتے ہین"

"سُنا کہ بہت سنی بھی حصہ کے مارے آتے ہین"

"ہے تو ممکن بیگم۔ پیٹ کے لیے کیا کچھ نہیں آدمی کرتا۔ پھر گھر جا کے توبہ کر لیتے ہونگے"

"اگر ان کے مذہب کے خلاف باتین کی جاتی ہیں آج کے دن تو وہ آئین کیوں"

"بیوی یتیم مال اور روٹی کے مارے آتے ہین غریب بیچارے۔ ابکی تو مین جانتی ہون کوئی بھی نہیں کچھ کہہ رہا ہے جو اپنے جی سے چاہے کہے اور جو نہ چاہے نہ کہے۔ انہوں نے کہا کہ کہلواہی کے حصہ دینا غلط بات ہے اور دیر بھی بہت لگتی تھی"

"اس لئے مجمع جلدی جلدی چھنٹ رہا ہے"

"اب کیا ہے حصہ لو چلو حصہ لو چلو"

"مین دیکھ رہی ہون کیسے کیسے آدمی بھرے ہین"

"اور بیگم کیسے بے فکرے لوگ ہین بیگم۔ وہ دیکھیے ادھر نہر کے اس کنارے پر مزے مین بیٹھے کچھ کھیل رہے ہین"

"ہان ہان"

"اور رفیم بھی کھل رہی ہے بیگم اسی تاڑ والے پیڑ کے نیچے۔ اچھا میر کلو بھی ہین وہ دیکھیے۔ نواب صاحب کے منت والے سبز کپڑے ان کو مل

بھی گئے۔ یہ سب ان کے ساتھی لوگ ہیں۔ ان کو انہوں نے پکڑ کے پیچھے جمع کیا"

"یہ میر کلو تو کٹھر دن میں معلوم ہی نہیں ہوتے۔ بس کپڑے ہی کپڑے جیسے آپ ہی آپ پھدک رہے ہیں۔ یہ قرار سے بیٹھتے کیوں نہیں"

"ان کو افیم ہر وقت اچکا یا ہی کرتی ہے اور بیگم وہ دیکھئے نہر میں پیر لٹکائے ہوئے کیسے مسکین بیزار معلوم ہوتے ہیں اپنی جان سے"

"ارے یہ ادھر چمن میں لونڈے یہ منت کا کرتا ٹوپی پہننے کیا کر رہے ہیں"

"یہ تو بیگم زمین کی طرف انگلیاں دکھا رہے ہیں اور یہ کہہ کیا رہے ہیں"

"نہ معلوم"

"اچھا۔ اب میں سمجھی۔ زمین پر تلہ بنایا ہے"

"اچھا ہاں .... بھیڑ ختم ہی نہیں ہوتی نگوڑی"

انجمن آرا کونے سے ہٹ کر تختوں پر شاہ آرا کے پاس آکر بیٹھ گئی

چھوٹی بہو صاحب بھی قریب ہی بیٹھی تھیں وہ بولیں "بٹی کیا کھڑے کھڑے تھک گئیں"

"جی ہاں دولہن اماں"

"میری بچی کتنی دبلی ہوتی جا رہی ہے"

"میں تم سے ہمیشہ کہتی تھی کہ لڑکی کی تاک کرو" بڑی بہو صاحب نے کہا

"بڑی بیگم صاحب نے غور سے انجمن کو دیکھا اور کہا "تھک گئیں تو جاؤ آرام کرو بیٹی اپنی طرف"

انجمن آرا اور نوبہار اپنی طرف آگئیں۔ انجمن چھپر کھٹ پہ لیٹے

گئی اور نوبہار پاس سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ انجمن بولی

"اب دیکھو کب تک خصہ بنتا ہے"

"ابکی جلدی بٹ جائیگا دوپہر سے بہت پہلے"

"مگر دسترخوان تو وہی دوپہر ہی کو ہوگی"

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ نصیبا ت تو آج چھٹی پر ہے سنی ہے نا"

"اچھا نوبہار تیرا کیا مذہب ہے؟"

"جو نواب صاحب کا آپ کا مذہب وہ میرا مذہب"

"تیرا وہ ڈاکو باپ جو تھا اسکا کیا مذہب تھا"

"اسکا کوئی مذہب نہ تھا"

"آخر ہاتھ باندھ کے نماز پڑھتا تھا کہ کھول کے"

"اسنے کبھی نماز نہیں پڑھی میرے سامنے"

"تو وہ شاید ہندو تھا"

"تھا وہ مسلمان۔ یہ مجھے نہیں معلوم کہ جس گھر سے وہ مجھے اٹھالایا تھا وہاں کے لوگ کون تھے"

"اور وہ تارک الصلاۃ تھا"

"وہ کہا کرتا تھا کہ یہ سب مذہب ڈھونگ ہیں۔ مولویوں کی کمائی کا ذریعہ اور رئیسوں کے لیے اپنے کو پوجوانے کا ذریعہ"

"ائیں یہ کیا کہتا تھا وہ ایسی بات۔ ہائے ہائے"

"کہتا تو تھا سچ وہ بیگم"

"مجھے ایسی باتیں نہیں اچھی لگتیں"

"اور وہ کہتا تھا ہمارا مذہب ہے دوسروں کی مدد کرنا۔ ہر شخص کی

مصیبت میں کام آنا،،

''یہ تو ٹھیک ہے۔ ہمارے ائمہ بھی یہی کہتے تھے۔ یہ تو ہمارے بھی مذہب میں ہے''

''مگر ان مولاناؤں اور ان رئیسوں کے مارے ان پہ کوئی عمل نہیں کرتا ہے''

''کیوں وہ عمل کیوں نہیں کرتے،،

''کہاں عمل کرتے ہیں اپنے مطالب کے حساب سے رئیس مذہب کو مڑوڑتے ہیں اور مولانا ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں''

''یہ کیسے تو کہتی ہے''

''دیکھئے ہر طرف اندھیر ہے۔ ایک موٹی سی بات ہے کہ مذہب نے کہا ہے کہ شادی کرو تو لڑکے اور لڑکی دونوں کی رائے لو۔ جب دونوں کی رائے ہو جائے تو نکاح پڑھا جائے''

''تو پوچھا تو جاتا ہے دولہا اور دلہن دونوں سے''

''جی ہاں یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ کیسے پوچھا جاتا ہے۔ ابھی شاہ آرا صاحبزادی کی شادی ہوئی تو کیا کیا گیا ہر طرف عورتیں دبیئے ہوئے بیٹھی تھیں اور زبردستی ان سے 'ہوں' کرائی گئی''

''تو رائے تو ہو گئی لڑکی کی آخر وہ ہوں کرتی ہے''

''اچھا یوں سمجھے کہ آپ کی شادی جہاں ٹھہری وہاں ہو گی تو آپ کو ہوں کرنا ہی پڑیگی۔ کیا وہ ہوں آپ کے دل سے نکلے گی''

''میری اور بات ہے''

''سب لڑکیوں کی اور بات ہوتی ہے بیگم۔ سب لڑکیاں شاد م ہیں

کی طرح بھولی بھالی بے غرض نہیں ہوتیں آپ کیا جانیں کہ کتنی لڑکیوں کو اپنی رائے کے خلاف ہوں کرنا پڑتی ہے اور پھر وہ روتے روتے زندگی کے دن پورے کرتی ہیں بیسیوں دق سے مر جاتی ہیں۔ یہ آپ کی تہذیب ہے۔ آپ کے خاندانی قاعدے"

"وہاں زبردستی تو ہے اس میں۔ مگر کوئی لڑکی اس کے خلاف نہیں کرتی"

"کیسے کر سکتی ہے بیگم عورت ذات ویسے ہی ہر عورت کنیز ہی ہوتی ہے۔ کوئی چھپر کھٹ پر بیٹھنے والی کوئی پیڑھی پر کوئی بالکل ہر وقت ایک ٹانگ سے کھڑی رہنے والی۔ میرے باپ نے یہ چیز تو مجھ کو خاص طور پر سمجھائی تھی"

"وہ بھی عجب آدمی تھا"

"ہائے وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔ کل رات بھر وہ آنکھوں کے سامنے رہا خواب میں آیا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا بالکل نواب صاحب کی طرح"

"وہ تیرا سچ مچ کا باپ تو تھا نہیں"

یوں تو آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میرے اوپر یہ شعر صادق آتا ہے

دورش دایہ کو نہ جانوں نہ کنار مادر — پرورش یافتہ ہوں دامن صحرا جز

گو میں نے ہوش سنبھالا تو اسی کو دیکھا۔ میرا گھر کہاں تھا مجھے کچھ یاد نہیں اس نے مجھے یہ بتایا تھا وہ میرا کوئی نہیں تھا مگر میرے ماں باپ کون تھے یہ اس نے نہیں بتایا۔ شاید بتاتا بھی مگر میں جیسا آپ سے کہہ چکی ہوں وہ پکڑا ہی گیا اور میں چور راستے سے بھاگی تو

مجھے لڑکیاں بیچنے والے پکڑ لائے۔ مگر بیگم اچھا ہوا جو مین یہان بکی نواب صاحب اور آپ اور حیدر نواب۔ مین بہت خوش ہون۔ اس ایک کے بجائے مجھے تین چاہنے والے مل گئے.......،،

نوبہار بات ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ ایک نوکرانی کے آنے کی آواز سنائی دی اور اسنے آکر کہا "صاحبزادی حضور بیگم صاحب دستر خوان پر بلا رہی ہین،،

"آئین۔ آج اتنی جلدی،،

"باہر سے خبر آئی کہ مجلس ختم ہو گئی دستر خوان ہو،،

(۶۶)

باہر بادری کے بیٹھک والے حصے مین نواب صاحب تشریف فرما تھے حیدر نواب نے آکر سلام کیا اور عرض کی "حضور حصے سب تقسیم ہو گئے،،

"آئین۔ اتنی جلدی۔ آدمی تو بہت کافی تھے،،

"جی ہان حضور"

"بھئی کمال کر دیا برخوردار۔ اور حصے تو کم نہیں پڑے،،

"قریب پانچ ہزار حصے بچ گئے،،

"آئین بچ گئے۔ خوب۔ کمال کر دیا تم نے تو بیٹے،،

"حضور میں،، میر کلو بولے "تو عرض کرتا ہوں کہ یہ انگریزی

زبان کیا کہوں قیامت کا اثر رکھتی ہے۔ قیامت کا حضور۔ بلا کی زبان ہے۔ ادھر اس زبان کو سیکھا اور چودہ طبق روشن ہو گئے۔ بس سیکھنے کی دیر ہے کوئی کام کروا لیجئے حضور انگریزی داں سے بس دیکھیے کیسا اچھا ہوتا ہے"

"آپ بھی تو انگریزی داں ہیں" میر عنایت حسین نے کہا،

"اور پوچھ لیجئے میری رائے شامل تھی آپ کے حصہ میں کہ نہیں"

"جی ہاں میں نے آپ سے جب ذکر کیا کہ روپیوں میں حصہ دیا جائے تو آپ نے کہا تھا کہ حصہ کی شان بڑھ جائیگی۔ میں نے سوچا اس سے کئی اور فائدے سمجھ میں آئے"

"اب یہ دوسری بات ہے نواب عمل کیا آپ نے اسی میری رائے پر"

"خیر" نواب صاحب نے کہا "اچھا میں سوچ رہا ہوں کہ حیدر تم کو منتظم بنا دوں ہر کام کا"

"نہیں حضور یہ غلام یوں ہی حاضر ہے جب حکم ہو۔ آخر منتظم بنا دینے میں کیا خصوصیت ہے"

"میرا مطلب یہ ہے کہ سلطان علی خان کی تم مدد کیا کرو ہر کام میں"

"سرکار میں تو آپ کے غلاموں کی مدد کرتا اگر مجھے تو جانا ہے"

"ائیں یہ کیا کہہ رہے ہو"

"سرکار انگریزی نوکری کا حکم آ گیا ہے میرے لئے"

"واللہ نواب" میر کلو بولے "میں نے ابھی کل ہی خواب دیکھا کہ آپ انجنیئر ہو گئے اور نہر کے معائنہ کے لیے چلے جا رہے ہیں بگھی پر"

"اور آپ ہمارے پاس بیٹھے ہیں اور سیر ۔ کیوں میر کلو صاحب"

"جی ہاں یہی خدا آپ کو سلامت رکھے ۔ بالکل یہی ۔ سبز زبان بود مرا ہر چہ ترا در دل بود ۔ ۔ ۔"

"کیا تمہارے پاس حکم آ گیا ہے"

"جی حضور آپ کے سامنے میں غلط حرف زباں پر لا سکتا ہوں پہلی محرم کو حکم میرے پاس آ گیا تھا محرم کی وجہ سے میں نے ذکر نہیں کیا آج باتوں میں ذکر کرنا ہی پڑا"

"تو کیا عہدہ ملا تم کو ؟"

"ڈپٹی سپرانٹنڈنٹ پولیس"

"تو آپ انجینیر نہیں ہوئے ہائے افسوس محرم میں اور کیا ہوتا"

"تو آپ کیوں افسوس کرتے ہیں میر کلو صاحب آپ اور سیر نہیں تھانیدار ہو جائیں گے"

"تھانیدار آپ کو واللہ" یہ تو بڑی عمدہ نوکری ہو گی ۔ دن رات گھر میں روپیے آئیں گے یہ تو بڑی ہی اچھی نوکری ملی آپ کو اور سیر ہی میں سیر تھی ۔ یہاں تو نقدلیں گے اور سیر ۔ ۔ ۔ ۔

"ٹھہرو میر کلو مجھے بات تو کہہ لینے دو پوری" نواب صاحب نے کہا اور میر کلو چپ ہو کر بیٹھ گئے تو پھر نواب صاحب نے پوچھا "ہاں یہ عہدہ کیا نام لیا تم نے اسکا ۔ یہ کیا ہوا"

"وہ پولیس کا اعلے عہدہ ہے حضور ابا جان"

"اور تنخواہ کیا ہو گی ؟"

"ساڑھے چار سو علاوہ بنگلہ اور سواری اور بھتہ"

"تنخواہ تو بہت قلیل ہے"

"حضور اجازت ہو تو کچھ عرض کروں،" میر کلو نے دست بستہ کہا
نواب صاحب مسکرائے تو پھر وہ بولے "تنخواہ تو حضور والا نام
کی ہوا کرتی ہے۔ چار لاکھ مل جائیں۔ چار کروڑ مل جائیں۔ چار ارب مل
جائیں تو زیادہ نہیں سرکار۔ اس حقیر کو تھانیداری میں روپئے تو
ملیں گے کوئی چالیس پچاس مگر ہزاروں کے وارے نیارے رہتے
دن رات"

"جیسے آپ بھی تھانیدار ہو ہی گئے،" میر عنایت حسین بولے
"این را چہ شک۔ اچھا میر صاحب۔ دیکھیے گا۔ انشاءاللہ"
"اچھا ان سب باتوں کو جانے دو" نواب صاحب نے کہا اور پھر
مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا
"مولوی صاحب دسترخوان تو میں دوپہر کے وقت ہوتا تھا اور
اور اس وقت مجلس ختم ہوا کرتی تھی۔ آج جلدی ختم ہو گئی تو کیا کیا
جائے"

"حضور دسترخوان تو کسی وقت ہو سکتا ہے۔ ابھی آپ حکم
فرما دیجئے" مولوی صاحب نے کہا
"اچھا تو ٹھیک ہے۔ یہی کہلا بھیجو منشی جی محلات میں"
حیدر نواب کے کندھے کا سہارا لیکر نواب صاحب
اٹھ کھڑے ہوئے

نویں تاریخ رات کو زنانی مجلس شروع ہوئی۔ شب شہادت
کی وجہ سے مجلس عموماً سے زیادہ طویل ہوئی تھی۔ تمام بیگمات اپنی
اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تھیں انجمن آرا بھی اپنی ماں کے پیچھے بیٹھی تھی۔ ماں
نے نوبہار سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر صاحبزادی کو گرمی لگے
تو فوراً۔ باہر لیجانا اور ذرا ادھر ادھر ٹہلانا
تھوڑی ہی دیر کے بعد انجمن آرا کو بہت گرمی لگنے لگی اور
نوبہار اس کو فوراً امام باڑے کے باہر نکال لائی۔ صحن میں بھی بہت بھیڑ
تھی اسلئے دونوں خاص محل اور باغ کے درمیان گلیارے میں ٹہلتی رہیں
کئی دفعہ باغ کے دروازے تک آئیں اور گئیں۔ پھر الدم سے
دونوں باغ کے اندر ہو گئیں
ان دونوں کو آتا دیکھ کر حیدر نواب پیڑ کے سائے سے چاندنی
میں آئے۔ دونوں ان کی طرف بڑھتی گئیں اور وہ ان دونوں کی طرف
حیدر نواب کوئی دس قدم دور ہونگے کہ انجمن آرا منھ پھیر کر کھڑی
ہو گئی۔ نوبہار بولی
"دیکھیے بیگم آخر اس آنے جانے سے فائدہ کیا۔ فضول ہم یہ سب
کرتے ہیں جان پر کھیل کر"
"بیگم میں بھی اس دن سے یہ شعر پڑھ رہا ہوں ؎

بجلی اک کوندھ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

کچھ قدم چل کر حیدر نواب انجمن آرا کے پاس آئے اور بولے، "کیوں بیگم ہم سے اتنی شرم ہم تو تمہیں روز بے حجابانہ دیکھتے ہیں"

انجمن آرا نے اپنی مست آنکھیں کچھ اٹھا کر ان کو دیکھا اور پھر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اسکے گورے چہرہ پر سیاہ دوپٹے کا عکس عجب نزاکت کا نقشہ کھینچ رہا تھا۔ پھر حیدر نواب نے کہا

"بیگم تم مجھ سے اسقدر قریب ہو کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں"

بیگم نے آنکھیں جھکائے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھری

نوبہار کچھ دور پر کھڑی تھی۔ وہیں سے بولی "بیگم کچھ تو بولیے"

اور بیگم نے نوبہار کی طرف رخ کر کے کہا "کیا کہوں کچھ سمجھ میں آتا نہیں"

اس آواز کے نرم اور نازک ترنم نے حیدر نواب کا دل ہلا دیا۔ بیگم جھٹک کر نوبہار کے پاس آ گئیں اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔ نوبہار نے کہا

"اے بیگم آپ کانپ رہی ہیں۔ آخر کیوں۔ یہ آپ کے حیدر نواب ہی تو ہیں۔ ان سے باتیں کیجئے"

بیگم خاموش ہی رہیں مگر حیدر نواب نے کہا "آپ نے کیا پیارا مصرع کہا ہے ع کیا کہوں کچھ سمجھ میں آتا نہیں"

"کہیں" انجمن نے چونک کر کہا

"جی ہاں پورا مصرع"

"مگر ..." یہ کہکر بیگم نوبہار کے شانے پر جھک گئیں
"جی ہاں بیگم۔ کیا کہنے والی ہیں آپ کہئے نا"
"مگر ہماری قسمت"
"ہاں اسکا رونا تو زندگی بھر ہے ع
مگرم نہ بنا زش ہم نامی چشم خوبان   یترا بیمار بہر اکیا ہے گر اچھا ہوا
یہ دو راتیں تجھے زندگی بھر یاد رہیں گی"
انجمن نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے حیدر نواب کی طرف کچھ
غور سے دیکھا مگر پھر شرما گئی۔ حیدر نواب نے کہا "قسمت نے ہمیں
جدا ہی رہنے کے لیے پیدا کیا ہے"
"آپ کیا کہہ رہے ہیں نواب" نوبہار نے کہا "آپ دونوں
سچے عاشق ہیں ایسی محبت سچی ہے آپ دونوں ایک ہو کر رہیں گے"
"یہ کیا کہہ رہی ہے تو" بیگم نے کہا
"آج شب شہادت ہے۔ آج میں۔ آپ دونوں کو ملانے
کے لیے اپنی قربانی کا بیڑا اٹھاتی ہوں۔ آپ کی پاک راہوں
کو ضرور ملا دونگی"
"یہ کیا باتیں کر رہی ہے" حیدر نواب نے کہا
"اس پاک رات کو میں آپ کو اسی لیے آپ کے سامنے لائی ہوں
محبت کوئی عیب نہیں۔ آپ بتائیے کہ آپ لوگوں کے دل میں کوئی
کھوٹ تو نہیں ہے"
"بالکل نہیں" حیدر نواب نے کہا
"دور آپ کے بیگم۔ یہ شرم کا وقت نہیں"

"بالکل نہیں" بیگم نے منھ اٹھا کر کہا
"آپ دونوں کے خلوص کا یہ شب شہادت کا چاند گواہ ہے"
"ہاں"
"ہاں"
"آج کی رات میرا باپ اعلیٰ ارادے کیا کرتا تھا اور مجھ سے بھی قول لیتا تھا۔ پارسال اس رات کو میں نے آپ دونوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا اور میں پورے طور پر کامیاب ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ پھر خدا میری مدد کریگا"
"کیا تمھیں یقین ہے بیگم کہ نوبہار کامیاب ہوگی" حیدر نے پوچھا
بیگم کچھ شرمائیں تو مگر بے باک ہو کر بولیں "دل تو کہتا ہے مگر یہ سب کیسے ہوگا ہائے"
حیدر نواب آگے بڑھے۔ انجمن اور نوبہار کے سائے گھاس پر ایک تھے ہی اس میں آکر حیدر نواب کا سایہ بھی مل گیا۔ انہوں نے انجمن آرا کے لٹکتے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بولے
"آئیں آپ کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے ہیں" اور پھر غور سے اس کے چہرہ کو دیکھ کر بولے "اور آپ کے ماتھے پر پسینہ اگر حکم ہو تو میں صاف کر دوں"
اپنی قمیص کی جیب سے رومال نکال کر انہوں نے انجمن آرا کے چہرہ پر نہایت آہستہ سے پھیرا۔ انجمن نوبہار سے لگی ہوئی آنکھیں

جھکائے کھڑی رہی ۔ زمین پر عکس کے ایک کنارے ایک نوکر سی نکل کر غائب ہو گئی ،
امام باڑے سے بہت زور کے ساتھ ماتم کی آواز آئی
"ماتم شروع ہو گیا ۔ اب چلیے ،، نو بہار نے کہا
وہ اور انجمن آرا جلدی جلدی قدم رکھتی ہوئی باغ کے باہر آگئیں
"مجھے رہ رہ کر رونا آ رہا ہے نو بہار ،، انجمن نے کہا ،
"کیوں بیگم آخر"
"نہ معلوم کیوں ،،
"تو میرے کندھے پر سر رکھ کر جی بھر کے رو لیجیے ،،
"نو بہار نے انجمن آرا کی پتلی کمر میں ہاتھ دیکر اسے سنبھالا اور انجمن نے اسکے شانے پر سر نہوڑا دیا ،،
"مجھے معلوم ہو رہا ہے آپ بیگم ہیں اور میں حیدر "نواب ،،
"ارے توبہ کیا کہتی ہے ،، اور وہ کچھ مسکرا دی
"انکو آپ سے اتنی قربت کب نصیب ہوئی ہو گی جو مجھے حاصل ہے
اس پیار سے کبھی بھی کسی نے آپ کی کمر میں ہاتھ ڈالا "
"اور اس پیار سے کبھی میں نے بھی کسی کے کندھے پر سر نہیں رکھا ،،

(۶۸)

عشرہ محرم ختم ہوئے ایک ہفتہ گذر چکا تھا جیدا رنواب کی ملازمت کی خبر تمام محلے میں مشہور ہوگئی تھی۔ چھوٹے نواب عالم اپنے یہاں گاؤ سے لگے بیٹھے تھے اور ان کی دونوں رنڈیاں ان کے سامنے بیٹھی تھیں۔ ایام عزا میں نواب بجیسی ترک کر دیتے تھے اور محض باتیں کیا کرتے تھے

ایک نوکر نے سامنے آکر کہا "حضور بھاینداار میر کلو آئے ہیں"

"یہ کون"

"حضور وہی ہمارے میر کلو صاحب ہیں۔ اب وہ ہر ایک سے کہتے ہیں کہ ہمیں بھایندار میر کلو کہا کرو اور مجھ سے بولے کہ اطلاع کرنا بھایندار میر کلو آئے ہیں"

"واللہ ہے۔ اچھا بلاؤ ان کو واللہ ہے عجب آدمی ہیں"

میر کلو سبز انگرکھا سنبھالتے ہوئے آئے۔ دونوں رنڈیوں نے اپنی ہنسی روکی اور ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئیں میر کلو صاحب سلامت کے بعد سامنے بیٹھ گئے

"بھئی میر کلو یہ آپ بھایندار کب سے ہو گئے واللہ ہے"

"اے حضور آپ کو نہیں معلوم ؟"

"مجھے کیسے معلوم ہوتا ؟"

"تعجب ہے حضور"

میر کلو نے کچھ ایسا منھ بنایا کہ دونوں رنڈیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں

"اچھا سرکار نواب سنیے۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ حیدر نواب کپتان پولیس ہوئے"

"اچھا"

"جی سرکار۔ اور کپتان پولیس تو آپ جانتے ہی ہیں جتنے تھانیدار چاہے رکھے اور جتنے چاہے نکالے۔ بس فوراً مجھے حیدر نواب نے تھانیدار بنا دیا بس سرکار جس دن انہوں نے اپنے عہدہ کا وہ مرچ حرچ بھلا سا نام ہے انگریزی وہ لیا بس خاکسار یہ سب حضور عالی جاہ کی اترین اتار کر پگڑی باندھے سنہرہ جبہ جھولتا ہوا۔ وردی سے لیس جھمڑے والا۔ لمبا جوتا"

"جو آپ کی کمر تک پہونچے گا" امراؤ جان نے کہا،

"پوری بات تو کر لینے دیجئے حضور بی صاحب۔ تو سرکار جھمڑے کا لمبا جوتا پہنے ہوئے یہ غلام آپکا بازاریں گھوڑے پہ تنا ہوا بیٹھا ہوگا۔ کھٹم کھٹم گھوڑا دوڑائے جا کے چھینا بیگم کی دوکان پہ پہنچے گا اور کہے گا اے تم آدمی تم ابیم بیچتا ہے تم کو پکڑے گا۔ سب ابیم اور دے دو"

"واہ واہ۔ بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں تھانیدار کا بھی واللہ ہے کیا فائدہ ہوگا آپ کو"

دونوں رنڈیاں ہنستے ہنستے لوٹی جا رہی تھیں اور چھوٹے نواب خوب ہنسے

"اور حضور نواب آپ کے یہاں اِس صورت سے تھوڑے آئے گا یہ نمک خوار"

"اچھا تھانے دار یہ بتاؤ کہ ہمارے - بھائی صاحب کا کیا حال ہوا حیدر کی بابت یہ خبر سن کے"

"حضور مجھے نہیں معلوم"

"اما مذاق نہ کرو واللہ"

"بات یہ ہے حضور میرے لئے لوگ کہتے ہیں اِدھر اُدھر لگا کر یں لڑواتا ہوں میں قسم ہے جناب امیر علیہ السلام کی کسی سے غرض بھی نہیں رکھتا۔ جو جس نے پوچھا صاف صاف عرض کر دیتا ہوں۔ دروازوں کے بھی تو کان ہوتے ہیں آخر کان کی طرح کھلے ہوتے ہیں"

"ڈرو نہیں تمھارا کوئی کچھ نہیں کر سکتا"

"خیر سنئے۔ بڑے نواب عالم جل کر خاک ہو گئے"

"ارما نہیں واللہ۔ واللہ سچ کہنا"

"کچھ دیر تو منھ پھیلائے بیٹھے رہے پھر بولے ہاں یہ تو ہونا ہی میں تو جانتا تھا کہ ڈپٹی ہو گا خیر یہ پولیس کا عہدہ تو اور بھی شاندار ہے مگر وہ نوکر پھر نوکر ہے"

"خیر بھئی میر صاحب"

"حضور مجھے تھانیدار کہیئے صاحب واحب کی کوئی ضرورت نہیں"

"اچھا بھئی تھانیدار صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ حیدر میرا لڑکا ہے"

"جی آپ انکے کالج میں گارڈام لکھے ہوئے ہیں"

"یہ گارڈام کیا"

"وہی حضور یعنی سرپرست۔ اس کی انگریزی ہے"

"واللہ ہے آپ تو انگریزی بول خوب لیتے ہیں یہ گڈام ایک ہی رہی گا رجین کتے ہیں"

"خیر حضور سہو ہو گیا، مگر حضور کیا وقت سے خبر آئی ہے یہ جناب نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر کو یہ بھی خیال نہیں ہوا کہ ہم لوگوں کے یہاں محرم ہے اور حکم بھیج دیا میں اپنے دوست انجنیئر سے پوچھونگا کہ یہ کیا ہوا تعجبی ہے۔ انگریز تو ہمارے مذہب کا ہر طرح خیال کرتے ہیں۔

"اس میں ہرج کیا ہوا"

"حضور سراسر خسارہ۔ اگر ایک یا دو دن پہلے آتا حکم تو بہ... ان ناچ گانا ہوتا مٹھائیاں بٹتیں۔

رنڈیاں بھر کھل کھلا پڑیں

"اچھا تھا بندا ہونا جس طلب ہے بس دنیا میں دو ہی چیزوں کی فکر ہے واللہ ہے ایتم ... مٹھائی۔ تم جب تھاندار ہو گے تو حلوائیوں کی خیریت نہیں"

"اس بات پر ابھی نہیں سوچا خوب نواب آپ نے یاد دلایا سوچونگا اک دن"

"خیر آجکل تقسیم مٹھائی یا جلسہ ولیمہ کیسے ہو سکتا ہے"

"مگر حضور آج ایک بات سمجھ میں آئی وہی عرض کرنے تو میں حاضر ہوا تھا"

"وہ کیا"

"حیدر نواب کو یہاں بلا یا جائے ہم ہیں آپ ہیں۔ ... یہ دونوں بی صاحبان ہیں۔ یہ نوحہ پڑھیں گی ہم سب ...

مجلس ہو جائیگی اور مٹھائی تقسیم ہو جائیگی "

"خوب خوب ۔ ترکیب تو اچھی ہے مٹھائی ملنا چاہئیے کسی طرح"

دلربا جان نے کہا

"اور سرکار ہم تینون کا دوسرا حصہ ہو گا ہم لوگ پڑھیں گے "

"ارے بھئی تم کو اپنی پڑی ہے میں ایک اور بات سوچ رہا ہون"

"جی نواب آپ سوچ رہے ہین!"

"ہان میں سوچ یہ رہا ہوں کہ اس لڑکے کی شادی کی اب فکر کرنا ہے

مجھے ہی"

"اسکی سرکار آپ کو کیا ضرورت حضور عالی جاہ نے پہلے ہی سب کچھ

ٹھیک کر لیا ۔ آپ کو کیا معلوم ۔ وہ تو حضور سب بات چیت ہو بھی گئی"

"ارے کہاں ہم کو تو دنیا بھر کی خبر رہتی ہے واللہ ہے"

"حضور والا جاہ کئی دفعہ ذکر کر چکے ہین"

"آخر ہو کہان رہی ہے"

"وہ حضور ابھی اسدن عالی جاہ نے فرمایا کہ ابھی کوئی رسم وسم کی

ضرورت نہیں ۔ بعد ایام عزا دیکھا جائیگا"

"ارے واللہ ہے یہ تو بتاؤ کہ ٹھہری کہان"

"وہ سنجھلی محل ہیں ۔ ان کی بھتیجی جو ہے ۔ نے پالک حضور یہ سب

بچے ہم جولی کے ہیں"

"اس کے ساتھ"

"وہ بھی غیر کفو ہے"

اباجان پڑے پٹیا کریں غیر کفو غیر کفو۔ آخر غیر کفو سے کیا برائی ہو جاتی ہے"

"حضور عالی جاہ کی وضعداری۔ خاندانی وضع کی پابندی"

"خوب خوب واللہ ہے۔ خوب وضعداری واللہ ہے۔ اسکی ماں نجیب الطرفین سید ہے"

"جی ہاں اسی طرح مجھ سے اور حیدر نواب سے دور کا رشتہ ہے"

"بھئی تمہیں یاد ہوگا میر صاحب کہ عمو جان مرحوم مجھے بہت چاہتے تھے اور میں ان کو"

"اے حضور قرآن درمیان کہئے"

"او سنو بات میری۔ لوگ کہتے تھے سر پھر گیا تھا ان کا"

"جی ہاں"

"یعنی آپ کا بھی یہی خیال ہے"

"جی نہیں حضور۔ وہ میرا مطلب"

"وہ بڑے بیدار مغض تھے"

"یہی حضور میں کہنے جا رہا تھا کہ وہ بڑے عالم فاضل تھے"

"ہماری ان کی خوب نبھتی تھی"

"جی ہاں قرآن درمیان بہت لطف تھا بہت"

"میں حیدر کو بہت پیار کرتا ہوں۔ ابھی کل تک تو ہر وقت یہاں رہتا تھا"

"جی ہاں نواب کل یہ سب اتنے سے تھے اور والا جاہ ہر وقت ساتھ رکھتے تھے ان کو مگر سب سے زیادہ اب بھی حضور عالی جاہ چاہتے ہیں آپ کی صاحبزادی کو۔ اور حضور نے بھی تو خیال ہوگا۔"

کندھے پر میرے انجو بیگم اور ادھر کندھے پر حیدر نواب میری ٹوپی اتار کے میری چندیا پہ عمرتیاں بنایا کرتے تھے۔ مجھے عمرتیاں بہت بھاتی ہین نا حضور"

"آگئے پھر میر صاحب مٹھائی پر" دلربا نے کہا

"مجھے۔ کیا کہوں حضور، ان کی سلائٹیں ہی الگ ہے۔ خیر حیدر پھنسنے والا نہیں ہے۔ وہ انگریزی پڑھا ہے چلا دیگا ان کو۔ مگر میری انجو کی شادی جہاں ٹھہرائی ہے اباجان نے۔ بس مجھے کسی طرح نہین بھاتی۔ ان سے پوچھو کیا حالت ہے اسکی"

"میری تو خالہ کی لڑکی انکے پاس ہے۔ بہت سن ہے ان نواب کا چالیس سے اوپر ہونگے اور بیمار ہین۔ کیا کیا بتاؤن۔ بالکل خول ہین"

"دائی جان نے کہا

"بس سمجھ لیجے۔ میر صاحب مجھے کسی طرح نہین بھاتا یہ بیاہ مگر کیا کرون سب لڑکیاں یوں ہی گئیں چولہے مین جھونک دی گئیں سب میری پیاری پیاری بچیاں واللہ ہے"

"یہ نصیبہ ہے حضور کیا کیا جائے"

چھوٹے نواب عالم کچھ سوچ مین پڑ گئے۔ میر کلو بھی خاموش رہے مگر کہانتک آخر مین بولے،

"وہ مجلس کے بارے مین"

"اچھا جاؤ ہم مٹھائی منگواتے ہیں۔ تم حیدر نواب کو یہان بلالاؤ"

"اگر وہ کہین گئے ہون"

"وہ کہیں نہیں گئے ہیں۔ وہ مجھ سے کہے بغیر کہیں نہیں جاتے اور ابھی صبح صبح جائیں گے کہاں"

ٹڈے کی طرح پھدکتے ہوئے میر کلو حیدر نواب کے گھر پر پہنچے اور ڈیوڑھی پر آواز دی

"ارے میاں گھسیٹے۔ ارے میاں ہولدار گھسیٹے۔"

وہ اپنی کوٹھری سے باہر آیا اور بولا

"یو کا کہت ہو میاں ہم کا"

"ہولدار سمجھے۔ وہ پولیس کا جو ہوتا ہے۔ اما تم ہولدار نہیں ہو گے تو کون ہو گا۔ تمہارے مالک کپتان ہیں تھانے دار رہے تم ہولدار"

"سچ کہت ہو میاں"

"اے ہم نے کبھی جھوٹ بولا۔ سید کبھی جھوٹ بولتے ہیں"

"تو ہم اپن جوہرو سے کہی آؤن"

"جورو وورو سے بعد میں کہتے رہنا اطمینان سے پہلے نواب کو اطلاع دو کہ آپ کا بھتا ئیدار آیا ہے"

"ای بکھت نا ہین ملت کونون سے نا ہیں ملٹ۔ ڈھیر کتابیں لے کے ڈٹھے پر جائے کئے پڑھت ہیں"

"اما یہ کیا اب بھی پڑھتے ہیں۔ واللہ۔ ارے بھیا۔ سب کچھ تو پاس کر چکے اور کپتان صاحب بہادر بھی ہو گئے۔ اب پڑھنے کی کیا ضرورت ہے ہم کو چلے ہو بنانے یہ شہید مردوں کو دھوکا۔ ہم جانتے ہیں تمہاری تکڑ بین وہ صاحب لوگ اور بابو لوگ آتے ہیں۔ یہاں تو تمہارا انگریزی گرم

کرتے رہتے ہین۔ ہو نہ تو ہم سے بھی چالیس۔ پڑھت ہیں اماوہ پڑھیں گے کیا اب۔ کوئی دنیا کی کتاب لکھی ہے ان سے جو تم پڑھیں گے۔ سیدھی سیدھی طرح بلواؤ کپتان صاحب کو"

"میاں ہم آپ سینے کہی دیا۔ ای بکھت کو نئو ناہی آئے یاد ت"

"اچھا اگر نواب صاحب طلب کرین"

"تو نیچے سے پکار کے کہی دیا جاوت ہے"

"اما تو نواب صاحب نے بلایا ہے"

"او نہ سچ نکلا۔ نباب صاحب تمکا کبھو نون ناہی بلائے ہچن"

"اب باتین نہ بناؤ۔ تم ہولدار ہو تو ہم بھی تھانیدار ہین"

دونوں اندر گئے اور ڈیوڑھی کے پاس کھٹے نے کہا "میان کا ہیچ دیکھو۔ نباب صاحب بلاوت ہین۔ میر صاحب کا ہچن ہین"

"ارے میر صاحب نہین تھانیدار صاحب کہو"

"اب تھانیداری اٹکائے رکھو۔ نابین نہ آئی ہین۔ بس دھرے رہ جیہو"

تھوڑی دیر کے بعد حیدر نواب باہر آئے۔ میر کلو نے سلوٹ صاحب جھاڑا۔ ان کا اکڑ کر کھڑے ہونے کا انداز بھی خوب تھا۔ حیدر نواب ہنس دیئے اور پوچھا"

"کہئے خیریت حضور اباجان نے بلایا ہے"

"اباجان کے بیٹے حیان نے بلایا ہے"

"یہ کیا گول گول باتین کرتے ہیں۔ دیکھئے کھڑ کرنا ہے تھانیداری آپ کو"

"اے نواب چھوٹے نواب عالم صاحب نے بلایا ہے آپ کو"

"اچھا چلئے"
اور حیدر نواب میر کلو کے ساتھ ساتھ اس گھر کے بیٹھکے میں پہنچے جس کے
زنانہ میں وہ جھانک رہے تھے، چھوٹے نواب نے گلے لگایا۔ پیار کیا
اور اپنے پاس بٹھایا
تھوڑی دیر باتوں کے بعد میر کلو نے پوچھا "حضور مٹھائی ابھی تک
نہیں آئی"
"آتی ہی ہونگی عمرتیاں واللہ ہے"
عمرتیاں ایک بڑے دونے میں آئیں۔ گرم گرم۔ میر کلو دونا ہاتھ میں
لیتے ہی عجب عالم میں گم ہو گئے اور بولے
"حضور بس مجلس اب ہو ہی جائے نہیں تو یہ ٹھنڈی ہو جائیں گی"
چھوٹے نواب کی دونوں بندیوں نے زحمہ نکالا۔ میر کلو بھی بول اٹھائے
گئے۔ ان کا منہ عجیب انداز سے کھل رہا تھا۔ رنڈیوں کو ہنسی آتے آتے
رہ گئی۔ دونے میں سے سب مٹھائی کھانے بیٹھ گئے۔ میر کلو لمبے لمبے
ہاتھ مارنے لگے آستین چڑھا کر

(۶۹)

گرمی کی شدت بڑھتی جاتی تھی اور لوں تیز ہوتی جاتی تھی۔ نواب صاحب
دن چڑھے سے بارہ دری کے نیچے تہ خانہ میں تشریف لے آتے۔ محلات
میں بھی سب اپنے تہ خانوں میں اتر جاتیں۔ تہ خانوں میں کے

بڑے بڑے روشن دانوں میں خس کی ٹٹیاں لگا دی جاتیں جن پر کیوڑے کا پانی چھڑکا جاتا،

بڑے محل کے تہ خانے میں بڑی بیگم صاحب کے لئے بیچوں بیچ میں تختوں کے چوکے پر مسہری لگائی جاتی تھی جس پر وہ آرام کرتی تھیں اور تختوں پر تمام بیگمات بیٹھتی تھیں۔ اگر بیگم صاحب آرام کر جاتیں تو اور سب لوگ بھی تختوں پر کمر سیدھی کر لیتیں

انجمن آرا نے سب سے الگ ایک دیوار کے پاس روشندان کے نیچے ایک پلنگڑی بچھوالی تھی۔ شاہ آرا دن میں زیادہ تر خاص محل ہی میں آجاتی اور اپنی دادی کی مسہری کے بالکل پاس تخت پر لیٹتی یا سو جاتی۔ کیونکہ شادی ہونے پر ان کو نیند بہت آنے لگی تھی اور یا انجمن آرا کے پاس آکر باتیں کرنے لگتی۔

انجمن اپنی پلنگڑی پر بیٹھی کچھ کشیدہ کاری کر رہی تھی فضیلت ایک پیڑھی پر بائیں بیٹھی تھی اور نوبہار بیٹے کے پاس۔ نوبہار ایک کتاب میں سے شعر پڑھ کر سنا رہی تھی، فضیلت نوبہار کو منہ کھولے ہوئے دیکھ رہی تھی

"صاحبزادی صاحب یہ نوبہار ہر فن مولا ہے"، فضیلت بولی

نوبہار بولی "بیگم میں عورت ہوں۔ عورت کچھ نہیں کر سکتی۔ دل میں تو میرے بہت ہے مگر میں کچھ کر نہیں سکتی"

"نہیں تو بہت کچھ کر سکتی ہے"

"خیر یہ جانتی ہوں کہ اگر کوئی مرد پشتی پر مل جائے تو بہت کچھ کر سکتی ہوں"

شاہ آرا بیگم بھی آکر پلنگڑی پر بیٹھ گئیں اور بولیں
"کیا باتیں ہو رہی ہیں"
"نو بہار کو میں کہہ رہی ہوں سبھی کچھ جانتی ہے"
"جی ہاں بجو"
"جانے دیجئے بیگم۔ اے بیگم صاحب میں نے ہاتھ دیکھا تھا شادی بھی ہو گئی وہیں اور کبھی ایک چٹکی شکر بھی نہیں دی۔ اچھا بیگم صاحب لائیے میں پھر آپ کا ہاتھ دیکھوں"
"اب کیا دیکھے گی" انجمن آرا نے کہا
"بجو اب ہم اسکو ہاتھ واتھ نہیں دکھائیں گے اللہ"
"آخر ہرج کیا ہے۔ وہ کچھ اور بتائے گی اور نکلتا ہے سچ اسکا بتایا"
"نہیں بجو ہم نہیں"
"اور تمھارے اس منہ کھلے کا تو حال اچھا ہے اب بھی روتا ہے امی جان کو پکار کے"
"دیکھئے بجو بچپنے کی بات اور تھی اب یہ نام نہ لیا کیجئے"
"آغا نواب صاحب تو اب بہت بردبار ہو گئے ہیں ماشاءاللہ"
نو بہار نے کہا
"ہاں" انجمن بولی
"بجو دیکھئے اب یہ پھر بننا شروع کرنے والی ہے۔ میں ڈانٹ دونگی اسے"
"اے بیگم صاحب میں آپکی خدمتی ہوں۔ آپ یہ کیا شبہے کرتی ہیں میری طرف سے۔ اچھا جائیے میں ہاتھ نہ دیکھوں گی۔ جو کچھ مجھے

دیکھنا ہے وہ مین نے ماتھے پر پڑھ لیا
"ماتھے پر سے" انجمن نے کہا
"جی ہان بیگم علم قیافہ ہے یہ"
"تو تو نے کیا پڑھ لیا"
"مین آپ سے چپکے سے بتاؤنگی" انجمن آرا کے کان کے پاس منھ لے جا کے اسنے کہا "نذیرہ صاحبزادی بیٹ سے ہین"
"ہان اچھا" انجمن نے کہا۔
شاہ آرا غور سے انجمن کی طرف دیکھنے لگی اور بیتاب ہو کر بولی"
"اللہ بجو اس نے کیا کہا"
"کچھ نہین"
"اللہ۔ اللہ بجو۔ میری بجو"
"ہوگا کب" انجمن نے نوبہار سے پوچھا
"دیکھے محرم تو گیا۔ تیزی ایک بغات دو۔ میراجی تین مدار چار خواجہ مندین پانچ۔ رجب چھ۔ شبراتِ سات رمضان آٹھ۔ عید کے مہینہ مین ہوگا"
"اچھا لڑکی یا لڑکا"
"دیکھئے حساب لگاؤن" اور اسنے آنکھین بند کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کی بیچ کی انگلیاں ایک دوسرے کی طرف بڑھائین انگلیاں ایک دوسرے سے الگ پڑین۔ اسنے آنکھیں کھول کر کہا لڑکی ہی ہے بیگم"
شاہ آرا بولین "اچھا اب مین سمجھ گئی" اور شرما کر کہنے لگین "ہمیں یہ سب

باتیں نہیں اچھی لگتی ہیں"
اتنے میں محل دار لپکتی ہوئی آئی اور نوبہار کے پاس آکر چپکے سے بولی
اٹھو نواب صاحب کی کچھ طبیعت ناساز ہو گئی ہے مجھے یاد کر رہے ہیں
نوبہار الدم سے اٹھ کھڑی ہوئی انجمن نے کام الگ رکھ کر کہا
"خیر تو ہے۔ میرے دادا ابا"
"بڑے نواب عالم نے فرمایا ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں کچھ یوں ہی
دم گھبرا گیا ہے اور نوبہار کو بلا رہے ہیں ابھی کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت
نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں ہے۔ صاحبزادی آپ پریشان نہ ہوں"
"خدا خیر کرے۔ خدا سلامت رکھے میرے دادا ابا کو۔ میں
جاتی ہوں نماز حاجت پڑھنے"
"کوئی ایسی بات نہیں ہے صاحبزادی"
"اچھا فضیلت تو بھی نوبہار کے ساتھ جا اور فوراً آکر بتانا
کیسی طبیعت ہے"
فضیلت نوبہار کے ساتھ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آکر کہنے
لگی "میں اندر تو گئی نہیں۔ باہر نوکر چاکر سب دم بخود ہیں حکیم کلو کانپتے
ہوئے دوڑے جا رہے تھے بولے "بڑے زور کا دورہ پڑا ہے حضور کو"
"ہئے۔ ارے۔ ارے" کہکر انجمن اٹھ کھڑی ہو گئی اور ننگے پیر تختوں
کے چوکے تک دوڑتی آئی اور چلائی
"ارے اٹھے سب۔ دادا ابا کی عجیب حالت ہے"
بڑی بیگم صاحب مسہری پر اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ سب لوگ تختوں پر سے
اتر اتر کر زمین پر کھڑی ہو گئیں۔ بیگم صاحب گھبرا کر بولیں۔

"اے خدا خیر کرے میرے سہاگ کی خیر - یا مشکل کشا آئیے مدد کو،،
سب عورتین سمجھانے لگیں "اے حضور پریشان نہ ہون خدا کو یاد
کیجے سب اچھا ہی اچھا ہے،،
"محلدار سے کہو قناتین لگوائے مین جاؤنگی دیکھنے،، بڑی بہو نے کہا
انجمن بولی "ابھی دوپہر ہے - چلئے سب فریادی ماتم کرین،،
سب بیگمیں خسخانہ سے نکل کر بڑے محل کی انگنائی مین آئین -
انجمن آرا کے سر پر کھول کر قرآن رکھا گیا - اسکے پیچھے سب اور صف
باندہ کر کھڑی ہوئیں - سب کے چہرے دھوپ مین سرخ تھے آنکھوں سے
آنسو جاری تھے اور ماتم کئے جا رہی تھین
باہر آکر محلدار نے کہا کہ قناتین لگائی جائیں مگر بڑے نواب نے
کہا "لاحول ولاقوۃ یہ اندر کس نے خبر کردی،، اور قناتین لگانے کو منع کردیا
نواب صاحب کے خسخانہ میں تمام صاحبزادگان اعزا اور اقربا
اور مصاحبین موجود تھے - نواب صاحب مسہری پر تڑپ رہے تھے
نوبہار پاس کھڑی آنکھون مین آنسو بھرے نواب صاحب کا ایک ہاتھ
اپنے ہاتھون مین لئے کچھ پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی - نواب صاحب
کبھی "ہائے ہائے،، کرتے کبھی "یا رحمٰن اور یا رحیم،، کہتے کبھی "مشکل کشا
آئیے،، کہتے اور برابر ہانپتے جاتے - نوبہار ہاتھ چھوڑ کر کبھی بازو کبھی شانے
کبھی سینہ سہلاتی اور پھر ہاتھ انکا اپنے ہاتھون مین لیکر کچھ پڑھ پڑھ کر
پھونکتی نواب صاحب نے تڑپن کے عالم مین کہا
"خدا کے واسطے حکیم صاحب کو کوئی دوا دیجئے کہ دل ٹھہرے
"حضور دوا آرہی ہے - "دوا سازلاہی رہا ہوگا،،

"واللہ حکیم صاحب آپ نے تو حد کر دی دیر کی" چھوٹے نواب عالم نے کہا

"وہ دورہ تو اپنا وقت لیگا تو اب۔ دوا آتی ہے"

حیدر نواب بائیں کھڑے تھے بولے "حضور ذ باجان خدا کے لئے اجازت دیجئے میں سول سرجن کو لے آؤں"

"نہیں بیٹے۔ نہیں۔ ہائے ہائے۔ میں نہیں پیونگا انگریزی دوا"

"حضور تشخیص کے لئے محض"

"نہیں، ہائے۔ ہائے کیا فائدہ"

"تشخیص میں کوئی ہرج نہیں" مولانا باقر نے کہا

"اچھا۔ ہائے۔ آپ استخارہ دیکھیں"

مولانا نے فوراً تسبیح جیب سے نکال کر استخارہ دیکھا اور بہتر آیا

حیدر نواب دوڑے ہوئے باہر آئے اور فٹن دوڑاتے ہوئے ڈاکٹر کو بلانے چلے گئے

دوا ساز دوا بنا کر لایا۔ نوبہار نے دوا اٹھائی اور بقیر چمچوں سے عرق پلانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دو دو چار چار چمچے دوا دیتی گئی۔ نواب صاحب کو کچھ سکون ہوا۔

میر کلو کٹے کنکوے کی طرح اڑتے آئے اور انکے پیچھے پیچھے ایک رمال آئے انہوں نے طالع دیکھ کر بتایا کہ حضور کے باغ میں جو جنات رہتے ہیں انکو کچھ ملا نہیں ہے وہی سایہ کئے ہوئے ہیں"

"فوراً جو کچھ یہ کہیں دلوا دو" نواب صاحب نے حکم دیا رمال کے حکم کے بموجب چار بکرے مسہری کے چاروں طرف

صدقہ کئے گئے اور ساتھ ہی دس من اناج اور ایک من مٹھائی اور مختلف چیزیں نواب صاحب کے ہاتھ سے چھوائی گئیں

حیدر نواب سول سرجن کو لیکر آگئے۔ وہ نواب صاحب کے قریب آیا اور ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر گھڑی دیکھتا رہا۔ پھر اپنے آلے سے دل اور سینہ وغیرہ دیکھا اور بولا

"بناب آپ اچھا گھبراؤ نہیں" پھر اسنے انگریزی میں حیدر نواب سے بتایا کہ سب ٹھیک ہے۔ اسنے نسخہ لکھنا چاہا مگر حیدر نواب نے اس کو سمجھا دیا۔ خیر وہ ایک رائے یہ دے گیا کہ نواب صاحب کو تہ خانے سے ہٹایا جائے کیونکہ وہاں ہوا بالکل نہیں تھی اور ضرورت سے زیادہ نمی کی بو تھی

حکیم صاحب نے آخری بات کی بابت کہا کہ یہ رائے تو میری بھی تھی

ڈاکٹر باہر گیا اور حیدر نواب اسکو پہنچانے گئے۔ اسکو گاڑی پر بٹھو اہی رہے تھے کہ خاص محل کی محلدار نے پکار کر کہا "کوئی ہے حیدر نواب کو ڈیوڑھی پر بھیجنا"

حیدر نواب ڈاکٹر کو فٹن پر بٹھا کر ڈیوڑھی پر آئے۔ بڑی بیگم صاحب اندر ڈیوڑھی کے قریب ہی تھیں۔ ان کی آواز آئی

"کیوں میاں یہ اس انگریز حکیم نے کیا کہا"

"کہا اسنے کہ سب ٹھیک ہے حضور"

"اے صاجزادے ٹھیک ٹھیک بتاؤ"

"حضور گھبرائیں نہ ابا جان سب طرح ٹھیک ہیں۔ انشاء اللہ۔ آخر مجھے ان سے محبت ہی نہیں ہے۔ حضور امی جان" اور حیدر نواب آنکھوں

میں آنسو بھر لائے

"آپ کو اپنے بچوں سے بڑھ کے سمجھتے ہیں حضور"، محلدار نے کہا

اندر سے کئی آوازیں آئیں "اس میں کیا شک"

پھر اندر سے ایک غلغلہ اٹھا "دیکھئے دیکھئے انجم بیگم کا کیا حال ہے"

حیدر نواب نے محلدار سے پوچھا "دیکھو جا کے یہ کیا بات ہے"

انھوں نے اندر جا کر دیکھا اور پھر باہر آ کر کہا "صاحبزادی انجم بیگم بے ہوش ہو گئیں ہیں"

"ارے۔ ڈاکٹر ہے یہیں۔ ابھی پردہ کراؤ تو دیکھ لے"

"میاں چھوٹے نواب عالم کو بلوائیے"

حیدر نواب دوڑتے ہوئے آئے۔ تہ خانہ میں چپکے سے گئے اور چھوٹے نواب کو اشارے سے بلا لائے۔ نواب صاحب کو کچھ سکون ہو گیا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے

چھوٹے نواب ڈیوڑھی میں یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے "واللہ ہے بس دکھاؤں گا ڈاکٹر ہی کو اپنی بچی کو کون روک سکتا ہے چھو کو"

اندر جا کر انھوں نے پردہ کرایا حیدر نواب ڈاکٹر کو ڈیوڑھی تک لائے اسے چھوٹے نواب کے ساتھ اندر جا کر پردے سے انجمن کو دیکھا اور کہا کہ نسخہ لکھ کر حیدر نواب کو دے دوں گا

حیدر نواب فوراً ڈاکٹر کو اسکے گھر پہنچانے گئے۔ اور انجمن کی دوا کا نسخہ بندھوا کر واپس آئے۔ دوا اندر پہنچا دی اور تہ خانہ میں آ گئے

نواب صاحب کو اب کافی سکون ہو گیا تھا۔ آرام کا وقت ... س کی پٹیاں لگا دی گئی تھیں سر پھر تک حضور کی حالت بالکل ٹھیک

جب تہ خانہ میں اندھیارا ہونے لگا تو نواب صاحب نے اٹھنے کی خواہش ظاہر کی سب نے روکا ان کو پلنگڑی پر بٹھا کر ہاتھوں ہاتھ آرام گاہ کے چبوترے پر لے آئے۔ یہاں نواب صاحب چھپر کھٹ پر لیٹ گئے اور نوبہار سیٹی کے پاس ایک پیڑھی پر بیٹھ گئے۔ لوگ مزاج پرسی کے لیے آتے جاتے رہے
تین دن کے بعد نواب صاحب کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی اور وہ ہر طرح اچھے ہو گئے تھے

(۷۰)

نواب صاحب مع اپنے مصاحبین کے نشست میں تشریف رکھتے تھے اور نواب نوازش علی خاں مرحوم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ان نواب کو مرے ہوئے پانچ یا چھ دن گذر چکے تھے۔ مگر نواب صاحب کو اس بات کی اطلاع ابھی باتوں باتوں میں ہی ہوئی تھی۔ نواب صاحب کچھ ترش روئی کے ساتھ فرما رہے تھے

"واہ خوب۔ اسقدر ضرورت کیا تھی مجھ سے چھپانے کی"
"حضور سب ہی کی یہ رائے ہوئی۔ آپ کی طبیعت ناساز تھی"
"ہو نہہ۔ ہم اور وہ ایک جدی اور ہم کو خبر نہیں"
"حضور۔ وہ بڑے نواب عالم صاحب جنازے میں شرکت کے لیے گئے

کوئی دوپہر ڈھل چکی تھی"

"اور سرکار سیوم میں شریک ہوئے۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ کیا عرض کروں اتنے اتنے سے خرمے بانٹے گئے" میر کلّو بولے

"اور اسکے بعد بھی تم نے نہ کہا"

"حضور میری زبان پر تو آ آکے رہ رہ جاتی تھی بات مگر حضور خوف تھا حضور کی طبیعت بدمزا تھی اور پھر قلب کا معاملہ حضور میں ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا"

"خیر ہمارے یہاں سے شرکت تو ہوگئی۔ میں بھی پرسے کے لئے ہو آؤنگا"

"حضور اب وہ جگہ جانے والی نہیں ہے" ایک صاحب نے کہا

"کیوں؟"

"وہاں بھائیوں میں جوتا چل رہا ہے۔ اینٹ سے اینٹ بج رہی ہے"

"اچھا"

"جی سرکار، نواب مرحوم کے مرتے ہی انکے چودہ تولڑکے اور کوئی سات داماد ان کے مرتے ہی سب نے خزانے پر لالا کر قفل لگا دیئے"

"یہ بیس ایکیس قفل کس کنڈی میں لگے ہونگے"

"ادھر بات پوری ہونے دو" نواب

"تو حضور سیوم کے بعد خزانہ کھولا گیا"

"کچھ نہیں نکلا؟"

"یہی کچھ معمولی چیزیں تھیں۔ میرے بھائی وہاں تھے انکو کچھ تفصیل نہیں معلوم اور وہ برطرف بھی کر دئے گئے۔ سارا عملہ برطرف کر دیا گیا"

"یہ سب کیوں"

"سب اپنے اپنے الگ ہو کر رہیں گے۔ اپنی اپنی ٹھیکری اور اپنا اپنا راج جھاڑو کا بندھن ٹوٹ گیا سب سینکیں بکھر رہی گئی"

"حضور وہاں تو مقدمہ بازیاں ہونگی۔ میں نے تو سنا ہے"

ایک دوسرے مصاحب نے کہا۔

"یہ سب حالت تو بڑی افسوس ناک ہے"

"سرکار وہ گھر ختم ہو گیا۔ وہ اسدن کی مجلس ہی سے ظاہر ہو گیا تھا۔ کیا تھے شکر پارے تھے"

"ہاں۔ بڑا قلق ہوا۔ ۔ ۔ ۔ کوئی ہے ۔ ۔ ۔ ذرا لالہ کو بلانا"

نواب صاحب خاموش حقہ پیتے رہے اور تمام مصاحبین بھی دم بخود بیٹھے رہے۔ لالہ صاحب تشریف لائے اور نواب صاحب کے تخت پر بیٹھ گئے

"بھئی لالہ تم کو کچھ معلوم ہوا بھائی نوازش مرحوم کے یہاں کا حال"

"جی سرکار وہ رادھے اپنا عزیز ہے میں کھانا کھاکے فوراً لیٹا تھا کہ اس کے گھر سے رونے پیٹنے کی آواز آئی۔ میں نے کہار سے کہا کہ جاکے پوچھ کیا قصہ ہے اس نے آکے بتایا کہ نواب نوازش علی خان [illegible] گیا حضور وہاں رادھے کا عجب حال [illegible] لکھنؤ چھوڑ کے کاشی"

"یہ کیوں"

"اچھا ہی کیا سرکار۔ بڈھا آدمی میرا ہمجولی تھا۔ اب دنیا میں اسے کیا کرنا تھا۔ محبت نواب مرحوم کی تھی۔ اور سرکار مجھ سے کہنے لگا کہ یہ گھر مجھ سے مٹتا نہ دیکھا جائیگا۔ میں اب پرم آتما ہی سے لو لگائے پڑا رہونگا۔ بچے بالے سب اپنے اپنے ٹھکانے سے ہیں"

"اب حال کیا ہے وہاں کا"

"حضور رادھے تو گیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہیں معلوم۔ خیر یہ تو ہونا ہے کہ وثیقہ سب پر تقسیم ہو جائیگا اور اسی طرح سب چیزیں تقسیم ہو جائیں گی۔ سب الگ الگ بکھر جائینگے۔ یہ تو ہونا ہی ہے حضور"

"یہ سب سن کر قلق ہوا۔ میں سوچتا ہوں کہ میں وہاں جاؤں اور سب کو سمجھاؤں"

"حضور کے جانے کی تو میں ہرگز رائے نہ دونگا"

"کیوں ؟"

"فضول ہے حضور سمجھانا بجھانا۔ اگر وہ لوگ سمجھ بھی لیں جو آپ فرمائیں گے تو بھی کیا۔ اب وہ طریقے نہیں چل سکتے۔ زمانہ بدل گیا"

"یہ کہہ رہے ہو تم لالہ"

"حضور دیکھیں۔ پرانے قاعدے چلانے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اب روپیہ انکے پاس کہاں سے آئیگا جو سب پرانا انتظام قائم رکھیں"

"سب مل جل کر رہیں۔ بڑے بھائی کے ہاتھ میں سب وثیقہ رہے اور سب انتظام ہو"

"درست حضور والا۔ اخراجات تو وثیقہ سے چل گئے ہیں۔ باقی روپیہ

کہاں سے آئے ۔خزانہ خالی ہوچکا ۔سب دھرا رہا باپ دادا کی ۔ اب اسکے سوا کیا ہے کہ اپنا وثیقہ الگ لو اور دال روٹی الگ کھاؤ "

"سچ کہتے ہو تم لالہ میں سمجھا"

"حضور مجھے اجازت ہو ۔ ذرا کام دیکھنا ہے " اور لالہ صاحب سلام کر کے چلے گئے

"نواب صاحب اور زیادہ غمگین ہو گئے تھے حقے کے دم پر دم لگاتے تھے اور کبھی کبھی ٹھنڈی سانسیں بھی لیتے جاتے تھے ۔ مصاحبین نے میر کلو کو اشارہ کیا کہ کوئی بات چھیڑنا چاہیئے ۔ مگر میر کلو کی بھی بولنے کی ہمت نہ پڑتی تھی ۔ کافی دیر تک سب خاموش رہے

حیدر علی خان نواب صاحب کو سلام کرنے آئے اور آکر میر کلو کے پاس بیٹھ گئے ۔ نواب صاحب دعا دینے کے بعد خاموش بیٹھے رہے اور حقہ کے دم لگاتے رہے ۔ حیدر نواب نے میر کلو سے کان میں پوچھا کہ کیا واقعہ ہے ۔ میر کلو نے کان میں حال بتایا ۔ حیدر نواب نے کہا ،

"حضور ابا جان وہ چچا نوازش علی خان مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے جو ہیں "

"ہاں میاں وہ فریدون "

"جی حضور وہ کل ہی تو تھا جمعہ ۔جی ہاں کل سہ پہر کو میرے پاس آئے تھے "

" وہ صاحب بہادر میم صاحب بھی انکا " میر کلو بولے

"سنے تو کوئی میم ویم کر لی تھی "

"حضور میم ویم بھلا کیا عرض کروں ۔ وہ ایک کرسٹی ہے کوئی چماری

"ماری ہوگی۔ وہ جہاں جاتے ہیں دونوں ساتھ ساتھ"
"تمہارے یہاں بھی دونوں آئے تھے"
"جی ہاں میں بیٹھا تھا برآمدے میں۔ نوکر نے آکر کارڈ دیا مسٹر نواب اے ڈے۔ خان اور میڈم خان اس پر لکھا ہوا۔ میں نے کہا اچھا مسٹر کین اچھا بلاؤ"
"یہ کین بلا" نواب صاحب نے پوچھا
"حضور انگریزوں کی زبان سے 'خ' نہیں نکلتی وہ خاں کو کین کہتے ہیں"
"وہ انگریز بنتا ہے"
"عالی جاہ فریدوں نواب بالکل انگریزوں کی طرح بولتے ہیں اردو بھول ہی گئے" میر کلو نے کہا
"اور حضور ابا انگریزی ان کو آتی نہیں"
"یہ کیا" نواب صاحب ذرا مسکرائے
"بات یہ ہے ابا جان کہ انگریزی وہ پڑھا نہیں۔ میرے ساتھ تھا پانچویں میں۔ چار پانچ برس فیل ہوتا رہا پھر چھوڑ دیا۔ انگریز بننے کا شوق تھا بہت۔ بس وہ کچھ انگریزی کے فقرے۔ کچھ الفاظ کچھ تلفظ بنا کے بولتا رہا اور اب عادت پڑ گئی ہے۔ اب وہ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا"
"خوب کہی بیٹے۔ خوب تو وہ تمہارے پاس کاہے کو آیا تھا"
"حضور کا ذرا دل بہلے گا تفصیل سے بیان کیجئے سب حال" میر کلو بولے

حیدر نواب مسکرائے اور نواب صاحب بھی مسکرا دئے۔ پھر حیدر نواب نے شروع کیا

"وہ ہلو حیدر یہ ہلو حیدر کہتا ہوا اندر آیا اور اسکی وہ کرسٹی ساتھ اسکے منھ سے یہ انگریزی لفظ بھی ٹھیک سے نہیں نکل رہا تھا۔ ہیلو ہیلو کر رہی تھی۔ میرے جمیٹ گیا۔ پھر کرسٹی نے ہاتھ بڑھایا ملانے کو میں نے ہاتھ ملایا۔ گدھی کو ہاتھ ملانے کی بھی تمیز نہیں اباجان۔ خیر دونوں کرسیوں پر بیٹھے۔ میں نے کہا کہو بھائی کیسے آگئے۔ آج کدھر سورج نکلا۔ وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آیا تھا۔ ویسے اکثر ملتا تو ہلو ہو جایا کرتی تھی۔ بولا ول دل بڑا امپارٹنٹ کام ہے۔ مطلب یہ کہ ضروری کام ہے۔ پھر بولا، فادر تو مر گیا ہو گیا یعنی انتقال ہو گیا والد کا۔ میں نے افسوس ظاہر کیا۔ پھر بولا، الوک ہیراولڈ فرینڈ اب تم ہمارا ہیلپ کرے، یعنی دیکھو دوست اب تم ہماری مدد کرو۔ وہ کرسٹی جو تھی وہ بولی پلیز یو پلیز، یعنی مہربانی کرکے مدد کرو۔ میں نے انگریزی میں اسے جواب دیا تو اسکے پلے ہی نہ پڑا"

"وہ بھی انگریزی نہیں جانتی۔ ہم تو سنتے تھے انگریزن ہے"

"نہیں اباجان صاحب۔ وہ بالکل بدتمیز عورت ہے۔ بالکل جاہل"

"اچھا تو وہ کہنے کیا آئے تھے؟"

"خیر حضور یوں ہی باتوں کے بعد وہ کہنے لگا۔ وہی اپنی زبان میں کہ اسنے مقدمہ دائر کیا ہے اپنے بڑے بھائی اور سب بھائیوں کے خلاف لہٰذا میں جج سے سفارش کردوں کہ اس کو وہ جتا دیں"

"تو تم نے کیا کہا"

"حضور وہ بالکل [illegible]۔ کہیں مقدمے سفارشوں سے فیصل ہوا [illegible] انصاف کہاں [illegible] گا۔ میں نے صاف صاف کہکر رخصت [illegible] عاجز کر دیا اسنے اپنی کراہٹ باتوں سے۔ جاتے وقت کہتا تھا کہ پھر

آؤنگا مگر میں نے صاف کہدیا کہ کہنے کو جب چاہے آؤ مگر یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا"

"اچھا تو اب یہ بھی نوبتیں آرہی ہیں وہاں"

"ابا جان صاحب وہ سب ایک سے ایک بیہودہ لوگ ہیں تہذیب چھو نہیں گئی ہے"

"ہاں مگر سب گھر بتاہ ہو گیا۔ بہت افسوس ہوا مجھے"

(۷۱)

"مگر چاہت تو فضول کی چیز ہے حضور"

"یہ کیا"

"وضعداری۔ رسوم دنیا اور اخلاق ان سب کے سامنے محبت کیا چیز"

"اچھا تو مجھے بنا رہی ہے۔ تیری یہ ادا بھی مجھے بہت بھاتی ہے تو قیامت ہے نوبہار بلا کی بنی ہوئی۔ تونے مجھے بنا دیا محبت کیا ہے محبت ہی سب کچھ ہے یہی دل کو بہلاتی ہے۔ روپیہ تو موج ہے دریا کی"

"شکر خدا کا حضور آپ نے اتنا تو مانا"

"اور آج میری ایک بات اور سمجھ میں آئی۔ وضعداری بغیر روپیہ کے نہیں چل سکتی"

"جی ہاں سرکار ٹھیک ہے"

"نوازش ہمارے ایک دور کے بھائی تھے۔ ان کے انتقال

مجھے اطلاع ہوئی۔ بڑا افسوس ہوا گھر انکا تباہ ہو گیا۔ سب بھائی
آپس میں لڑ رہے ہیں۔ کوئی ان سے محبت ہی نہیں کرتا تھا،،
"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی حضور،،
"سمجھا میں بھی ٹھیک سے نہیں ہوں۔ خیر پھر کبھی بتاؤنگا۔ مجھے
مجھے آج کچھ نیند نہیں آ رہی ہے۔ دماغ خالی خالی معلوم ہو رہا ہے۔۔۔
اچھا کوئی کہانی کہو آج،،
کون سی کہانی کہوں،،
"کوئی نئی،،
"نئی سب تو آپ کو سنا چکی ہوں۔۔۔۔۔ اچھا ایک ہے"
"کیا نام ہے کہانی کا،،
"غیرت ماہ شہزادی کی کہانی،،
"سنئے سرکار۔ ایک تھا بادشاہ۔ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ۔
کہانی سی چھوٹی نہیں بات سی میٹھی نہیں بکری چڑھ گئی ببول پر املی کا
تیہ نونو ہاتھ۔ عذاب ثواب بنانے والے کی گردن پر۔ کانوں کی سنی کہتے
ہیں آنکھوں کی دیکھی نہیں کہتے۔ دوست کے سر پر سونے کا چھتر دشمن
کے گلے میں سو من کا پتھر۔ سوئے سننا ر اور جاگے پاک پروردگار۔
تو حضور! ایک شہر میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے۔ ساتوں
جب جوان ہو گئے تو بادشاہ کو ان کی شادیاں کرنے کی فکر ہوئی۔ وزیروں سے
مشورہ کیا عاقل وزیر نے یہ صلاح دی کہ شہزادے ایک کے بعد ایک
جامع مسجد کے منار پر جائیں اور وہاں سے جدھر چاہے تیر چلائیں
جس کے گھر میں تیر گریگا۔ وہیں کی لڑکی ہم بیاہ لائیں گے،،

"واہ یہ اچھا قاعدہ نکالا تھا۔ کیا معلوم کہاں تیر گرتا"

"دیکھئے ہوتا کیں ہے"

"اچھا"

"تو سب شہزادوں نے تیر چلائے کسی کا کہیں گرا کسی کا کہیں اور بادشاہ نے انہیں گھروں میں پیغام بھیجے اور لڑکیاں بیاہ بیاہ کر لے آئے"

"تو تو قصہ ختم ہو گیا"

"جی نہیں چھ بھائیوں کی اسطرح شادیاں ہو گئیں۔ رہا ساتواں بھائی جسکا نام تھا جھرنیم روز"

"نام تو نیا نہیں ہے"

"نام کسی کا بھی نیا نہیں ہوتا۔ خیر جھرنیم روز جو تھا اسکا تیر ایک پیڑ پر ایک بندریا بیٹھی تھی اس نے پکڑ لیا"

"بندریا نے؟ اب کیا ہوگا"

"جی ہاں بندریا پیڑ پر تیر ہاتھ میں پکڑے بیٹھی رہی۔ لوگوں نے جا کے دیکھا تو اس کے ہاتھ میں تیر تھا۔ بادشاہ سے کہا گیا کہ یہ ہوا۔ بادشاہ بولا کہ ہمارا قول نہیں بدل سکتا اس بندریا کو سکھ پال میں بٹھا کے لے آؤ۔ ہمارے لڑکے کی قسمت میں وہی لکھی ہے۔ کہار سکھ پال لیکر پیڑ کے نیچے پہونچے اور ایک سونے کی زنجیر انہوں نے بندریا کو باندھا اور سکھ پال میں بٹھا کے لے آئے۔ جھرنیم روز کی آرام گاہ میں ایک سونے کا کھونٹا گاڑا گیا اور اس سے بندریہ کو باندھ دیا گیا"

"اسی بندریا سے شہزادے کی شادی ہو گئی بھئی واہ"

"رات میں شہزادہ آ کے اپنی چھپر کھٹ پر لیٹ گیا اور بندریا کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ بندریا کچھ چیخی۔ شہزادہ اس کے پاس گیا تو چپ ہو گئی اور خوش ہونے لگی۔ شہزادے نے اسکی زنجیر کو کھونٹے سے کھول کے چھپر کھٹ کے پایے میں باندھ دیا۔ اب جب شہزادہ آرام کرنے تو وہ بندریا اچک کر پلنگ پر آتی اور شہزادے کے پیر دباتی۔ شہزادے کو بھی بندریا اچھی لگنے لگی"

"لیوں نہیں آخر منکوحہ بھی اسکی"

"خیر کچھ عرصہ یوں ہی گزرا۔ ایک دن بادشاہ نے اپنی سب بہوؤں سے کہلا بھیجا کہ ہمارے لیے رومال کاڑھ کے بھیجیں۔ خیر سب بہوویں تو انھیں رومال کاڑھنے لگیں اور چھوٹے شہزادے کو سب بھاوجوں نے بنایا کہ تم بھی اپنی بندریا سے رومال کڑھواؤ۔ شہزادہ بہت رنجیدہ ہوا اور آکر چھپر کھٹ پر لیٹ گیا اور خوب رونے لگا۔ بندریا اسکے پیر دبانے لگی تو اس نے لات ماری۔ پھر بندریا آئی۔ پھر اسنے لات ماری۔ آخر کو بندریا بولی"

"آئیں بندریا بولی۔ کوئی آسیب تھی وہ بندریا"

"جی ہاں سنئے۔ بندریا نے کہا کہ آپ کیوں پریشان ہیں جو کچھ میں کر سکتی ہوں میں کردونگی آپ بتائیں تو کیوں پریشان ہیں۔ شہزادے کو بندریا کے بولنے پر تعجب ہوا کہ وہ آدمیوں کی طرح بول رہی تھی مگر اسنے کہا کہ سب بہوؤں سے ابا جان نے رومال کڑھوائے ہیں اور تو تو ہے موئی بندریا تو کیسے کاڑھے گی۔ بندریا نے

کہا بس اتنی سی بات میرے پیر کے پاس ایک آدمی بھیجئے اور اس سے کہئے کہ وہاں پکارے ا اا ہستہ۔ ا اا ہستہ جب جواب آئے تو کہے کہ غیرت ماہ نے اپنے منھ ہاتھ پونچھنے کے رومال مانگے ہیں،،

"اچھا تو غیرت ماہ یہ بندریا تھی،،

"سنے جائیے حضور۔ جب سب صاحبزادوں کے یہاں سے کشتیوں میں لگ کے رومال بادشاہ کے یہاں گئے تو اسی وقت مہر نیم روز کے یہاں سے بھی رومال باجے کے ساتھ پہنچے بھائیوں نے کہا کہ کچھ پھٹے چیتھڑے آئے ہونگے اس بندریا کے نوچے ہوئے۔ خیر جب کشتیاں کھولی گئیں تو سب سے عمدہ کڑھے ہوئے رومال مہر نیم روز کے یہاں ہی کے تھے بادشاہ بہت خوش ہوا"

"تو یہ رومال بندریا کے بنائے تو تھے نہیں،،

"جی اسی کے بنائے ہوئے اس کے گھر پر رکھے تھے۔ خیر پھر کچھ عرصہ گذرا۔ اب شہزادے کو اپنی بندریا سے رغبت ہوتی گئی۔ اس سے باتیں کرتے تھے اور باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن پھر بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ سب بہوویں ہمارے یہاں دعوت میں آئیں۔ اب پھر سب بھاوجوں نے شہزادے کو بنایا ہر ایک نے کہا کہ تمہاری بندریا کی زنجیریں ہم پکڑ کے اسکو لے جائیں گے۔ شہزادے کو پھر بہت قلق ہوا اور وہ اٹوائی کھٹوائی لے کے پڑ گئے بندریا نے آکر گلے میں باہیں ڈالیں،،

"اور پیار نہیں کیا،،

"جی۔ آپ بھی۔ خیر شہزادہ بولا کہ اباجان نے سب بہوؤں کو بلایا ہے اور تم تو بندریا ہو تم کہاں جاؤگی بندریا نے کہا بس اتنی سی بات

آدمی کو بھیجا اور وہ وہیں پیڑ کے نیچے جا کے پکارے ماں پتہ ماں پتہ اور جب جواب آئے تو کہے کہ غیرت ماہ نے اپنے سنگھار کا سامان کپڑے اور گہنا مانگا ہے۔ آدمی وہاں جا کے کہہ آیا اور تھوڑی دیر کے بعد گہنا پاتا کپڑے دپڑے شہزادے کے یہاں لوگ لے آئے"

کیا کوئی ہوا ذات تھی یہ بندریا"

"جی ہاں یہی تھی ابھی معلوم ہوا جاتا ہے آپ کو خیر سب بہوئیں بادشاہ کے محل میں پہونچیں اور اہنوں نے جا کر ایک گاؤ تکیہ میں ایک سونے کا کھونٹا لگایا کہ انہیں بندریا کی زنجیر باندھیں گی۔ اب ادھر کی سنئے غیرت ماہ نے اپنا بندریا کا خول اتارا اور حمام کرکے اور سولہ سنگھار کرکے شہزادے کے سامنے آئی تو شہزادہ غش کھا کے گر پڑا اس قدر خوبصورت تھی وہ، خیر وہ شہزادے کو ہوش میں لائی اور پھر اپنا خول اس نے شہزادے کو دیا کہ اس کو جان کے برابر عزیز رکھنا پھر وہ سکھ پال میں بیٹھ اپنے سسرے کے محل چلی گئی۔ بادشاہ کے یہاں اور سب بہوئیں اتارلے آئیں سب سے بڑی ہاتھ میں سونے کی زنجیر لئے ہوئے تھیں کہ گلے میں ڈال کے باہر کھینچ لیں گی۔ وہاں جو سکھ پال کا جھٹکا اٹھا تو معلوم ہوا کہ جیسے چاند نکل آیا سب غش کھا کر گر پڑیں"

"یہ سب کہانیوں میں ہوتا ہی غش کھا کے گر پڑے غش کھا کے گر پڑیں۔ خوب"

خیر ساتوں بہوئیں بادشاہ کے سامنے گئیں اور دستر خوان پر بیٹھیں بادشاہ چھوٹی بہو کی تعریفیں پہ تعریفیں کرتا جا رہا تھا۔ اب ادھر کی سنئے یہاں مہرنیم اور خول کو کلیجے سے لگائے بیٹھا تھا اور شہزادی کے تصور میں محو تھا اسکے بھائیوں نے آکر اسے سمجھایا کہ نہ یہ خول ہوگا اور نہ پھر وہ بندریا

بنے گی لہذا اس کو جلا ڈالو۔ شہزادہ تھا بھولا بھالا اسکے بات آگئی سمجھ میں اور اسنے کوئلہ دیکھو اکر خول کو اسمین چھوڑ دیا۔ بس اسی وقت غیرت ماہ دستر خوان پر سے اٹھی، ہائے میں جلی، ہائے میں جلی، اور ہوا میں اڑنے لگی۔ اپنے محبوب شہزادے کی طرف آئی اور بولی اگر مجھ سے ملنے کا شوق ہو تو سوا من لوہے کی کھڑاویں پہن کر اور سوا من لوہے کا عصا ہاتھ میں لیکر آنا اور جب وہ عصا سینگ سا ہو جائیگا اور کھڑاویں چپاتی سی تو میرے گھر پہونچوگے۔ اور اسنے ایک انگوٹھی نشانی کی ہوا ہی سے پھینکی شہزادے پر اور اڑتی ہوئی چلی گئی شہزادہ دیکھتا رہا،،

"شرط تو اسکی بڑی سخت تھی اتنا دور تھا اسکا گھر"

"اور پرستان کیا یہاں ہے۔ خیر شہزادے کو اب کہاں قرار۔ جی بھر کے دیکھ بھی نہ پائے تھے کہ یہ واقعہ ہوا۔ فوراً لوہار کے یہاں گئے سوا من کی کھڑاویں اور سوا من کا عصا بنوایا اور چل کھڑے ہوئے اپنے راستے پر۔ یہاں بادشاہ نے ہر طرف ڈھنڈوایا کہیں پتہ نہ چلا تو سب رو پیٹ کے بیٹھ رہے

"تو پھر شہزادہ گیا کہاں،،

"سنیئے چلتے چلتے۔ چلتے چلتے جنگل بیابان لق دق میدان نہ آدم نہ آدم زاد سوائے خدا کی ذات۔ منزلیں طے کرتا بناس پتی کھاتا شہزادہ چلا جا رہا ہے"

"جا کدھر رہا ہے۔ اسے رخ بھی معلوم تھا،،

"جس رخ اڑ کر گئی تھی غیرت ماہ اس رخ جا رہا تھا۔ بیچارہ۔ بال بڑھ کر یہ ہو گئے۔ داڑھی پیٹ تک پہنچی۔ ناخون بڑھ کر سیپیاں ہو گئے پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور چلا جا رہا ہے"

"وہ بڑا سچا عاشق تھا"

"آخر کار وہ غیرت ماہ کے شہر میں پہونچا۔ وہاں بھوکا پیاسا ایک کنویں کی جگت پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کنویں پہ پنچھیا ریان پانی بھرنے آئیں شہزادے نے ہر ایک سے کہا کہ بہن ذرا سا پانی پلا دو ہر ایک نے کہا کہ اچھا آیا موا ہماری غیرت ماہ شہزادی کا غسل صحت ہے ہم اسکے لئے پانی لئے جا رہے ہیں۔ اس موئے کو پلا دیں پانی یہ کہکر سب کی سب چلی جاتیں یہ بیچارہ کو کنویں کی جگت پر بیٹھا رہا۔ اتنے میں ایک بڑھیا ایک گھڑا لیکر آئی شہزادے نے سلام کیا۔ بڑھیا نے دعا دی اور بولی بیٹا تو جلدی سے پانی کھینچ دے میری شہزادی انتظار کر رہی ہوگی آخر گھڑا امیر اہی سر پہ ڈالے کی شہزادہ پانی کھینچنے لگا اور بڑھیا سے پوچھتا گیا کون ہے تمہاری شہزادی۔ بڑھیا نے بتایا کہ وہ پری زاد ہے۔ بندر یا کے خول میں تھی ایک آدم زاد پہ عاشق اس کے گھر میں اسکا خول جلا یا گیا اور وہ جلتی ہوئی یہاں پرستان اُڑ آئی اب اچھی ہوئی ہے تو اسکا غسل صحت ہے۔ شہزادہ دل میں بہت خوش ہوا کہ وہ منزل مقصود پہ آگیا خیر اسنے بڑھیا کے سر پہ گھڑا رکھ دیا اور اپنی انگلی سے غیرت ماہ کی انگوٹھی کھسلا کے گھڑے میں ڈال دی"

"اچھا اب اسکو خبر ہو جائیگی اسکے آنے کی"

"بڑھیا لے کے پہونچی اپنا گھڑا اور شہزادی نے سر پہ جیسے ہی انڈیلا گھڑا ویسے ہی انگوٹھی گری۔ شہزادی نے اس پہ پیر رکھ دیا۔ شہزادی کپڑے وپڑے بدل کر باہر آئی اور کوٹھے پہ بال سکھانے کے لئے ٹہلنے لگی۔ وہ بڑھیا اس کے ساتھ تھی شہزادی بڑھیا سے بولی کیوں ماما پستہ"

"تو یہ بڑھیا ماما پستہ تھی جس کو پیڑ کے نیچے پکارا جاتا تھا"

"جی ہاں تو شہزادی نے پوچھا کہ کنویں کی جگت پر کون بیٹھا تھا۔ اسنے کہا کہ ایک مسافر ہے۔ بیچارہ اور اسکی سب حالت بیان کی۔ شہزادی نے کہا کہ تم اپنے لڑکے سے کہو کہ اس مسافر کو خوب نہلوا دھلوا کے اچھی پوشاک پہنا کے آرام سے رکھیں۔ اسکے ہاتھ پیر خوب دہوائیں میں انعام دونگی بس مالپستہ آئی اور شہزادے کو اپنے گھر لے گئی ۔۔۔۔ کیا حضور کچھ نیند آرہی ہے"

"تیری کہانی بڑی دلچسپ ہے نہیں مجھے نیند نہیں آرہی ہے جب ختم ہو جائیگی کہانی تب نیند آئے گی"

"تو شہزادی کو اب بیقراری تھی کہ شہزادے سے ملے۔ کچھ دن بعد اسنے مالپستہ سے کہا کہ تم میری والدہ سے جاکر کہنا کہ ایک آدم زاد غلام بکنے آیا ہے لیجئے۔ شہزادی کی ماں نے اسطرح شہزادے کو خرید لیا۔ وہ شہزادے سے بہت ہی مشکل کام کرواتی تھی"

"یہ سختی کیوں"

"بات یہ تھی کہ غیرت ماہ کی ماں یہ جانتی تھی کہ وہ شہزادے پر عاشق ہے۔ اپنی۔ ماں سے چھپنے ہی کے لئے اسنے خول پہنا تھا بندریا کا۔ ماں شہزادے کو پہچان گئی اور اب چاہتی تھی کہ کام کرا کرا کے اس کو مار ڈالے تاکہ غیرت ماہ کی شادی اسکی خالہ کے بیٹے سے ہو جائے۔ اس کی وہ منگیتر تھی"

"اچھا یہ معاملہ تھا اب صاف ہوا مطلب"

"تو ایک دن ملکہ نے یعنی شہزادی کی ماں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ جاکے دیواریں لیپے اور دیواروں میں سوئیاں لگا دی تھیں۔ شہزادے

ہاتھ لگاتا تو ہاتھ میں سوئی چبھ جاتی۔ بیچارہ بیٹھا رو رہا تھا۔ ادھر سے شہزادی آئی دیکھا شہزادہ رو رہا ہے فوراً اپنی نوکرنیوں کو حکم دیا کہ دیواریں لیپ ڈالیں۔ وہ اور شہزادہ باتیں کرتے رہے اور نوکرنیوں نے کسب دیواریں لیپ دیں شام کو ماں نے جو آ کر دیکھا تو سب کام چوکس تھا اور وہ بولیں شہزادے کو دیکھ کے یہ تیرا کام نہیں ہے تیرے گرو کا کام ہے"

"ماں جانتی تھی مگر روک نہیں سکتی تھی اپنی لڑکی کو"

"حضور یہ پریزاد آدم زاد سے زیادہ محبت کو سمجھتے ہیں اور اتنے ظالم نہیں ہوتے"

"مگر ماں کا کوئی رعب ہی نہ تھا"

"خیر وہ تھا سب یوں ہی حضور اس دنیا سے مختلف۔ اچھا تو پھر دوسرے دن ماں نے ایک کٹھیا بھر چاول اور اتنی ہی دال ملا کے دے دی شہزادے کو شام تک دال الگ اور چاول الگ کر ڈالے۔ شہزادہ چنتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا شہزادی ادھر آئی اور اپنی نوکرنیوں سے پھٹکوا کے دال الگ اور چاول الگ کروا دیے۔ اس طرح روز شہزادے کو کام دیے جاتے اور شہزادی اپنی نوکرنیوں سے کام کروا دیتی۔ یہاں تک کہ ماں عاجز آ گئی اور اس نے شہزادے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا"

"شہزادے کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر دی"

"کیسے ہوتا حضور۔ یہ آدم زاد وہ پریزاد اور پھر خالہ کے لڑکے سے ٹھہری تھی شادی۔ آخر پریوں میں بھی خاندانی وضع کا پاس ہوتا ہے

"اچھا یہ چھٹنے ہم پہ"

"نہیں سرکار دنیا کا قاعدہ یہی ہے آدم زاد ہو یا ہوا زاد خیر شہزادی کی خالہ نے اب زور دیا کہ جلد سے جلد شادی ہو جائے۔ شہزادی کی ماں بھی عاجز آ چکی تھی اور شادی کر ہی دینا چاہتی تھی۔ غرض شادی کا دن آیا ناچ رنگ ہوتے رہے۔ برات کی رات کو شہزادی نکل کر شہزادے کے پاس پہونچی اور بولی اب شہزادے چلو نہیں خیریت نہیں ہے ہم تم ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے"

"یہ نکاح کے بعد ہوا"

"ابھی نکاح کہاں ہوا ہے۔ بس اسی رات کو ہوتا۔ شہزادی شہزادے کو اپنے محل کے کوٹھے پر لے گئی اور وہاں سب سے تیز اور اونچی اڑان کے اڑن کھٹولے پر بیٹھ کے دونوں غائب ہو گئے"

"بھاگ گئے"

"کیا برائی کی اسنے عشق اپنا راستہ نکال ہی لیتا ہے۔ اب یہاں نکاح کا وقت آیا تو شہزادی غائب سب پریوں نے کہا کہ چلو ڈھونڈھیں۔ خیر رات جوں توں کاٹی۔ صبح ہوتے ہی شہزادی کی چھوٹی خالہ چلیں اڑن کھٹولے پر بیٹھ کر ڈھونڈھنے۔ تھوڑی دیر میں دنیا بھر ڈھونڈھ کے واپس آئیں لیکن انھیں کچھ نہیں دکھائی دیا۔ ہاں ایک جنگل میں ایک پیڑ پر ایک خوبصورت کبوتر کا جوڑا بیٹھا دیکھا تھا۔ شہزادی کی ماں نے کہا ارے وہ کبوتر تھا وہ موا شہزادہ اور کبوتری تھی میری بچی۔ اسپر شہزادی کی بڑی خالہ جن کے لڑکے کے ساتھ شادی ہونے والی تھی بولیں ذرا دیکھ تو جاتی ہوں۔ اس کبوتر کی ٹانگیں چیر کے پھینک

آؤنگی اور اپنی پیاری کبوتری کو لے آؤنگی "

" اچھا اب پھنسیں گے دونوں "

" خیر وہ خالہ جنگل میں پہنچیں تو کبوتر نہ کبوتری - ایک مور ناچ رہا تھا اور منھ میں اسکے ایک موتی تھا - یہ بھی چلی آئیں اور اپنی بہن سے آکے بیان کر دیا۔ شہزادی کی ماں نے کہا اچھا یہ یوں رنگ بدلے جا رہے ہیں دیکھو اب میں جاتی ہوں اور سب ٹھیک کئے آتی ہوں "

" ارے بھائی وہاں سب خالائیں ہی تھیں - کوئی خالو ماموں چچا بابا نہیں تھا "

" پرستان میں بیش بیش پریاں ہی ہوتی ہیں - یہ لوگ اپنے الگ کہیں پڑے ہونگے جیسے آدم زاد میں عورتیں الگ پڑی ہوتی ہیں خیر اب ماں چلیں - ادھر شہزادی کو خبر ہو گئی کہ ماں آرہی ہیں اسنے شہزادے سے کہا کہ اماں جان بڑی ہوشیار ہیں انکے لیے بڑی اونچی چال سوچنا ہے ایسی کہ ان کو کچھ کرتے نہ بن پڑے خیر بڑی ہوشیار تھی شہزادی فوراً اسنے شہزادے کو بنایا سرو کا درخت اور خود عشق پیچاں کی بیل بن کر اسکے چاروں طرف لپٹ گئی "

" اچھا یہ ترکیب خوب کی اسنے "

" اب ماں جو آئیں تو دیکھا انہوں نے اور پہچان لیا کہ لڑکی بیل ہے اور شہزادہ درخت بس رونے لگیں اور بولیں ہائے بیٹی اگر اس درخت کو جڑ سے کاٹتی ہوں تو تیرے پیر کٹے جاتے ہیں اور اگر کھینچی سے کاٹتی ہوں تو تیرا سر کٹا جاتا ہے۔ تو اپنے عشق میں کامل ہے - میں ہاری تو جیتی - جا سدا اپنے اپنے معشوق سے وصال میں قائم رہ اور پھر وہ کہہ کر واپس چلی آئیں "

"بس ختم۔ پھر وہ ایسے ہی رہے"

"اس سے بہتر اور ان کے لئے کیا تھا۔ ہمیشہ ایک۔ اب بھی یوں ہی باغوں اور جنگلوں میں اُگ گئے ہیں"

"قصہ تو بہت ہی اچھا ہے اب مجھے اطمینان سے نیند آجائیگی"

(۴۲)

ایام عزا رفتہ رفتہ گزر رہے تھے۔ برات میں خاصہ کے بعد زنانی مجلس روز ہوتی تھی۔ گرمی سے نازک انجمن آرا پگھلنے لگ جاتی تھی۔ اسلئے اسکو اجازت تھی کہ چاہے مجلس میں جائے یا نہ جائے وہ اپنی مسہری پر بڑے محل کی انگنائی میں لیٹی تھی اور نوبہار پٹی کے پاس پیڑھی پر بیٹھی اسکا دل بہلا رہی تھی

"تو کیا وہ روز باغ میں آتے ہیں؟" انجمن نے پوچھا

"روز کیسے بیگم۔ باغ میں آنا اور ڈاکہ مارنا ہوتا ہے رسے پر سے چڑھ کے۔۔۔ کل کہہ رہے تھے مجھ سے کہ کسی اور دن پھر"

"تو تونے کیا کہا"

"میں نے کہا خوب۔ اپنی جان پر کھیل کے تو ہم یہ جسارت کرتے ہیں اور آپ کے لیے روز یہی ہو کہ مزے ہی میں آگئے"

"تو ان سے یوں باتیں کرتی ہے"

"اور کیسے کروں باتیں۔ خیر اب باغ واغ میں جانا فضول ہے"

"کیوں ؟"
"کیا فائدہ آپ منہ پھیرے کھڑی رہتی ہیں اور پھر بھاگ آتی ہیں"
"کیا میں انکی گود میں بیٹھ جایا کروں"
"جی ہاں یہی تو چاہیئے"
"ہٹ تجھے پھر مذاق سوجھا ۔ مجھے شرم آتی ہے"
"یہ شرم کب تک"
"اچھا کل تو کہنا کہ باغ میں آئیں"
"مگر ایک شرط پر بیگم ۔ ابکی آپ شرمائیں گی نہیں"
"میری سمجھ میں نہیں آتا بات کیا کروں ۔ وہ مجھے محو ہو کر دیکھتے ہیں"
"آپ بھی اس طرح دیکھا کیجیے"
"ہٹ ۔ میری تو آنکھیں نہیں اٹھتی ان کے سامنے"
"آپ کی بھی عجب چاہت ہے"
"اچھا کل میں نہیں شرماؤنگی اسقدر"
چنانچہ دوسری رات کو پھر تینوں باغ میں یکجا ہوئے ۔ نوبہار نے دونوں کو ایک سرو کے درخت کے پاس سنگ مرمر کی چوکی پر بٹھا دیا تھا ۔ دونوں پاس پاس تھے ۔ حیدر کی آنکھیں انجمن کے چہرہ پر لگی تھیں اور انجمن اپنا سر جھکائے ہوئے گھانس پر آنکھیں جمائے تھی ۔ نوبہار پاس ہی گھاس پر لیٹی تھی
"میں کس قدر خوش قسمت ہوں مجھے کبھی خیال بھی نہ تھا کہ ہم کبھی ایسے مل سکیں گے"
"وہ بھی زمانہ تھا ہم آپ ساتھ کھیلتے تھے ۔ مگر اب ۔ ۔ ۔

"یہ دنیا بھی بدل جائیگی بیگم ہم اور تم جدا ہونے کے ہی لئے پیدا کئے گئے تھے۔ تم مجھ سے دور رہی ہو جاؤگی بیگم"

"لیکن۔ میں۔ میں کیا بتاؤں میں مر ہی جاؤں تو اچھا ہے"

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیگم" حیدر نواب نے انجمن آرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا

"یہ سب کیا ہوگا" انجمن نے کہا، حیدر نواب کی طرف دیکھا اور پھر منھ جھکا لیا

"ہمیں اپنے گھر کی وضعداری پر قربان ہونا ہوگا"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" نوبہار اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "آپ کے گھر کی وضعداری کو آپ کی محبت پر قربان ہونا ہوگا"

"یہ کیسے؟ تیرے خواب الگ ہی ہیں"

"سیدھی سیدھی بات تو یہ ہے کہ آپ دونوں بھاگ جائیں"

"ارے یہ کیا کہتی ہے تو" انجمن نے کہا

"یہ بڑی بری بات ہے۔ بدنامی ہمارے خاندان کی اور ابا جان کا کیا حال ہوگا"

"ہاں دادا ابا کا دل ٹوٹ جائیگا"

"ہائے یہی چیز تو مجھے بھی روکتی ہے۔ ان بڑے میاں کی محبت نہیں تو میں اب تک بھگا چکی ہوتی آپ کو" نوبہار بولی

"ان سے کوئی کیا کہہ سکتا ہے" حیدر نے کہا

"میں سب کچھ کہوں گی۔ وہ بدلیں گے بدلیں گے ضرور"

"اور اگر نہ بدلے"

"تو پھر میری اور انکی جان ایک پتلے ہیں اور آپ دونوں کی دوسرے میں۔ ہم دونوں یا آپ دونوں ختم ہو جائیں گے"۔

"خیر یہ دو گھڑی کی خوشی ہی بہت ہے ہمارے لئے۔ انجمن کے پیارے ہاتھ پر میرا ہاتھ ہے" یہ کہکر حیدر نواب کچھ اور قریب کھسکے۔ انجمن آرا سے بالکل مل گئے اور بولے

"تم سے اسقدر قریب ہو جانا ہی جنت ہے۔ اس جنت کی یاد ہی میرے لئے کافی رہے گی زندگی بھر"۔

کندھے سے کندھا ملنے سے انجمن کے جسم میں ایک لہر دوڑ گئی اسنے اپنا سر حیدر کے کندھے پر ٹیوڑھا دیا۔ حیدر نے چہرہ کی طرف دیکھکر کہا

"سائیں۔ آپ کے ماتھے پر پسینہ" اور رومال نکال کر اسکا ماتھا پونچھا

"ارے بیگم اب چلئے مجلس۔ وہ ماتم سے پہلے ہی پہنچ جانا ہے۔ ماتم شروع ہوتے ہی کچھ لوگ آجاتے ہیں محل میں"۔

انجمن چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ نوبہار اور وہ جلدی جلدی خاص محل میں آگئیں۔ انجمن مسہری پر لیٹ گئی اور نوبہار پیڑھی پر بیٹھ گئی

"نوبہار آج میری کچھ عجب حالت ہے"۔

"کیوں نہیں جسم سے جسم مل گئے"۔

"مگر میرا دل ڈھاڑ ڈھاڑ کر رہا ہے

"آج آپ اسقدر شرمائیں نہیں"۔

"اب میں کبھی نہ شرماؤں گی۔ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ پر"۔

"اور آپ کا سر ان کے کندھے پر"

"اے ہٹ۔ پھر تو مذاق پر اتری"

"میں کوئی جھوٹ کہہ رہی ہوں بیگم"

"انہوں نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسطرح دیکھا کہ میں بے بس ہو گئی۔ بالکل جیسے نیند سی آ گئی اور میرا سر گر گیا ان کے کندھے پر"

"تجھے برا لگا بیگم۔ اسی سے تو میں نے کہا اب چلئے"

"برا لگا"

"جی ہاں"

"یہ سب تیرا ہی کیا دھرا اور تجھے برا لگا"

"جی میرے دل میں کچھ جلن پیدا ہوئی"

"اے ہٹ تو بنا رہی ہے مجھے"

"میں آپکی سچی دوست ہوں بیگم میں بالکل سچ بتا رہی ہوں مجھے بھی تو ان سے عشق ہے مگر اپنے عشق کو آپ دونوں کے عشق پر میں قربان کر رہی ہوں۔ پھر بھی عورت ہونے کی وجہ سے لڑکھڑا جاتی ہوں کچھ لڑکھڑا گئی تھی۔ اس لیے میں نے آج جلدی کی۔ اب نہ لڑکھڑاؤنگی کبھی"

"تو اپنی محبت ہماری محبت پر نثار کر رہی ہے"

"جی بیگم میرا یہی مسلک ہے"

"کہیں یوں ہی تو مجھے بنا تو نہیں رہی ہے"

"آپ خاندانی صاحبزادی ہیں میری بات ڈاکو کی لڑکی ہی سمجھ سکتی ہے"

"تو کیا سب ڈاکو یہی کرتے ہیں"

"سب نہیں۔ میرا ڈاکو یہی کرتا تھا۔ میرا باپ کا ایک ساتھی بھی تو تھا جو میں نے آپ کو بتایا تھا بڑا بے ایمان تھا۔ میرے عشق کا مطلب آپ دونوں کا وصل ہے"

"اور کامیاب تو ہو رہی ہے"

"ابھی اول قدم ہے"

"تو پھر تو جل کیوں گئی"

"اب مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ اس وقت مجھے کیا ہو گیا تھا دل کی خواہشات کبھی کبھی ارادوں سے ٹکر کھا جاتی ہیں بیگم۔ مگر اب ایسا کبھی نہ ہوگا میں ان سے زیادہ آپ کو چاہتی ہوں"

"مجھے تو کچھ عجب معلوم ہو رہا ہے۔ آنکھیں بند کرتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ عجب دلچسپ نیند آ رہی ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ سر ان کے شانے پر رکھا ہے۔ شرم آنے لگتی ہے۔ دل دھڑکنے لگتا ہے"

"یہ جی چاہتا ہوگا کہ آپکا سر ہمیشہ ان کے شانے پر رکھا رہے"

انجمن آرا خاموش رہی۔

"دیکھ بیتابی دل بھی بڑھ گئی ہوگی بیگم"

انجمن آرا نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی

(۴۳)

دوپہر کے وقت نوبہار لونڈی خانہ سے کھانا کھا کر خاص محل کی طرف آ رہی

تھی۔ حیدر نواب کی حویلی کے پاس پہنچ کر اسے خیال ہوا کہ ان صاحبزادے کا حال بھی پوچھتی چلے وہ۔ ڈیوڑھی میں دندانہ گھستی چلی گئی۔ گھسیٹے نے چلا کر کہا

"ابھی ٹینے کھانا کھا کے آئے لیٹے ہیں۔ یو بکھت نائی ہے تمرے آوے کا۔ اکھت نہ بکھت بڑھیا چڑھی شکھت" وہ منہ اٹھائے اندر چلی گئی جیسے کہ گھسیٹے کی بات کو سنا ہی نہیں۔ حیدر نواب کے کمرے کے پاس آکر اسنے اندر جھانکا اور کہا۔

"میں بس جاؤں"

"آؤ۔ آؤ۔ نوبہار"

"کہئیے نواب مزاج کیسا ہے"

"کیوں۔ کیوں اچھا ہوں"

"یہ کتاب پڑھ رہے ہیں۔ کیا ہے اس میں لکھا؟"

"ایک داستان ہے"

"عشق کی ہوگی"

"ہاں یہ ایک دلہن کا قصہ ہے"

"ہاں اس کتاب کا نام ہے لیمر مور کی دلہن"

"یہ کس کی دلہن"

"ایک مقام کا نام ہے"

"تو اس دلہن کا کیا قصہ ہے وہی تو نہیں جو ایک دلہن کو لیکر بھاگا تھا آپ نے اس دن سنایا تھا"

"نہیں یہ وہ نہیں ہے۔ اسی شاعر کا لکھا ہے قصہ۔ ابھی میں نے

پڑھا نہیں ہے مگر شاید عاشق و معشوق دونوں آخر میں مرجائینگے "
"مرجائینگے "
"قصہ درد ناک ہے اور سب واقعات یہی بتاتے ہیں کہ آخر میں مرجائیں گے دونوں "
"اس درد ناک قصہ سے آپ کی بہت دلچسپی ہو رہی ہے "
"ہاں عرفیؔ کہتا ہے از پریشانی دل سوختم و بہر علاج +
ہم بہ دریوزۂ دلہائے پریشاں رفتم سمجھی "
" اچھا تو کچھ پریشانی دل بڑھی ہوئی ہے "
"ہاں کچھ بڑھ تو گئی ہے "
"آج اس کمرے میں خس کی ٹٹیاں بھی نہیں "
"نہیں۔ میں نے منع کر دیا "
"کیوں ؟"
"یہ گرم لوں دل کو اچھی معلوم ہوتی ہے "
"جنون کے دائرے میں آرہے ہیں ؟ "
"بعض وقت تو جی چاہتا ہے کہ کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤں اور دشت نوردی میں زندگی کاٹ دوں "
"بیگم کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے "
"مجھے تیرے اوپر غصہ آرہا ہے۔ تو کیا کرنے والی ہے کل رات بھر وہی تصور رہا۔ ہم دونوں ملے بیٹھے ہیں ان کا سر میرے کاندھے پہ۔ رات بھر نیند ہی نہیں آئی۔ یہ سب تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ تو ہماری آگ کے شعلوں کو بھڑکا رہی ہے۔ اس کا کیا حشر ہوگا "

"وہی جو ہونا چاہیئے یعنی جو مین چاہتی ہون"

"تو کیا چاہتی ہے"

"میری ابتک سمجھ مین نہین آیا کہ مین کیا چاہتی ہون"

"تو تو اپنے کھیل مین ہم کو تباہ کر رہی ہے کسی طرف دھیان نہیں لگتا"

"یہ شعلے دونون طرف بڑھ رہے ہین"

"دونون طرف"

"ہان بھی بیتابی دل بڑھ گئی ہے"

"اب ہم دونون تباہ ہی ہو جائینگے"

"اور پہلے کیا تباہ نہ ہوتے"

"ہوتے تو۔ یہ ازل سے ہماری قسمت مین لکھا ہے۔ مگر تو نے تو قیامت کر دی۔ اب زندگی دشوار معلوم ہو رہی ہے۔ نوبہار۔ اس نازک جسم کی حرارت نے یہ کیا کر دیا"

"مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ یہ آگ بڑھ رہی ہے"

"ہم دونون بھسم ہو جائین گے مجھے بڑی خوشی ہوگی"

"اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ اب آپ آئے ہین تو جاتے کہان ہین"

"تو مین کسی جنگل مین نکل جاؤنگا"

"جنگل مین کیون جائیگا۔ ابھی ٹھہر ہے ہیں۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ کیا معلوم قصہ کا رخ بدل جائے"

"کیسے بدلے گا"

"آپ چاہیں تو آج ہی بدل جائے"

"کیسے"

"آج ہی بیگم کو لیکر بھاگ جائیے"

"میں اپنی محبت کو یوں گندہ نہیں کرنا چاہتا۔ اور ابا جان کو دھوکا دوں۔ ہم تین ہی تو دنیا میں ایسے محبت کرتے ہیں اور ہم ہی ان کو دھوکا دیں۔ ان کو ختم کر دیں"

"یہی تو میرے لئے بھی روک ہے۔ صبر کیجئے دیکھئے کیا ہوتا ہے نواب صاحب بدل رہے ہیں شاید بدل جائیں"

"یہ ناممکن ہے"

"تو پھر آپ جائیے جنگل میں اور وہاں شیروں کے سامنے اشعار پڑھئے"

حیدر نواب ہنس دئے اور تو بہار چلی آئی۔ وہ خاص محل کے خسخانہ میں پہونچی اور انجمن آرا کے پاس بیٹھ گئی۔ جب سناٹا ہو گیا تو اس نے یوں بات شروع کی

"میں بیگم ابھی ان سے مل کر آ رہی ہوں پھر انوردی کی ٹھانے بیٹھے ہیں"

"کیا کہا انہوں نے"

"جنگل میں نکل جائیں گے اور مجنوں ہو جائیں گے"

"تو تو ان کو روک"

"میں تو کہہ آئی جائیے"

"یہ کیا کیا تو نے۔ وہ چلے جائیں گے"

"آپ بھی کیا باتیں کرتی ہیں بیگم۔ جائیں گے کہاں یہیں رہیں گے۔ آپ بڑی بھولی ہیں نہیں سمجھتیں ان مردوں کو"

(۳۷)

بڑی بیگم صاحب کے یہاں رات کی مجلس میں روز کہیں نہ کہیں سے بیگمات مہمان آیا کرتی تھیں۔ یہ لوگ خاصہ میں شریک ہوتیں اور پھر مجلس میں۔ اکثر رات پھر یہاں رہ جاتیں اکثر مجلس کے بعد ہی سوار ہو جاتیں۔ آج نواب صفدر علی خاں کے یہاں کی متعدد بیگمات آئی تھیں انجمن آرا کی ان کے یہاں منگنی ہو چکی تھی اس لئے اس کو ان سے چھپایا گیا۔ انجمن اپنی ہی طرف رہی اور نوبہار اسکے پاس رہی۔

یہ سواریاں غروب کے وقت آ گئی تھیں۔ انجمن کی مسہری بجائے خاص محل کی انگنائی کے اس کے دالان ہی کے سامنے والی انگنائی میں بچھا دی گئی تھی۔ کچھ رات گئے انجمن نے نوبہار سے کہا۔

"آج مو نیند سے کر نہیں"

"آج تو خدا نہ کرے آپکی ہونے والی ساس آئی ہیں"

"یہ خدا نہ کرے تو نے کیوں کہا"

"میرا جی نہیں چاہتا کہ یہ آپ کی ساس ہوں"

"اچھا مگر آج"

"وہ تو آئی ہوئی ہیں"

"ہاں جادو تو وہی ہے جو سر چڑھ کے بولے"

"اگر آج کوئی دیکھ لے"

"تو اچھا ان کو خبر ہو جائے بات چیت کٹ جائے"

"آپ اتنی نڈر ہو گئی ہیں بیگم۔ اسے جیتی رہیے۔ جیتی رہئیے"

نوبہار اٹھ کر حیدر نواب کے یہاں۔ آئی۔ وہ اپنے چمن میں آرام کرسی پر بیٹھے تھے۔ اور ان کے پاس بہت سے اور لوگ بیٹھے تھے اسنے اندر آکر کھلکھلا را۔ سب لوگ اسکی طرف دیکھنے لگے۔ حیدر نواب اٹھ کر اس کے پاس آئے اور پوچھا

"کیا بات ہے"

"آج آئیگا ضرور"

"اچھا"

نوبہار ڈیوڑھی کی طرف پلٹی اور حیدر نواب اپنے دوستوں کی طرف۔ ایک دوست نے کہا "اچھا یہ معاملے ہیں"، نوبہار نے باہر آئے ہوئے یہ فقرہ سنا اور مسکراتی ہوئی نکلی چلی گئی

جب مجلس ہو رہی تھی اور بڑے محل میں بالکل سناٹا ہو گیا تھا تو نوبہار انجمن آرا کو باغ میں نکال لے گئی اور آج پھر سنگ مرمر کی چوکی پر حیدر اور انجمن پاس پاس بیٹھے تھے اور باتیں کر رہے تھے"

"میں سوچتا ہوں"، حیدر نے کہا "کہ کسی طرح مر ہی جاؤں جو یہ قصہ تمام ہو جائے"

"کیوں"

"آخر ہماری محبت کا حشر کیا ہوتا ہے۔ آج تمہاری ہونے والی

ساس آئی ہیں"

"مجھے تو وہاں کے نام سے نفرت ہے"

"مگر تم کیا کر سکتی ہو"

"اپنی جان دیدونگی بیر اچیا کے"

"نہیں بیگم۔ تمہارے بھائی ابا کا اور دادا ابا کا کیا حال ہوگا دونوں تم کو بہت چاہتے ہیں"

"میں نہیں چاہتی ہوں مگر وہ مجھے نہیں چاہتے کوئی بھی"

"یہ نہیں ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ تم کیا چاہتی ہو"

"تو اگر انہیں بتا دیا جائے تو کیا وہ اپنے قاعدے توڑ دیں گے وہ مجھ سے زیادہ اپنی وضعداری کو چاہتے ہیں"

"ٹھیک کہتی ہو بیگم" اور حیدر نے انجمن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ انجمن کے جسم میں ایک جھرجھری پیدا ہوئی اور اسنے اپنا سر حیدر کے کاندھے پر رکھ دیا حیدر نے بڑے پیار سے اسکو دیکھ کر کہا

"بیگم انجمن۔ تم سے نایاب بھی کوئی چیز بھی قدرت نے بنائی ہے

تراکشیدہ ہر دست از قلم خدا۔ اور پھر میرا اتنا خیال کرتی ہو تمہارے ایک ایک رونگٹے پر سو جانیں دے دینے کو جی چاہتا ہے"

"اگر تم نہیں تو دنیا نہیں۔ ۔ ۔" اور وہ رونے لگی

"رو رو نہیں بیگم۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ایسے گھر میں ہم لوگ پیدا ہوئے"

"اس گھر کو لات مار کر چلے جائیں"

"ہاں اگر تمہاری یہی رائے ہے"

"نہیں نہیں ۔ دادا ابا کا کیا حال ہوگا"

"موت سے ہی یہ لگی دل کی بجھے گی آخر"

"تم نہ جان دینا ۔ مجھے یاد کرنے والا تو کوئی رہ جائیگا"

"تم جب میرے لئے جان دوگی تو میں کیسے زندہ رہونگا ۔ میں پہلے ہی مرجاؤں"

"ہائے کیا ہوگا ۔ میں اب کسی مرد کے پاس نہیں بیٹھ سکتی ۔ اگر میری وہاں شادی ہوئی تو میں انگوٹھی چبا لونگی"

"میں بھی کسی اور عورت کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ۔ ہمارے یہاں خاندانی قاعدوں میں محبت کا ہمیشہ نتیجہ دونوں کی موت ہی ہوا"

"تو ہم تیار ہیں"

"کسی طرح مرتے وقت بھی ساتھ ہوں اور ساتھ ہی ساتھ مریں"

نوبہار جو ادھر ادھر ٹہل رہی تھی اور اب پاس آگئی تھی بولی

"یہ موت کا کیا ذکر ہے ۔ کیا عاشق لوگ موت ہی کی باتیں کرتے ہیں"

"یہ سب بس تیرا بویا ہوا ہے" دونوں نے کہا

"میرا بس مارتا نہیں ہے چلا تا ہے ۔ اسکا اثر دیکھئے گا"

"یہ اپنی الگ ہی اڑاتی ہے بے پرکی"

"آپ دیکھئے گا میں کوشش کر رہی ہوں نواب صاحب کو منانے کی ۔ شائد مان جائیں بدل تو رہے ہیں ذرا ذرا"

"وہ نہیں بدل سکتے"

"یہ کیسے ممکن ہے دادا ابا بدل جائیں"

"مگر بیگم اور آپ بھی حمید کہ نواب ایک بات دیکھئے ۔

چھوٹے نواب کی کیا رائے ہے"

"چاہتے تو مجھے بہت ہیں مگر ابا جان کے سامنے ان کی کیا ہمت ہے"

"ان کی صاف رائے کیا ہے"

"یہ کون پوچھ سکتا ہے"

"میں دیکھئے دریافت کرونگی"

"مگر تو کیسے کرے گی تیرے لئے تو کچھ ناممکن ہی نہیں ہے جیسے کر"

انجمن بولی

"اچھا بیگم اب چلئے اب دیر ہو گئی"

اور وہ دونوں اطمینان کے ساتھ چھوٹے نواب کے محل میں آ گئیں اور انجمن اپنی مسہری پر لیٹ گئی۔ وہ بولی

"نوبہار تو میرا گلا گھونٹ دے میرا جینے کو جی نہیں چاہتا"

"مجھی ہے محبت آپکی بیگم"

کشتگان عشق کو رونے سے کیا کام اے ظفر
آگ میں آنسو ٹپکتا ہے کباب خام سے

"محبت ایسی ہی ہوتی ہے"

"مجھے دیکھئے بیگم"

"تجھے کیا دیکھوں۔"

"کیا تجھے محبت نہیں مگر مجھے صبر بھی آ گیا۔ کیا آپ کو صبر نہیں آسکتا۔ مجھ میں طاقت ہے آپ کو طاقت نہیں ہو سکتی"

"اچھا دیکھئے کل سے میں ایک بات [illegible]

ہوں"

"کیا"
"آپ کے بھائی ابا کی رائے لونگی"
"تو ان سے جا کے کہے گی؟"
"نہیں۔ آپ تو ڈر جاتی ہیں۔ ابھی وہ دونوں رنڈیاں جو ہیں ان سے پوچھوں گی"
"وہ تجھے کیوں منھ لگانے لگیں"
"کیوں کئی دفعہ آپ خاص محل میں ہوئیں میں نے باہر جا کے دیکھا آپ کے بھائی ابا کہیں گئے ہوئے ہیں ان دونوں کے پاس جا کے باتیں کرنے لگی۔ مجھے بہت چاہتی ہیں دونوں کی دونوں"
"تو نے ان سے بھی میل بڑھا رکھا ہے"
"میل ویل نہیں بیگم۔ ایک دن آپ نے اپنے بھائی ابا سے کہلا بھیجا تھا کہ مرزا صاحب سے کچھ چیزیں منگا دیں۔ میں وہاں گئی تھی۔ وہی دونوں اکیلی تھیں کہنے لگیں آیا کر کبھی کبھی ادھر بھی لڑکی تو ہمیں بڑی اچھی لگتی ہے"
"تو تجھے کیا وہ اپنی نوچی بنائیں گی"
"وہ بیگم مذاق نہ سمجھئے۔ دیکھئے کل مردانی مجلس ضرور ہوگی تیسواں ہے امام کا۔ چھوٹے نواب عالم جائیں گے مجلس میں ضرور اندر میں اس وقت جا کر ان کی بائی جیون سے باتیں ملاؤنگی"
"کیا باتیں ملائے گی۔ کیا کہے گی"
"پہلے سے بیگم سوچنا فضول ہے۔ باتوں باتوں میں آ ہی جائیگی آپکی بھی بات"
"نہیں تو سارا بھانڈا تو نہیں پھوڑ دیگی"

"یہ کیا کہتی ہیں آپ۔ کیا آپ کے راز کا بھی آپ سے زیادہ خیال نہیں"

"ہاں ہے"

(۷۵)

نواب صاحب کے یہاں زنانی مجلس تو پچاس دن تک روز ہوتی تھی مگر مردانی مجلس خاص خاص دن ہوتی تھی۔ چنانچہ دس صفر کو امام کے بسویں کی مجلس ہو رہی تھی چھوٹے نواب عالم اس مجلس میں شریک ہونے گئے تھے۔ ان کی دونوں رنڈیاں ہی دیوان خانہ میں رہ گئی تھیں۔ نوبہار یہ موقع تاک ہی تھی ان دونوں سے دیر تک باتیں کرتی رہی۔ اسکے بعد ڈرتی ہوئی انجمن آرا پاس آئی اور بولی

"نہ پوچھیے میں کسقدر خوش ہوں بیگم"

"کیوں آخر کچھ بتائے گی بھی"

"بیگم اپنا ایک اور ساتھی اور بڑا مضبوط"

"کیا مطلب تیرا"

"بس یہی جو میں نے کہا"

"یہاں بیٹھ سیدھی طرح بتا مجھے"

نوبہار نے منھ اٹھا کر صحنچی کی طرف دیکھا۔ ہر مزی خانم

خراٹے لے رہی تھیں وہ پاس بیٹھ گئی اور بولی
"دیکھئے میں نے خوب خوب باتیں کیں"
"کیا باتیں کیں؟"
"سب ہی طرح کی۔ پہلے تو وہ لوگ یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور میں بھی"
"پھر"
"پھر میں نے کہا کہ چھوٹے نواب عالم بڑے اچھے ہیں مگر کچھ پریشان رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں اپنے والد سے بہت ڈرتے ہیں۔ ان کے خیالات اور ہیں۔ میں نے کہا کیسے تو وہ بولیں ارے وہ جو کچھ چاہتے ہیں وہ ہوتا ہی نہیں اور نہ ان میں ہمت ہے کہ اپنی سی کرا کے چھوڑیں اور نہ ذہانت ہے کہ کسی ترکیب سے اپنی ہی کرالیں۔ میں نے کہا کہ میں تو سمجھتی تھی کہ ہمارے نواب عالم کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے اپنے کھیل سے کام ہے۔ ایک بولی نہیں کھیلتے تو وہ دل بہلانے کے لئے ہیں فکریں دور کرنے کے لئے۔ انہیں بڑی فکریں ہیں۔ میں نے کہا ارے آپ لوگ یوں ہی کہتی ہیں۔ دوسری بولی اب جیسے آجکل انکو فکر ہے کہ حیدر نواب کی شادی بڑی خراب جگہ ٹھہرائی ہے نواب صاحب قبلہ نے"
"یہ وہ صغرا والا معاملہ"
"جی بس یہیں سے میں نے کرنا شروع کیا۔ میں نے کہا کہ یہ کون سی فکر کی بات ہے۔ اگر نواب صاحب حیدر نواب کی شادی صغرا بیگم کے ساتھ چاہتے ہیں تو ہو جائے۔ ان میں سے ایک بولی

"واہ حیدر نواب کو اسقدر تو چاہتے ہیں ہمارے نواب" دوسری
بولی اور وہ ہیں بھی ایسے کہ ان کو کون نہیں چاہے گا۔ میں نے کہا کہ یہ بات
میری سمجھ میں نہیں آئی آخر حیدر نواب میں کیا لعل لگے ہیں بس انگریزی پڑھے
ہیں۔ تو ایک بولی ہٹ ہٹ تو بالکل بھولی بھالی ہے تو نہیں سمجھی"

"اچھا تو تو یوں بن گئی"

"وہ ان دونوں نے مجھے احمق ہی سمجھ کے تو باتیں کرنے کو بیٹھایا تھا میں
اور احمق بن گئی ان کے سامنے خیر کچھ اور باتیں ہوئیں اور اسکے بعد میں نے
کہا کہ چھوٹے نواب کو آخر پڑی کیوں ہے۔ اسقدر حیدر نواب کی۔ وہ
بولیں یہ ہم بتا چکے ہیں کہ وہ اسقدر چاہتے ہیں ان کو میں نے کہا کہ میرا
مطلب یہ کہ وہ کہاں کریں گے ان کی شادی۔ ایک بولی ہم دونوں نے
ان سے کئی بار پوچھا ٹال ٹال گئے اپنی لڑکیوں کا ذکر انجم بیگم کے ہونے والے
بیاہ کا ذکر کرنے لگے بات ٹل گئی۔ وہ امراؤ جان جو ہیں وہ بولیں کہ
میں نے ایک دن پوچھا نواب سے کہ آپ انجم بیگم کی شادی کہاں کرتے
تو کچھ نہیں بولے۔ دلربا جان بولیں ہم نے طے کر لیا تھا کہ ان سے
بھولا ہی کے چھوڑیں گے ان کے دل میں ہے کیا۔ بہت دفعہ بات چھیڑی
بہت بہت طرح ان سے چھیڑا ایک دم بول اٹھے"

"کیا کہا انہوں نے کہ کیا بولے بھائی"

"وہی تو بات ہے بیگم۔ وہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ بات تجھے بتانے
کی نہیں ہے۔ میں نے کہا تو تم سب تو ہو ... نگاہیں مجھ پر گئیں اور
سمجھے ... اٹھیں وہاں سے۔ وہ دونوں تو بیٹھ رہیں ابھی ٹھہر اور
میں نے کہا جائیے آپ کیسی تو ہیں کہ ہم جانتے ہیں تجھے دیکھ لی میں نے آپ

دونوں کی چاہت ۔ وہ بولیں کیوں کیوں ۔ میں نے کہا جیسے ہم آپ کی بات کہتے ہی تو بگڑیں گے سب کہیں آخر اُجان بولیں اچھا قسم کھا جسکو چاہتی ہے اسکی کہنہیں کہے گی کسی سے ۔ دلبر باجان بولیں نہیں وہ کسی سے نہیں کہتی ہے بات وہ پیٹ کی ہلکی نہیں ہے ۔ میں نے کہا مجھے کیا غرض حیدر نواب ۔ یدر نواب سے اور کسی سے اور چھوٹے نواب عالم کہاں کریں گے ان کی شادی میں تو یوں ہی پوچھ رہی تھی آپ نہیں بتاتیں نہیں بتلیے دلبرا جان بولیں دیکھ ہمارے نواب انجم بیگم کی اور حیدر نواب کی شادی کرنا چاہتے ہیں ۔ میں نے کہا ہے غضب غیر کفو ہیں وہ تو ۔ وہ بولیں ہمارے نواب کہتے ہیں یہ سب فضول ہے میں نے کہا اف وہ یہ تو بری بات ہے مجھے تو یہ سن کے بڑا تعجب ہوا ۔ پھر میں نے کہا ہٹیے آپ مجھے بنا رہی ہیں ایسا ممکن ہی نہیں "

"تو تو یوں ہی بنا گی ان کے سامنے"

"اور کیا ۔ پھر میں نے کہا کہ چھوڑئیے یہ ذکر فضول کا اور کوئی باتیں کیجئے اور وہ لوگ دھر کی اُدھر کی دنیا بھر کی باتیں کرتی رہیں ۔ پھر چھوٹے نواب واپس آ گئے مجلس سے میں چلی آئی"

"تو یہ سب سچ ہے جو تو نے کہا یا تو بھی مجھے بنا رہی ہے"

"اب آپ جو سمجھ لیجئے"

"ممکن ہے ۔ مگر بھائی ابا کچھ کر نہیں سکتے"

"خیر ایک بات تو مجھے معلوم ہوئی کہ اب تو اب صاحب ہی نواب صاحب ہیں ان ہی کو توڑنا ہے"

"وہ تو ہمیشہ سے خلاف تھے ۔ اور اب تو بات دے چکے ہیں ۔"

نہ بدلیں گے"
"نہ بدلیں گے، کیسے نہ بدلیں گے"

(۷۶)

برسات آگئی تھی۔ کئی چھینٹے پڑ چکے تھے۔ ہوا میں خنکی آگئی تھی
نوبہار دوپہر کے وقت تو شڈی خانہ سے کھانا کھا کر بڑے محل کی
طرف جا رہی تھی۔ کچھ کچھ بوندیاں پڑیں پھر اکدم زور کا پانی آگیا
وہ دوڑی اور حیدر نواب کی حویلی میں گھس آئی۔ باہر برآمدے
میں حیدر نواب آرام کرسی پر بیٹھے تھے اور ان کے پاس میز پر ایک
کتاب اور قلم دان وغیرہ رکھا تھا۔ نوبہار ہانپتی ہوئی دوپٹہ ٹھیک
کرتی ہوئی آکر سامنے کھڑی ہو گئی

"ارے تو ہانپ گئی نوبہار"

"زور کا پانی آگیا میں بھاگی" اس کے گیہوئیں رنگ کا اس
وقت عجب عالم تھا۔ اس کا حسن اس وقت کچھ ایسے نکھار پر تھا کہ حیدر
نواب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ ان کے ذہن میں انجمن کی تصویر ایک
لمحہ کے لئے نوبہار پر چھا گئی۔ انہوں نے گھاس کے لان کی طرف دیکھ
کر کہا

"یہ سامنے گھاس پر پانی برستا ہوا کیسا اچھا لگ رہا ہے
کیاریوں میں یہ پھول کیسے خوش ہو ہو کے نہا رہے ہیں۔ ہر چیز پر

ایک تازہ زندگی آ رہی ہے "

"برسات میں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پھر سے جان آ جاتی ہے اس وقت جھولے پڑے ہوتے کہیں ۔ مگر ہائے ابھی تو ایام عسرا ہیں"

"مگر سوگ تو آٹھویں تک رہے گا"

ابھی اٹھارا اور چار دن ہیں باغ میں جھولے ڈلوا کے ہم اور بیگم اور سب جھولیں گے ۔ بیگم بیٹھیں گی پڑے پر میں پینگ بڑھاؤنگی"

"اب بھی تو بیگم پڑے پر ہیں اور نہ تو پینگ بڑھا رہی ہے"

مینھ اور تیز برسنے لگا تو نوبہار بولی

"ہائے اللہ اب میں کیسے جاؤں اور تیز ہو گیا پانی اور بیگم"

"تو کیا بیگم بغیر تیرے ایک لمحہ نہیں ٹھہر سکتیں"

"بغیر میرے تو انہیں رہنا ہی ہو گا"

"کیوں"

"میں نواب صاحب کو نہیں چھوڑ سکتی ۔ سب سے کم آپ ۔ اس سے زیادہ بیگم اور سب زیادہ نواب صاحب اور سنئے ۔ کل رات جب ہم اور بیگم باہر آئے باغ سے تو میں کنڈی بند ہی کر رہی تھی کہ ادھر سے بڑی بیگم صاحب کی آنکھ آ گئیں ۔ بیگم دہل گئیں میں سمجھاتی رہی ۔ آپ نے بڑی بیگم صاحب سے جڑ دیا ۔"

"تو پھر کیا ہوا"

"پھر تا کیا میں نے بات بنا دی"

"کیا بات بنائی تو نے ۔ تو بیٹھ نہ جا کرسی پر یہ مینھ کالی دبہ برسے گا ۔ کیسا ٹوٹ ٹوٹ کر تو برس رہا ہے"

"وہ پھر وہی آپ مجھے کوئی میم سمجھتے ہیں"

"تو تیرے میم ہونے میں صرف کپڑوں ہی کا تو فرق ہے"

"اور میں گڈ بڈ سٹر ٹر کیسے کروں گی۔ نہیں۔ میں یوں ہی کرسی کی پیٹھ پکڑے کھڑی رہوں گی"

"اچھا تو کیا بات بتائی تو نے"

"میں نے کہا کہ بیگم کا دل بہت گھبرا رہا تھا میں ٹہلانے لائی تھی جیسا کہ چھوٹی بہو صاحب نے مجھ سے کہہ رکھا تھا۔ کونے سے باغ کے دروازے تک ہم لوگ ٹہل رہے تھے۔ بیگم نے ذرا سا دروازہ چھوا وہ جھٹ سے کھل گیا۔ میں نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی"

"یہ بات وہ مان گئیں؟"

"ان کو سان و گمان بھی نہیں ہماری باتوں کا۔ میں نے آگے کہا کہ میں کانپ گئی حضور دروازہ بند کرتے میں وہاں جنات ہیں۔ ہائے ہائے بیگمیں جناتوں سے بہت ڈرتی ہیں میں نے بھی ظاہر کیا کہ میں بھی حد سے زیادہ ڈرتی ہوں جناتوں سے"

"پھر امی جان کیا بولیں؟"

"کہا کہ دیکھ دروازے کے قریب کبھی رات کو نہ جانا۔ میں نے کہا حضور میری خود بوٹی لرزتی ہے۔ جناتوں کے نام سے۔ میں نے جھٹ سے دروازہ گھسیٹ کھٹ سے کنڈی بند کر دی کہ کہیں جنات نہ آ جائیں"

"اس پر اور کوئی بات نہیں نکلی"

"ان لوگوں کو بس جنات اور آسیب کا خوف تھا۔ یہ کیا معلوم

تھا کہ وہاں ایک سچ مچ کے جنات کے پاس ہی سے آ رہے تھے ہم لوگ۔ پھر ایک بوڑھی مصاحب ہیں نہیں وہ بیان کرنے لگیں کہ نواب صاحب کے والد کی ایک پھوپھی تھیں جنکو جنات اٹھا لے گئے تھے۔ وہی باغ والے جنات "

" مجھے یقین ہے اس واقعہ کا "

" ممکن ہے کوئی آپ کا ایسا جنات ہوگا۔ مگر آپ میں تو ہمت ہی نہیں۔ کاش میں جنات ہوتی "

" تو تو کیا کرتی "

" میں بیگم کو اٹھا لے جاتی "

" اور پھر کیا کرتی "

" اسے اپنے پاس ڈبیہ میں بند کر کے رکھتی نہیں تو کیا آپ کو دیدیتی بڑے اچھے آئے۔ اٹھاتی میں اور دیدیتی آپ کو "

" یہ یوں ہی باتیں کر رہی ہے مجھے یقین ہے کہ اگر تو اٹھا لاتی ان کو تو میرے سوا اور کسی کو نہ دیتی اپنے پاس بھی نہ رکھتی مجھ ہی کو دیدیتی "

" خوب خوب کہیں ان ہواؤں میں بھی نہ رہئے گا صاحبزادے میں ان کو ڈبیہ میں بند کر کے رکھتی اور عید بقر عید نکالتی "

" یہ سب تو یوں ہی کہہ رہی ہے "

" اچھا خیر اب باغ میں آنا جانا ختم ہوگیا مجھے آپ بیگم نے کہہ دیا "

" تو اب پھر۔ اتنا بڑھ کر پھر گھٹنا پڑیگا "

"اب بس میک کے ذریعہ ہی بات چیت ہوگی۔ اور اپنی دو زمین پر قناعت کیجئے۔ اس کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔"

"تو اب ہم بالکل نہ مل سکیں گے۔"

"جی ہاں میں ذرا ٹھہر کر آپ سے بتاتی مگر اب ہی باتوں میں بات آگئی۔ کیا کیا جائے اب چار مجلسیں اور ہیں۔ مجلس کا بہانہ بھی ختم۔"

"ان چار دنوں میں سے کسی دن۔"

"اب بیگم چلیں گی نہیں حالانکہ وہ بیتاب رہتی ہیں"

"اچھا شب داری کے دن سب گڑ بڑ سڑ بڑ ہوگی"

"واہ وا سب صاحبزادیاں علم لے کے جائیں گی رام باڑے اور گھر بھر میں روشنی ہی روشنی ہوگی ہر جگہ۔ اب آپ راتوں کو اس چمن میں یا ادھر بارہ دری کی طرف تصور جاناں کئے ہوئے ٹہلا کیجئے۔"

"پھر تو مذاق ہر اتر آئی۔ دیکھو"

"کیا دیکھوں۔ کیا آپ ماریں گے مجھے" اور نوبہار نے ان کو اس ادا سے دیکھا کہ پھر ان کی بہنی آنکھوں کے سامنے انجمن کے نقشہ پر نوبہار کا نقشہ چھا گیا۔ انہوں نے سر ہلایا اور بولے

"نوبہار میری زندگی میں بہت کم خوشی کے موقعے آتے ہیں۔ یوں تو میں دنیا کا ہر کام کرتا ہوں اور ٹھٹھا ہی کر لیتا ہوں۔ کلب میں انگریزوں میموں اور سب طرح کے لوگوں سے ہنستا بولتا ہوں۔ مگر تجھ سے باتیں کرنے میں بہت دل خوش ہوتا ہے بہت"

"اور بیگم سے باتیں کرتے ہیں؟"

"وہ اور یہی صورت ہے۔ ان کے سامنے تو وفور شوق میں جی نکلا پڑتا ہے۔ تیری باتیں تو جیسے ٹھنڈی ہواؤں کے دھیمے دھیمے جھونکے آ رہے ہوں۔ مجھے تجھ سے بہت محبت ہوتی جا رہی ہے"
"اور مجھے آپ سے نفرت بڑھتی جا رہی ہے"
بانی کچھ کھنچا ہوا تھا۔ قبل اسکے کہ حیدر نواب کچھ کہتے۔ نوبہار بولی "اب چھوٹی چھوٹی بوندیاں پڑ رہی ہیں اب میں جاتی ہوں"
"نہیں رک جانے دے بالکل جب جانا۔ ابھی تجھ سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے"
"کیا بات کرنے کو جی چاہتا ہے"
"یہی اب کیسے ہم لوگ ملیں گے"
"بیگم کو بھی یہی پریشانی ہے"
"تو تو نے کوئی بات سوچی"
"اے آپ لوگ خود نہ سوچئے اور آپ تو ماشاء اللہ انگریزی پڑھے ہیں۔ اپنی ہر بات کا کوئی گر نکالئے میں تو ہی آپ کی عقل کل ہوں جیسے"
"اور تیری نہیں تو کیا ہم لوگ اپنی عقل پر چل رہے ہیں"
"میرے عقل تو اب مشل ہو گئی"
"تو ہم کیا کریں گے"
"آپ لوگ بس میرے ذریعہ سے ملا کیجئے سمجھے"
"یہ کیسے"
"یوں میں اب جاونگی بیگم کے پاس بالکل مل کے بیٹھ جاونگی اور

ان کا سر اپنے کندھے پر رکھوں گی۔" آپ بھی تصور باندھے بیٹھے رہئیے"
نوبہار ہنسی اور تیزی کے ساتھ باہر آ گئی
حیدر نواب پانی سے بھرے ہوئے تھالوں کو اور پانی میں نہائے
ہوئے پھولوں اور پودوں کو دیکھتے رہے

(٧٧)

چہلم کی شب داری نواب صاحب کے یہاں تمام ایام عزا سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ صبح ہی سے پورے عملے کا رنگ بدل جایا کرتا تھا۔ ہر شخص کپڑے بدلے ہوئے اور خاص طور سے مصروف نظر آتا تھا۔ مکاندار ہر دیوار پر گھیرے دار کیلیں لگانے لگتے اور ان میں روشنی کے رنگ برنگی گلاس رکھنے لگتے۔ امام باڑے کے اندر ہر چیز کی خاص طور پر صفائی ہوتی۔ ہر طرف ایک خاص قسم کے غم آمیز نقش کی صورت نظر آتی

خاصہ کے بعد دو گھڑی آرام کر کے نواب صاحب [illegible] میں آ کر تشریف فرما ہوئے۔ ممبر کے پاس قالین پر نواب صاحب [illegible] اور ان کے صاحبزادگان اور اعزا وغیرہ [illegible] کے تمام رئیس مجلس میں شریک ہونے کے لئے آتے گئے [illegible] کر کے قالینوں پر بیٹھتے گئے۔ ہمارے نواب صاحب اب تمام [illegible] لکھنؤ کے بزرگ تھے اسلئے ہر ایک کے سلام کا جواب [illegible]

اور بیٹھنے کے لئے اشارہ کرتے۔ سب لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہوئے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے۔ امام باڑے کا دالان ٹھر فائے شہر سے پورا بھر جاتا۔ ہر شخص سیاہ انگرکھا اور سیاہ ٹوپی پہنے ہوتا مجلس کا سارا انتظام حیدر نواب کے سپرد تھا۔ یہ امام باڑے کے باہر والے پھاٹک پر سیاہ انگرکھا اور سیاہ ٹوپی پہنے کھڑے تھے۔ یہ آنے والے حضرات کا استقبال کرتے اور اندر تشریف لے چلنے کو کہتے۔ نواب منصور علی خان معہ اپنے صاحبزادے کے گاڑی سے اترے اور حیدر نواب کو دیکھ کر بولے

"آئیں۔ یہ ابھی سلطان علی خان نہیں ہیں یہاں"

"بھائی صاحب پھاٹک پر دیر تک کھڑے کھڑے تھک جایا کرتے تھے۔ اسلئے یہ خدمت مجھے سپرد کر دی گئی"

"واہ خوب" کہکر وہ آگے بڑھے اور ان کے صاحبزادے ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ حیدر نے ان صاحبزادے کو غور سے دیکھا۔ یہی نجمن کے شوہر ہونے والے تھے۔ انہیں خیال ہوا کہ ہائے یہی وہ پتھر ہے جس پر اس نزاکت کی روح کو پٹخ دیا جائیگا جس کا تصور انہیں بیتاب کرتا تھا۔ ہائے وہ اس ظلم کو کسی طرح نہ روک سکیں گے اتنے میں ایک گاڑی اور آکر رکی اور حیدر نواب اسمیں سے اترنے والے حضرات کا استقبال کرنے لگے۔ ان حضرات کے اندر چلے جانے پر ان کو اپنے عشق لاحاصل کا پھر خیال آیا۔ ان کا دل کہہ رہا تھا کہ سب کچھ بالکل فضول ہی ہے کہ ان کو غالب کا یہ شعر یاد آیا ؎

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا　　گر نہیں شمع سیاہ خانہ لیلی نہ سہی

اور وہ اسی شعر کو اپنے ذہن میں دوہراتے رہے اور آنے والوں کا استقبال کرتے رہے

میر کلو اپنے ساتھ ٹیموں کی ایک ٹولی لئے ہوئے آئے نواب صاحب کا اترن سیاہ انگرکھا ان کی ٹھوکروں سے لڑتا ہوا عجیب لطف دے رہا تھا جیسے نواب کچھ مسکرائے۔ میر کلو بولے "نواب کپتان صاحب واللہ ان سب ہمارے دستوں کا دوہرا حصہ ہو گا۔ آج آپ کا انتظام ہے خدا سلامت رکھے"

"ہاں ہاں۔ دوہرا نہیں تہرا سہی۔ چلئے۔ لے چلئے ان سب کو لوگ اور آ رہے ہیں"

امام باڑہ پورا کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ اندر کے حصے میں اول درجہ کے لوگ، چبوترے پر اوسط درجہ کے اور انگنائی میں کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ میر جعفر علی جو نواب صاحب کے میر امام باڑہ تھے ہاتھ جوڑ کر نواب صاحب کے سامنے آئے اور بولے "حضور مجلس اب شروع ہو"

حضور نے ایک نگاہ مجمع پر دوڑائی اور فرمایا "ہاں" میر امام باڑہ شاہ نشین پر گئے اور ان کے کئی ساتھی بھی ان کے ساتھ گئے سب نے امام باڑے کے پردے اٹھائے۔ جوں ہی تعزیے، علم اور تابوت پر مجلسیوں کی نگاہ پڑی سب کھڑے ہو گئے اور زیارت پڑھنے لگے اس کے بعد سب بیٹھ گئے

دالان کے بیچوں بیچ میں ایک سیاہ تکیہ لا کر رکھا گیا اور اسکے پاس امام باڑے کی طرف رخ کر کے پانچ سوز خوان مرثیہ پڑھتے رہے

جب یہ لوگ سوزخوانی ختم کر چکے اور مجلس کے تمام لوگ اپنے آنسو پونچھ چکے تو میر جعفر علی نے ایک صاحب کی طرف رخ کر کے کہا "مرزا عصمت علی صاحب بسم اللہ" یہ صاحب خاص انداز سے اٹھے اور منبر کے پاس آئے منبر کے ٹیکوں کو الگ ہٹا کر انہوں نے منبر کے ایک زینہ پر ہاتھ رکھ کر فاتحہ پڑھا اور پھر اس زینہ پر بیٹھ گئے خاص انداز میں انہوں نے بستہ نکالا۔ اسکو کھول کر پہلے ایک کاغذ نکالا اور چند رباعیاں پڑھ کر سنائیں ہر طرف سے تعریفیں ہوئیں پھر انہوں نے ایک سلام پڑھا جس کے ہر شعر پر تعریفیں ہوتی رہیں اسکے بعد مرزا صاحب نے ایک مرثیہ نکالا اور بولے "دوان چند بندوں کی زحمت حضرت دیگا۔ اگر سماعت فرمائیں گے تو انشاء اللہ مثاب ہونگے" یہ مرزا صاحب مرزا دبیر مرحوم کے شاگردوں میں سے تھے انہوں نے اپنے استاد کے رنگ میں مرثیہ شروع کیا۔ تشبیب پر تمام مجلس واہ واہ سے گونج گئی ہر طرف سے نعرے لگنے لگے "آخر شاگرد ہیں خدائے سخن کے ہیں" مرزا صاحب تسلیمیں کرتے ہوئے پڑھتے گئے۔ رزم کے ٹکڑے پر آئے اور سماں باندھ دیا۔ مصائب پر پہنچے تو یہ عالم تھا کہ مجلس میں ٹپس پڑ گئی اور ختم ہوتے ہوتے پوری مجلس میں ایک کہرام برپا تھا مرثیہ ختم کر کے مرزا صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بانی مجلس اور حاضرین مجلس کے مطالب دینی کے بر آنے کی دعا مانگی

مرزا صاحب منبر سے اتر آئے تو میر جعفر علی نے ایک حضرت کی طرف رخ کیا جو کسی مولوی کے لباس میں سوزخوانی کے بعد مجلس میں آکر بیٹھے تھے "ارشاد ہو حضور جناب جنگن صاحب بسم اللہ" یہ صاحب منبر پر گئے اور ترتیب خاص مقرری کے ساتھ ذکر

فرماتے رہے۔ ان کے ختم کرتے ہی میر جعفر علی نے کہا "ماتم حسین" سب لوگ کھڑے ہو کر ماتم کرنے لگے۔ ایک گروہ سیاہ بدشکل حبشیوں کا بیچ بیچ میں آکر اور ایک حلقہ باندھ کر کھڑا ہوا۔ ان میں ایک آدمی بیاض ہاتھ میں لیکر حلقہ کے بیچ میں نوحہ پڑھتا گیا اور حلقہ کے سب لوگ دوہراتے گئے اور ماتم کرتے گئے ان لوگوں کے سینوں پہ ہاتھ بڑی شدید دھمک اور بڑے تال کے ساتھ پڑ رہے تھے

سب لوگوں کے کھڑے ہو جانے کی وجہ سے دالان میں بڑی گھٹس ہو گئی تھی۔ نواب صاحب کا دم الٹنے لگا اور وہ تیورا کر گرنے ہی والے تھے کہ کئی حضرات نے ان کو سنبھال لیا۔ زیادہ تر لوگ ماتم کی طرف متوجہ تھے۔ کچھ حضرات نواب صاحب کو سنبھالے ہوئے ممبر کے پیچھے سے باہر لائے۔ مجمع نے جگہ دی۔ حیدر نواب جیچھ تہرے بمرند یوں کے پاس کھڑے تھے۔ نواب صاحب کو یوں لاتے ہوئے دیکھ کر فوراً واپس آئے۔ حضور کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سنبھالا۔ نواب صاحب ہوش میں تھے ہانپ رہے تھے اور وہ ہائے حسین ہائے حسین "کہتے جاتے تھے۔ حیدر نواب نے ان کو گود میں اٹھانا چاہا تو بولے "نہیں بیٹے تم نہ اٹھاؤ"

"تم خدا باجان جب آپ کو کندھے پہ بٹھا کر پیادہ پاپج وزیارت کو لے جاؤنگا جب تو آپ کی شفقت کا حق ادا ہوگا" اور یہ کہہ کر نواب صاحب کو گود میں اٹھا کر اندر کے پھاٹک سے امام باڑے کے باہر لائے جمن میں گھاس پر ایک قالین لاکر بچھا دیا گیا اور اس پہ نواب صاحب کو لٹا دیا۔ کچھ لوگ پنکھا جھلنے لگے اور نواب

صاحب کو کچھ تسکین ہوئی حکیم صاحب نے فوراً ٹھنڈائی منگائی اور نواب صاحب کو پلائی۔ طبیعت کو سکون ہوا۔ ماتم زور سے ہوتا رہا اور اسکی آواز پر نواب صاحب بھی سینہ پر ہاتھ مارتے رہے۔ مجلس ختم ہوئی اور بارہ باجہ بجا

شرفا اور عمائد شہر نواب صاحب کے پاس آتے گئے اور ہر ایک پوچھتا "حضور طبیعت ماشاءاللہ کیسی ہے" اور نواب صاحب جواب دیتے "ہاں بھائی مولا کا کرم ہے" اکثر کہتے "حضور بارہ دری تشریف لے جاتے" تو نواب صاحب جواب دیتے "واہ ہوا اور مجلس ختم ہونے سے پیشتر میں گھر جاکر سو رہتا"

حیدر نواب حصہ کے انتظام کے واسطے باہر والے پھاٹک پر آئے اور تمام داروغاؤں اور ملازموں کو ہدایت کر کے پھر نواب صاحب کے پاس واپس آ گئے۔ نواب صاحب نے پوچھا

"بھئی حصہ کا انتظام ہو رہا ہے"

"حضور فکر نہ کریں سب انتظام میں نے درست کر دیا ہے۔ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔ اب مہمان تو سب رخصت ہو گئے آپ کو میں بارہ دری پہنچا آؤں"

بڑے نواب بولے "ابا جان کو چوکی پر بٹھا کر آدمی پہنچا آئیں گے"

"سب آدمی۔ واہ بھائی صاحب مجھ سے بڑھ کر کس غلام کو حق ہے اس بار امانت کے اٹھانے کا"

"واہ بیٹے واللہ ہے" چھوٹے نواب بولے "حیدر تو میرا بیٹا ہے واللہ ہے، ہم آسمانوں سے یہ بار امانت نہیں اٹھا سکتا واللہ ہے"

"کیا کہہ رہے ہو اکبر" نواب صاحب نے پوچھا

"حضور اباجان حیدر بہت سعید لڑکا ہے"

"کیا کہنا میں تم سب سے زیادہ اس کو چاہتا ہوں"

حیدر نواب نے نواب صاحب کو پیٹھ پر اٹھایا اور چمن کی روش پر ہوتے ہوئے بارہ دری کی طرف گئے فاصلہ کافی تھا اور رکھا تھا حیدر نواب نہایت توانا اور کسرتی جوان تھے مگر آرام گاہ تک پہنچتے پہنچتے ہانپ گئے تھے۔ نواب صاحب کو چھپر کھٹ پر لٹا کر حیدر نواب حصہ انتظام دیکھنے کیلئے پلٹے۔ زینہ پر سے اتر رہے تھے کہ نوبہار روتی ہوئی آتی دکھائی دی وہ بولی "کیا ہوا نواب صاحب کو خدا خیر کرے"

"تو ادھر جا بالکل ٹھیک ہیں اب"

نوبہار اپنے ... ... آنکھیں پونچھتی ہوئی آرام گاہ میں آئی۔ نواب صاحب نے اسکو دیکھا۔ اور مصاحبین سے کہا "تم لوگ جاؤ حیدر کی مدد کرو بھیڑ ہو..."

سب لوگ چلے ... ... ب نے نوبہار کو اشارہ کیا اور وہ ... پر آ کر بیٹھ ... نواب صاحب بولے "تو بوکھلا گئی تھی ... جیسے ہی ... اپنے دشمنوں کو میں بھاگی - دیکھا حیدر نواب آپ کو گود میں لئے جا رہے ہیں۔ میرا دل بانسوں اچھل رہا تھا۔ یہاں زینہ پر حیدر نواب سے پوچھا تب تسکین ہوئی"

"تم اور حیدر نواب دونوں مجھے بہت چاہتے ہیں"

"مگر آپ مجھے تو بہت چاہتے ہیں حیدر نواب کو نہیں چاہتے"

"تم تینوں چاہنے والوں کی میں کتنی قدر کرتا ہوں کیا بتاؤں یہ کیسے کہتی ہو کہ میں حیدر کو نہیں چاہتا"

"یہ کسی دن اور بتاؤنگی"

"نہیں ابھی بتا"

"ارے نہیں سرآج شب داری کا دن ہے حضور"

"دیکھو تو ٹالنے لگی۔ آخر بات کیا ہے"

"آج حضور بات کا وقت نہیں۔ دن نہیں پھر دیکھا جائیگا"

"آخر یہ کیا جب بات نکلی تو ختم ہو جانا چاہیئے"

"اچھا سرکار۔ آپ پہلے میری ایک بات کا جواب دیجئے"

"کیا بات۔ دیکھ خاص بات کو ٹال نہ جانا"

"ہرگز نہیں حضور۔ اسی بات سے وہ بات نکلے گی۔ میں پہلے یہ پوچھتی ہوں کہ آپ کے خاندان میں سنا ہے ایک بیگم تھیں آپ کے دادا کی پھوپھی جن کو جنات لے گئے تھے"

"ہاں ہاں۔ ان کے اوپر ایک جنات عاشق تھے اور انکی شادی کے دن ان کو اٹھا لے گئے۔ سب برات یوں ہی رہ گئی"

"تو عشق کوئی چیز ہے زبردست چیز"

"ہاں۔ ہاں۔ لاکھوں جگہ اس کی تعریف پڑھی۔ مجھے بھی عشق ہے تجھ سے"

"خیر جانے دیجئے۔ یہ بتائیے کہ کبھی آپ کے خاندان میں کسی لڑکے نے کسی لڑکی سے عشق کیا"

"ہاں اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک بھائی کی لڑکی ایک بھائی کا

لڑکا۔ ایسے ہی خالہ زاد چچا زاد بھائی بہنوں میں ہوتا ہی رہتا ہے"

"تو ایسے موقعوں پر آپ کا قاعدہ کیا کہتا ہے"

"آپس میں شادیاں ہو گئیں ۔ یا کوئی اور بات بیچ میں ہوئی تو نہ ہونے پائی شادی"

"اچھا سرکار۔ شادی نہ ہونے کے کیا نتیجے ہوئے"

"کچھ نہیں سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ رو دھو کے بیٹھ رہتے ہیں"

"یہی اور کچھ نہیں ہوتا"

"اکثر لڑکی نے ہیرا چبا لیا۔ لڑکے نے جان دیدی"

"بس سرکار میں اپنی بات پر آتی ہوں ۔حیدر نواب بھی اس طرح زہر کھائیں گے"

"تو کوئی ایسی بات ہے"

"ہے ایسی بات ۔آپ کو پریشان کرنے والی بات ہے ۔آئیے اب باہر تشریف لے چلئے ۔ وہ لوگ آ گئے چبوترے پر اور سورج بھی اب غروب ہونے جا رہا ہے"

نوبہار نے ہاتھ کا سہارا دیکر اٹھانا چاہا مگر نواب صاحب بولے "نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں" اور اطمینان سے اٹھ کر چبوترے پر آئے اور یہاں بچھی ہوئی چھپر کھٹ پر لیٹ گئے

نواب صاحب کے مصاحبین وغیرہ یہاں چبوترے پر ادھر ادھر کھڑے تھے اور ہونے والی روشنی کی سجاوٹ دیکھ رہے تھے۔

یہ سب نواب صاحب کے پاس آئے ۔ نوبہار بولی

"حضور تو اب میں جاؤں بیگم کے پاس"

"ہاں" اور نوبہار آنے لگی

اس وقت زینہ پر کسی کے جلدی جلدی چڑھنے کی آواز آئی
حیدر نواب سامنے آئے۔ وہ نواب صاحب کے پاس آکر بولے
"حضور ابا جان حصے سب تقسیم ہو گئے"
"زنانی مجلس کے لئے کافی ہیں"
"بہت کافی حضور رؤسا کے گھر حصے بھیج دیے گئے۔ سب
گداگروں اور عملے کو تقسیم ہو گئے"
"آج بھی تم نے کمال کیا۔ مگر زنانی مجلس میں کہیں کم نہ پڑیں"
"ضرورت تو حضور ابا قاعدے سے بانٹنے کی ہے"
"بڑی بہو صاحب سے تاکید۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر وہ کیا کریں گی
خیر میاں دیکھا جائیگا"

(۷۸)

نوبہار بارہ دری سے خاص محل میں آئی۔ یہاں آج بڑے خاص
انتظام تھے۔ انگنائی میں تختوں کا چوکا بچھا تھا۔ بڑی بیگم صاحب گاؤ
تکیہ سے لگی سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہنے بیٹھی تھیں۔ ان کے پاس
اور ادھر ادھر بہت سی بیگمات جلوہ افروز تھیں۔ نواب منصور علی
خان کی بیگم سب سے قریب بیٹھی تھیں۔ لونڈیاں کشتیوں اور خاصدانوں میں
پان لئے کھڑی تھیں یا تقسیم کر رہی تھیں۔ اکثر پانی کی صراحیاں

اور کٹورے بھی لئے ہوئے تھیں۔ کافی تعداد میں لونڈیاں بڑے بڑے چاندی اور کپڑے کے یا تاڑ کے پنکھے جھل رہی تھیں۔ بڑی بہو صاحب اپنے بڑے سبز پاجامے کے پائینچے ہاتھ میں لئے گھڑی ادھر جاتی تھیں گھڑی ادھر یعنی کہ انتظام میں مصروف تھیں

نوبہار انجمن آرا کے مہان پہونچی۔ انجمن آرا اپنی شاہ نشین پر امام باڑے کے سامنے بیٹھی تھی۔ یہ امام باڑہ شاہ نشین کی خاص دیوار میں محرابوں کے ایک لمبے چوڑے طاق کی صورت تھا۔ اس میں متعدد چھوٹے تعزیئے علم پنکھے تابوت سب چھوٹے پیمانہ پر تھے یہ چھوٹے نواب کا امام باڑہ کہلاتا تھا اور اسی طرح کے امام باڑے ہر ایک محل میں بنے ہوئے تھے یہاں امام باڑے میں بڑی بڑی شمعیں اور دیواروں وغیرہ پر گلاس روشن ہونے کے لئے لگے تھے

انجمن آرا خاص محل میں نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہاں اسکی ہونے والی ساس تھیں۔ اسلئے وہ شاہ نشین کے تخت پر بیٹھی تھی اور اسکے پاس ہمجولی کی بہت سی لڑکیاں ... تھی ... ان میں صغرا بیگم بھی تھیں جن کی شادی حیدر نواب کے ساتھ ... تھی۔ نوبہار کو آتا دیکھ کر صغرا اپنے پاس والی لڑکی سے بولی "لو ... پیشکل"

"وہ چڑیلیں اگر ... تو یہ یاد کرتی ہونگی" اس لڑکی نے کہا

انجمن نے سر اٹھا کے ... بڑی ادا ... سے بولی "نوبہار تو آگئی۔

وا وا!! بالکل اچھے ہیں"

نوبہار تخت کے پاس آ گئی اور جواب دیا "جی بیگم ذرا گرمی لگنے لگی تھی میں تو انسے اتنی دیر سے باتیں کر رہی تھی۔ اپنے پیروں سے

اٹھ کر اندر سے باہر آ گئے ماشاء اللہ۔ اب مصاحبوں سے باتیں کر رہے ہیں"

"اچھا دیکھو یہ صغرا تجھے کیا کہہ رہی تھیں"

"تو کیا میں اس سے ڈرتی ہوں۔ ابا جان کی منہ چڑھی ہے ---

چڑیل کہا میں نے تجھے"

"اے صاحبزادی۔ میں آپ کے ہاتھ کی لکیروں نہیں مٹا سکتی اسلئے جو جی چاہے کر لیجئے"

اس پر زیادہ تر لڑکیاں ہنسیں مگر ہائے قیامت کا دن کہہ کر چپ ہو گئیں۔ ایک دو لڑکیاں جو باہر کی مہمان آئی تھیں، بولیں "ہم سمجھے نہیں"

"میں کیا عرض کروں صاحبزادیو۔ یہ سب صاحبزادیاں جانتی ہیں میں نے جو ہاتھ میں لکھا دیکھا وہ بتا دیا اس پر صغرا بیگم مجھے چڑیل کہنے لگیں"

"لکھا کیا دیکھا تو نے؟" ان میں سے ایک نے پوچھا

"یہ سب صاحبزادیاں جانتی ہیں"

کئی لڑکیوں نے کانا پھسیاں کیں اور پھر سب بولیں "اچھا اچھا یہ بات ہے"

نو بہار بولی "آپ سمجھیں۔ ان صاحبزادی کا نوشتہ قسمت بدلوں تو چڑیل سے پری ہو جاؤں۔ نا صاحب میں چڑیل ہی اچھی"

صغرا بیگم تیوری پہ بل ڈالے بیٹھی تھیں بگڑ کر بولیں "دیکھ تو مجھ سے بدتمیزی نہ کرنا"

"ہم اس نے بدتمیزی کیا کی؟" سب لڑکیوں نے کہا اور پھر سب صغرا کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ صغرا نے منہ پھلا لیا سب لڑکیوں نے اپنے اپنے منھ پر طمانچے مارے اور کہا "ہائے ہائے آج قیامت کے دن ہم ہنس رہے ہیں"

تو بہار میں کچھ ایسی کشش تھی کہ ہمیشہ لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں۔ ایک نے کہا "اچھا تو بہار ذرا ہاتھ دیکھو"

"نہیں بیگم آج نہیں خدا کے لئے۔ آج شب داری ہے"

"تو کیا ہوا۔ کوئی کھیل تفریح تھوڑی ہے"

صغرا بیگم منھ پھلائے ہوئے بولیں "اے ایسی رنگریز ہوتیں تو پہلے اپنی ڈاڑھی رنگتیں۔ رہی لونڈی کی لونڈی"

"خوب صاحبزادی۔ اے میں قسمت بدلتی ہوتی تو پہلے آپ ہی کی بدل دیتی میں تو دیکھتی ہوں قسمت میری قسمت میں لونڈی ہی رہنا لکھا ہے زندگی بھر"

ایک اور لڑکی بولی "اف توہ صغرا کتنی جلن ہے تم کو اس سے وہ نگوڑی کیا کرے۔ تمہارا نصیبہ بدل دے"

انجمن نے کہا "تو بہار تو ایک کام کر"

"کیا بیگم"

"تو چڑیل الو ہے ہی۔ ان کو اٹھا لے جا۔ وہاں چھپ کر آ جا ہے کوئی انہیں پوچھے یا نہ پوچھے"

سب لڑکیاں ہنس دیں صغرا بولی

"دیکھئے انجو باجی آپ تو نہ بنائیے ہم کو ہم کچھ نہیں چاہتے۔

ہیں جناب امیر کی قسم"

"واہ واہ ۔ آپ بڑی بھولی" کئی لڑکیوں نے کہا ۔

اتنے میں مکاندارنیاں ہاتھوں میں روشنی کرنے کے شعلے لئے ہوئے آئیں ۔ انہوں نے دیواروں پر سے گلاس روشن کئے ۔ شاہ نشین پر فانوس اور قندیلیں روشن کیں اور چلی گئیں ۔ تمام میں ایک عجیب روشنی پھیل گئی ۔ اس روشنی میں ان لڑکیوں کے چہرے پر عجیب رنگ آگیا تھا نوبہار تخت کے پاس کھڑی ہوئی حسن وجوانی کا عجیب پرکیف نقشہ پیش کر رہی تھی ۔ اسکے سامنے بیٹھی ہوئی سب لڑکیاں اس کے حسن کے مختلف عکس معلوم ہو رہی تھیں ۔ اس کی نگاہیں انجمن آرا پر تھیں اور انجمن آرا اسکے حسن کا سب سے خوشنما عکس تھی

تھوڑی دیر کے بعد چھوٹی بہو صاحب اور مختلف بیگمات آئیں اور اس امام باڑے میں مجلس ہونے لگی اسی طرح ہر محل اور ہر حویلی کے امام باڑوں میں الگ الگ مجلسیں ہوتی رہیں ۔ پھر تمام محلات کی بیگمات خاص محل میں آگئیں اور خاصہ ہوا اندر خاصہ ہو رہا تھا نوبہار باہر آئی ۔ یہاں روشنی اپنے عروج پر تھی ۔ ہر ہر دیوار پر گلاسوں کی روشنی تھی ۔ سڑکوں پر لکڑی کے کٹھروں میں گلاس لگے ہوئے تھے بارہ دری بھی جگمگا رہی تھی

وہ نواب صاحب کے پاس پہونچی ۔ نواب صاحب خاصہ کے بعد چھپر کھٹ پر گاؤ تکیہ لگائے ہوئے آرام سے بیٹھے تھے اور مصاحبین قریب قالینوں پر موجود تھے ۔ نواب صاحب نے نوبہار کو دیکھ کر کہا

"نوبہار محل میں کیا ہو رہا ہے"
"حضور خاصے کے بعد علم اٹھائے جائیں گے"
"اچھا تو جا۔ آج شب دا رہی ہے"
"جی یہ تو مجھے معلوم تھا۔ مگر میں نے کہا ذرا دیکھ آؤں آپ کو"
"نہیں۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کھانا کھا کے سب روشنی دیکھ آیا پھر کے۔ تو نے دیکھی یہ سامنے امام باڑے کے پھاٹک پر سورج مکھی خوب بنائی ہے"
"خاص انعام کے قابل کام کیا ہے سرکار مکاندار نے"
ایک مصاحب نے کہا
"حضور وہ سجدے میں پڑا دعا مانگ رہا ہے کہ آج رات پانی نہ برسنے لگے"
"وہاں برسات ہے۔ مگر پانی نہ برسیگا۔ بالکل آسمان صاف ہے
اچھا نوبہار تو کئی نہیں۔ جا روشنی دیکھ آ خوب پھر کے"
نوبہار بارہ دری سے اتر کر آئی۔ سامنے نہر کے پل پر چراغوں کی دو گول سطریں اور پیچھے نہر کے کنارے لگے ہوئے چراغوں کی سطریں ایک عجیب ریاضی کی شکل بنا رہی تھیں۔ سرو کے درختوں کی چوٹیوں پر گلاس رکھے ہوئے تھے۔ دور پر امام باڑے کے اندرونی پھاٹک پر سورج مکھی ناچ رہی تھی۔ نوبہار ان سب کو تھوڑی دیر غور سے دیکھتی رہی۔ ادھر سے حمید گذرا اور بولا
"روشنی دیکھ رہی ہو"
"کیسی اچھی روشنی ہے ابکی"

"پارسال سے اچھی نہیں ہے"

"وہ سب کہہ رہے ہیں اچھی ہے"

"تو ہوگی۔ ابھی میرا پھاٹک پر پہرا ہے وہاں جا رہا ہوں سب سے اچھی روشنی پھاٹک پر ہے۔ چلو دیکھنا"

"میں جا رہی ہوں اندر تابوت اٹھنے والا ہے!"

"اری چل حیدر نواب ہیں وہاں۔ لوگ روشنی دیکھنے آ رہے ہیں ان کا استقبال کر رہے ہیں۔ اب تو چلے گی"

"خوب۔ کوئی حیدر نواب میری چڑھ نکالی ہے۔ دیکھ ایسے اشارے نہ کیا کر نہیں تو میں اور نوکروں کی طرح تجھے بھی جوتی سے مارا کروں گی"

"ارے بگڑو نہیں۔ ہمیں یوں ہی مذاق سوجھا تھا۔ تم کو کسی مرد سے کیا مطلب چلو۔ تم پھاٹک کی اور امام باڑے کے اندر کی روشنی دیکھنا"

"اچھا چل"

دونوں امام باڑے کے خاص پھاٹک پہ گئے۔ چمپا کندھے پہ ڈنڈا رکھ کر کھڑا ہو گیا اور نوبہار پھاٹک پہ مختلف رنگوں کے گلاسوں کی روشنی دیکھتی رہی پھاٹک کے بیچ میں ایک بہت بڑی سیر گاہ قندیل لٹک رہی تھی جس میں بہت سی کاغذ کی کٹی ہوئی تصویریں ناچ رہی تھیں۔ نوبہار اوپر منہ کئے غور سے ان تصویروں کو دیکھ رہی تھی کہ اسکے کان میں حیدر نواب کی آواز پہنچی

"ارے رستہ سے ہٹ کے کھڑی ہو نوبہار"

اسنے دیکھا تو حیدر نواب اور کئی انگریز اور بابو لوگ باہر جا رہے تھے۔ ان کو گاڑی تک پہونچا کے حیدر نواب پلٹے یہ اب تک قندیل ہی دیکھ رہی تھی۔ حیدر نواب بولے۔

"اس قدر محو ہے اس قندیل کو دیکھنے میں اب تک"

"یہ سب تصویریں چکر کیسے کھاتی ہیں یہ سمجھ کہتا ہو جادو ہے"

"واہ۔ اسکے بیچ میں وہ چراغ رکھا ہے اسے بجھا دیں رک جائینگی سب"

"جی ہاں مگر؟"

"ارے کچھ نہیں۔ دھواں بھرتا ہے اس چراغ کا گھوم گھوم کے بس یہ پھر نے چلنے لگتا ہے"

اور حیدر نواب اندر کی طرف چلے گئے۔ نوبہار بھی ان سے دس قدم پیچھے پیچھے چلی۔ امام باڑے کی محرابوں۔ دیواروں اور چھت پر اتنی قریب قریب روشنیاں تھیں کہ پورا امام باڑہ ایک سونے کا معلوم ہو رہا تھا کثرت سے لوگ آ رہے تھے سب روشنی کی تعریف کرتے جاتے تھے

نوبہار امام باڑے کے اندر گئی۔ اور جیسے گہرے شوق کے ساتھ جھاڑوں اور فانوسوں کی رنگ برنگی روشنی اور قندیلوں کے رنگ برنگی نور کو دیکھتی رہی۔ ان سب قسم کی روشنیوں کو اتنی دیر تک دیکھنے کی وجہ سے اسکا چہرہ کچھ بدلا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔ چہرہ پر سنجیدگی آگئی تھی جیسے کہ وہ کسی فکر میں پڑ گئی ہو۔ اس کے چہرہ پر کچھ اداسی برسنے لگی تھی اور اسکے چلنے کا انداز بھی کچھ مشکور دن کی طرح ہو گیا تھا۔ اس کے کان میں آواز آئی

"نوبہار یہاں آ ذرا"

اسنے آواز کی طرف منھ اٹھا کر دیکھا۔ رام باڑے کے ایک کونے میں حیدر نواب معہ اپنے کچھ ہمسن ساتھیوں کے بیٹھے تھے۔ نوبہار کے چہرہ پر پھر بشاشت آگئی اور وہ اپنی تیز چال میں ان کے پاس آئی حیدر نواب نے کہا

"نوبہار یہ سب میرے دوست تجھ کو دیکھ رہے تھے"

"اور آپ دکھا رہے تھے۔ اور پاس بلا کے بھی دکھا دیا۔ اب مین جاؤن"

"نہیں نہیں۔ یہ سب تیری بابت الگ الگ باتین کر رہے تھے مین نے کہا تجھ ہی سے بلا کے ان سب کی باتون کا جواب دلوا دون"

"اچھا آپ ہی نے کیون نہ میرے بدلے جواب دے دیا"

"ارے میری عقل کل تو تو ہے جب تو موجود تھی تو میں کیا جواب دیتا۔ تو مجھ سے اچھے جواب دے لیگی"

"اچھا بتائیے کاہے کا جواب دون"

"یہ بولے کہ یار تمہارے یہان کی لونڈیان اسقدر قیامت کی حسین ہین"

"تو آپ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمارے یہان کی بیگمون کو دیکھئے تو سکتہ ہی میں رہ جائیے۔ اے انھون نے اگر اپنے گھر ہی کی دیکھی ہین عورتین تو کیا آپ نے اپنے گھر کی بیگمین نہیں دیکھین"

"خیر یہ دوسرے صاحب بولے کہ کیا کمال کا حسن ہے"

"کمال کا حسن تو آپ کی آنکھون مین ہے نواب۔ پھر بھی آپ جواب

دے سکے"

"یہ تیرے پولے کے تجھے پرستان لیکر اڑ جائے"

"اچھا۔ یہ پرستان کا خواب دیکھا۔ آپ ذرا غور سے دیکھئے انہیں پرستان میں کوئی گھسنے دیتا ان کو ٹھہر آتے واپس یہیں"

"اچھا دیکھ ان مولانا کو دیکھ یہ ہمارے ساتھ عرصے تک پڑھے ہیں"

"انہوں نے کچھ نہ کہا ہو گا۔ یہ تو دیکھ اس حسرت سے رہے ہیں کہ ان کی ذوقِ گفتار معلوم ہوتا ہے آنکھوں میں آ گئی وفورِ شوق میں جی لگا پڑتا ہے"

"نہیں انہوں نے بڑی گہری بات کہی ہے۔ نہایت عمدہ بات مجھے پسند آئی بہت"

"کیا کہا"

"کیا فقرہ کہا۔ کہنے لگے تجھ کو کو تو دنیائے نسائیت کا معجزہ ہے"

"خوب، ماشاءاللہ۔ ان سے کہئے کہ یہ خشخشی ڈاڑھی دین منڈوا اور شاعری کیا کریں بڑا نام کریں گے"

"یہ جو ہیں یہ کچھ اللہ میاں میں زیادہ عقیدہ نہیں رکھتے ہیں یہ بڑے کے بھائی ایسی صورتیں اللہ میاں بھی اتفاق ہی سے بنا جاتے ہیں ورنہ عام طور پر انہیں بنانا ونانا نہیں آتیں"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔ صاحبزادے نے ابھی دنیا نہیں دیکھی ہے اور دیکھی ہے تو ذہانت کی کمی ہے نہیں تو سمجھ چکے ہوتے یہاں۔ اللہ میاں نے

حسینہ اتفاق ہی سے پیدا کر ڈالی ہے"
جن صاحب کی طرف اشارہ تھا وہ بولے "واہ رہی لڑکی کیا بات کہی ہے تو نے"
حیدر نواب کچھ اور کہنے والے تھے کہ ایک آواز آئی "پردہ ہونے جا رہا ہے"
سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر میں پورا امام باڑہ خالی ہو گیا

(۷۹)

خاص محل میں عجب بھیڑ تھی۔ بیگمات اور عورتیں کھڑی تھیں۔ محل کی صاحبزادیاں سر کھولے اور ہاتھوں میں علم لئے دالان کے سامنے کھڑی تھیں۔ کافی تعداد میں لونڈیاں مشعلیں اور پنج شاخے لئے ہوئے تھیں۔ مخلدار نے آواز لگائی کہ پردہ ہو گیا ہے۔ دیوڑھی کے پاس ماتم دار عورتوں نے ماتم شروع کیا اور آگے بڑھیں۔ ان کے پیچھے ایک غول عورتوں کا آگے بڑھا ان کے بعد ایک ایک غول سوز خوان عورتوں کا تھا جو بڑی پر درد آواز میں مرثیہ پڑھتی جا رہی تھیں۔ ان کے بعد بیگمات کا گروہ تھا اور سب کے بیچ میں تابوت کے آگے بڑی بیگم صاحب تھیں ان کی دونوں بہویں ان کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ آگے کچھ پیچھے سب صاحبزادیاں ہاتھوں

میں علم لئے آ رہی تھیں انجمن آرا کو سب سے الگ رکھا گیا تھا تاکہ اسکی ہونے والی سسرال کے لوگ اسے دیکھ نہ لیں۔ ہرمزی خانم ساتھ ساتھ تھیں اور فضیلت اس کے منھ پر پنکھے سے آ رہ گئے ہوئے تھی۔ نوبہار بھی ساتھ تھی

یہ پوری بھیڑ رک رک کر بڑھ رہی تھی۔ ڈیوڑھی والے پھاٹک سے نکل کر سڑک پر امام باڑے کی طرف بڑھی۔ نوبہار پھاٹک تک نہ چوکھٹ پہنچتی کہ مجلیا رانے اسکا کندھا پکڑا اور کہا:

"میں بھیڑ میں تجھے کہاں کہاں ڈھونڈھتی پھری۔ جا حضور بلا رہے ہیں"

"کیوں خیریت تو ہے"

انجمن آرا بھی پلٹ کر بولی خود دادا ابا اچھے تو ہیں"

"سب ٹھیک ہے۔ بات یہ ہے کہ جب پردہ ہوا تو سب صاحب ہٹے نیر کلو یہاں آ کے کہہ گئے کہ حضور اکیلے ہیں اسلئے نوبہار کو بلایا ہے انہوں نے کہا کہ پہلے ڈھونڈلاؤ پھر پردے کی آواز لگانا میں نے کہا بھیڑ میں کہاں ڈھونڈھوں میں اور میں نے آواز لگا دی۔ وہ پھیلا کر گئے کنکوے کی طرح۔ آج قیامت کے دن بھی میں ہنس ہی پڑی"

نوبہار بجائے بھیڑ کے ساتھ امام باڑے جانے کے بارہ دری کی طرف چلی اور تھوڑی ہی دیر میں نواب صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ نواب صاحب گاؤ تکیے سے لگے ہوئے ویسے ہی بیٹھے تھے جیسا کہ وہ انکو چھوڑ گئی تھی اور ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے پڑھ رہے تھے.... نوبہار کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کے پیر دابنے پاس بیٹھ جائے۔ نوبہار بیٹھی

رہی اور وہ تسبیح پڑھا کئے

نواب صاحب نے پڑھ چکنے کے بعد تسبیح نوبہار کو دی اور وہ جاکر اندر رکھ آئی اور پھر آکر بیٹھ گئی نواب صاحب نے پوچھا

"کوئی ایک پہر رات رہ گئی ہوگی نوبہار"

"جی سرکار۔ اب تسبیح دو کر نہیں کیا نیند آرہی ہے"

"نہیں۔ کچھ باتیں کر رہی باتیں جو اسوقت کر رہی تھی"

"وہ باتیں ٹھیک نہیں ہیں۔ وہ کسی دن اور۔ میں بیگم کے ساتھ تھی بیگم کا منہ فضیلت چھپائے ہوئے تھی انکی وہ ہونے والی سسرال کے لوگوں کے لیے ہوئے ہیں۔ نا سرکار"

"دیکھ تو ٹال رہی ہے"

"جانے دیجئے وہ باتیں ایسی ہیں کہ شاید آپ کو ناگوار ہوں۔ وہ آپ کے قاعدے۔ آپکے اخلاق جو آپ کی وضعداری آپ کے مرضی سب کے خلاف ہیں۔ آپ کو بری نہ لگیں گی"

"تو کچھ بھی کہہ مجھے برا نہ لگے گا۔ دیکھ اسدن تو نے یہ بتایا کہ حیدر سے اور تجھ سے بڑا ربط ہے مجھے کچھ برا لگا۔ تم دونوں جوان ہو۔ مگر تم دونوں کی مجھ سے محبت ہے مجھے یقین ہے میں نے کچھ نہیں کہا اور میں جانتا ہوں کہ نہ وہ اور نہ تم کوئی بھی برائی کی طرف مائل نہیں نہیں۔ نہیں تو نہ اس طرح کہتی اور نہ کبھی برائی چھپتی ہی ہے"

"خیر حضور آپ کی نیک نیتی آپ کے خلوص کی داد دیتی ہوں مگر سرکار آپ کی محبت نہ مجھکو اور نہ حیدر نواب کو برائی سے روکتی، وہ تو ایک اور محبت درمیان میں آگئی"

"یہ کیسے"

"حیدر نواب ایک دوسرے سے بہت شدید محبت کرتے ہیں اور وہ اس کرتی ہے اور ہم تینوں آپ سے"

"ایں یہ تو کیا کہہ رہی ہے" نواب صاحب چونکے اور تکیہ پر سے پیٹھ اٹھا کر بولے "یہ کیا گورکھ دھندا ہے کون ہے وہ لڑکی"

"حضور دیکھئے آپ کو کچھ جلال آ رہی گیا۔ میں کہہ رہی تھی کہ وہ بات چھپ رہ گئے"

حضور کچھ اور کھسک کر گاؤ تکیہ پر لیٹے اور نو بہار نے انکے پیر اپنی گود میں رکھ لئے اور بولی "اب جو حضور آپ کو غصہ آئے تو یہی ٹانگیں مجھے مار دیجئے گا میں اتنی دور جا کر گر دن"

"مجھے شبہہ ہوا نو بہار کہیں تو کے میری انجو کی طرف تو اشارہ نہیں کیا۔ تو پہلے کہہ چکی ہے کہ ہم تینوں آپ سے محبت کرتے ہیں"

"حضور آپ ان باتوں کو جانے ہی دیں۔ آپ کی وضعداری کے خلاف جو بات ہو آپ اسکے روادار نہیں ہو سکتے۔ آپ وضع کے خلاف خاندانی قاعدوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے"

"تو کوئی ایسی بات کہنے والی ہے جو میری وضعداری کے خلاف ہو گی جس کا میں روادار نہیں ہو سکتا"

"اسلئے تو سرکار میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ اور کچھ باتیں کر دن دیکھئے وہ حضور سنکر"

"نہیں میں سنونگا تو کیا کہنا چاہتی ہے"

"دیکھئے سرکار جو بات ہے وہ ہے۔ جو بات ہو گئی وہ ہو گئی

غصہ سے فائدہ نہ ہوگا اور نقصان ہوگا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے"

"مجھے جو کہنا تھا میں کہہ بھی گئی"

"کیا کہہ گئی تو ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا خاصدان میں سے پان دے مجھے"

نوبہار نے نواب صاحب کے پیر اپنی گود میں سے ہٹائے، اٹھی اور خاصدان میں سے دو گلوریاں نکال کر ان کے منہ میں رکھیں اور پھر آکر بیٹھ گئی اور ان کے پیر اپنی گود میں رکھ لیے۔ نواب صاحب پانوں کو کلوں میں لے جاتے ہوئے بولے "کیا کہہ گئی تو"

"حضور۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہو کہتے ہوئے۔ اچھا ایک وعدہ کیجئے وہ یہ کہ اگر آپ کو غصہ آئیگا اس بات پر تو آپ چاہے میرا قیمہ بنا ڈالیں ٹکڑے ٹکڑے مجھے کر ڈالیں میں حاضر ہوں مگر اس پر اس طرح غصہ نہ کیجیئے گا کہ بات مشہور ہو"

"اگر بات میرے گھر ہی کی ہے تو اور میری وضع کے خلاف ہے تو اس کو مشہور کرنے میں میری ذلت ہے"

"بس حضور۔ بس۔ اب آپ چاہے مجھے مار ڈالئے میں قربان ہوں سنئے۔ حیدر نواب کو عشق انجمن آرا سے"

"آئیں۔ آئیں۔ آئیں۔ ارے تو یہ کیا کہہ رہی ہے"

"یہ عشق میں نے نہیں پیدا کیا۔ آپ نے پیدا کیا"

"میں نے؟"

"آپ نے بچپن میں دونوں کو ساتھ رکھ کے لاڈ کر کے"

"تو سچ کہہ رہی ہے نوبہار"

"جی سرکار میری گردن حاضر ہے۔ میں آپ سے بتانے کی گنہگار
ہوں کہ آپ کی وضعداری کے خلاف ہے یہ۔ آپ کو غصہ آ رہا ہو
میری بوٹی بوٹی اڑا دیجئے گا"
"حقیقت ہے تو تمہارا مگر ہے یہ بات ٹھیک ہے"
"بالکل ٹھیک۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں
مگر دونوں ایک دوسرے سے زیادہ آپ کو چاہتے ہیں۔ آپ کی خوشی
کے لئے وہ دونوں اپنی جان دے دیں گے۔ آپ کی وضعداری قائم
رہے وہ دونوں پیاری پیاری صورتیں اپنے تئیں مٹا دیں گی"
"مگر تو تو جانتی ہے تمہارا کہ حمید غیر کفو ہے"
"یہی تو بیچ میں رخنہ ہے حضور۔ مگر عشق تو اندھا ہوتا ہے"
"تو نے عجیب بات سنائی۔ مجھے تو شبہ بھی نہ گزرتا۔
مگر دونوں کی شادیاں میں ٹھہرا چکا۔ غیر کفو تمام دنیا سمجھے گی"
"خیر سرکار جو سمجھیں آپ کی رائے ہو اور آپ جو کچھ کریں۔ میں
نے تو جو کچھ بات تھی آپ سے بتا دی"
"مجھے بتا تو خوش ہوئی یہ بات۔ مگر تیری اس میں کیا خطا"
"خطا ہے اس میں میری بھی۔ مگر پہلی آپ کی خطا وہ میں
بتا چکی"
"اس میں کیا جانتا تھا کہ یہ شر ہو گا"
"خیر۔ میری خطا سمجھئے نواب عالم صاحب کی"
"کیسے۔ ہاں اس نے حمید نواب کو بہت دونوں اپنے یہاں

اندر آنے دیا میں نے روکا پھر"

"یہی نہیں وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح حیدر نواب کو داماد بنائیں"

"سچ تجھے کیسے معلوم ہوا"

"مجھے معلوم ہوا سرکار ان کی رنڈیوں سے"

"اسے غیر کفو کا کوئی خیال نہیں"

"بالکل نہیں۔ یا شاید ہو مگر حیدر نواب کی محبت کے آگے سب گرد ہے انکے لئے اور حیدر نواب بھی تو انہیں کتنا چاہتے ہیں حضور"

"یہ ٹھیک ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے"

"خیر اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ تیری خطا دار یہ کنیز ہے جس نے ان دونوں کی رازداں بن کر آگ کو بھڑکایا"

"مگر تو نے ایسا کیوں کیا"

"میرا یہی جی چاہا حضور۔ مجھے حیدر نواب بہت اچھے لگے مگر وہ کبھی کسی عورت کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ میں انکو دیکھتی وہ مجھے نہ دیکھتے۔ میں نے کھوج لگائی۔ پتہ چل گیا کہ صاحبزادے عشق میں گرفتار ہیں بیگم کے۔ بیگم بھی مجھے بڑی اچھی لگتی تھیں ہمیشہ سے۔ میں نے اپنے عشق کو ان دونوں کے عشق پر قربان کر دیا اور ان کی مدد کرنے لگی"

"تو آج عجیب عجیب باتیں کر رہی ہے۔ تیرا ظرف اتنا اعلیٰ ہے"

"میں کچھ نہیں جانتی حضور میرا دل بھی چاہتا ہے کہ دونوں ایک ہو جائیں"

"مگر یہ ناممکن ہے نوبہار۔ اب ہم اس معاملے کو چھوڑ کر بہت دور جا چکے ہیں۔ میں سب سمجھ گیا مجھے کوئی غصہ نہیں آرہا ہے۔ مگر اب دونوں کی شادیاں ٹھہر گئیں اور راجو کی تو باہر ٹھہر گئی ہے کیا منھ کالا ہوگا میرا میری بات جائیگی خیر اب جو ہوا سو ہوا اب تو ان دونوں کو سمجھا کہ یہ سب بھول جائیں"

"اے حضور میں ہی نے آگ لگائی اور میں ہی بجھاؤں اور پھر وہ لوگ میری مانیں گے بھی خیر اب کچھ نہیں ہو سکتا تو دونوں اپنی اپنی جانیں دے دیں گے"

"مجھے یاد آیا ایسا ایک واقعہ عین برات کے دن لڑکی نے ہیرا چبا لیا۔ صبح کو مری ہوئی ملی اور لڑکے نے پھر اسکی قبر پر جاکے چھرا بھونک لیا۔ ہائے یہ میرے دونوں چاہنے والے میرے پیارے کھلونے بھی یہی کریں گے۔ ہائے نوبہار یہ سب کیا ہوگا"

نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے

"تو ہرے وضع کو حضور یا کھوئے ان دونوں کو یہی ہے اب تو"

"میں تو بڑے منہ بذب میں آگیا۔ خدا میری مدد کرے"

"آمین"

"نوبہار تسبیح اٹھا لا میں اس رحمن و رحیم سے ہی رجوع کرونگا وہی میری مشکل کو آسان کریگا"

نوبہار تسبیح اٹھا لائی۔ نواب صاحب تسبیحوں پر تسبیحیں پڑھتے

گئے ۔ نوبہاران کے پیر گود میں رکھے بیٹھی رہی ۔ امام باڑے سے مجلس کی آوازیں آ رہی تھیں ۔ دس تسبیحیں پڑھنے کے بعد نواب صاحب نے تسبیح نوبہار کو دی ۔ وہ اندر رکھ آئی اور پھر آکر بیٹھ گئی ۔

نواب صاحب بولے " یہ سب معاملات ہوئے اور بڑھ گئے خدا مالک ہے وہ پھر اچھا ہی کریگا گھبرانے کی کیا بات ہے تو نے اچھا کیا سب مجھ سے بتا دیا ۔ میرے سب چاہنے والوں کو خدا زندہ رکھے "

" کوئی فکر نہ کریں حضور سب معاملے خدا سلجھا دیگا ۔ وہ بڑا غفور الرحیم ہے ۔ اسکے بڑے بڑے ہاتھ ہیں "

" مگر نوبہار اگر پہلے سے یہ معلوم ہو جاتا "

" وہ تو مجھے بھی معلوم نہ تھا سرکار "

" تجھے کب معلوم ہوا "

" یہی سال بھر سے "

" ارے جب ہی بتا دیتی خیر خیر ۔ اب تو سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا خیر مجھلی محل کو تو ٹالا جا سکتا ہے مگر منصور علی خان تو جلدی ہی کرتے ہیں "

حضور گھبرائیں نہ میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے ۔ میں ہزاروں ترکیبیں بتاؤنگی ان کو ٹالتے رہنے کی "

اور اسطرح دونوں باتیں کیا کئے ۔ نواب صاحب کو ذرا سی پریشانی ہوتی تو نوبہاران کو تسکین دیتی ۔ زنانی مجلس ختم ہو گئی ۔

نواب صاحب کے مصاحبین سب آگئے۔ پہرہ دار اپنے پہروں پر آگئے نوبہار خاص محل کی طرف چلی۔ روشنی کہیں کہیں بجھ گئی تھی اور کہیں کہیں ٹمٹما رہی تھی۔ صبح بھی کچھ زیادہ دور نہ تھی

(۸۰)

نماز صبح کے بعد نواب صاحب نے کچھ دیر آرام فرمایا مگر وقت پر بیدار ہوئے اور نشست میں آکر بیٹھے پیچوان سے شوق فرماتے رہے اور مصاحبین جہلم کے جلوس کے بابت باتیں کرتے رہے۔ حیدر نواب آئے اور بولے:

"حضور ابا جان۔ بڑے بھائی صاحب کا حکم ہے کہ آج کے جلوس کا انتظام بھی میں ہی کروں۔"

"ہاں ٹھیک ہے" نواب صاحب نے کہا۔ مگر آج نواب صاحب نے ان کو کچھ مختلف نظروں سے دیکھا۔ نواب صاحب کی آنکھوں کے سامنے ایک تصویر پھر گئی جس میں حیدر نواب اور اکبر دو چھوٹے چھوٹے بچے نہایت معصومیت کے عالم میں سر سے سر ملائے بیٹھے تھے۔ نواب صاحب ذرا چونکے اور بولے "تم بڑے پیارے بچے ہو حیدر۔"

حیدر نواب مذبذب کھڑے تھے کہ کچھ کہیں یا جائیں۔ آخر کو انہوں نے باہر کی طرف قدم اٹھایا۔ نواب صاحب نے فرمایا "دیکھو

بیٹے۔ سب جلوس کا انتظام ہو گیا ہے "

"جی ہاں سرکار"

"تم دنیا سب کام کرو۔ مگر میں سوچ رہا ہوں جلوس میں بھی سجوادونگا
آپ کو تکان نہ ہو جائے "

"نہیں بیٹے " حضور نے مسکرا کر کہا "میں آجکل کے جوانوں سے
بہتر ہوں "

" ماشا اللہ۔ ماشا اللہ " سب مصاحبین نے کہا

"بہتر ہے حضور جیسی آپکی رائے۔ ابھی زنانی الوداع
شروع ہو گئی ہے میں بس آپ کے ہی حکم پر سب کام انجام
دونگا "

" ہاں بیٹے وہ کیا شعر ہے "
بڑھاپے میں جوانی سے زیادہ جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے "
حیدر نواب کچھ چونک پڑے۔ نواب صاحب اس شعر کے
پہلے مصرعے پر زور دے رہے تھے اور حیدر نواب کا دھیان
دوسرے مصرعے پر زیادہ رجوع ہوا اور ان کو خیال ہوا کہیں نواب
صاحب کی یہ مستعدی خاموش ہونے کے پیشتر کی بھڑک تو نہیں
وہ سوچ میں ڈوبے کھڑے رہے۔ نواب صاحب نے کہا

"اچھا بیٹے جاؤ میں آجاؤنگا جلوس کے وقت "

حیدر نواب چلے گئے اور نواب صاحب مصاحبین سے باتیں
کرتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد میر جعفر علی آئے اور عرض کی " حضور
الوداع کے لئے تشریف لے چلیں "

حضور امام باڑے میں تشریف لائے - یہاں دالان کے بیچوں بیچ میں ایک تابوت رکھا ہوا تھا۔ حضور منبر کے پاس کھڑے ہو۔ اور سب لوگ آ آکر پاس کھڑے ہونے گئے - الوداعی ماتم پڑھا گیا - پھر ماتم ہوا حضور نے سینہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "ہائے بچہ ختم ہو گیا - اب جو یار سال جئے گا وہ پھر دیکھئے گا" میر جعفر علی نے تابوت پر سے اتار کر کلاوے سب کے گلوں میں ڈالے اور ہر ایک کے سر پر چٹکی چٹکی بھوسا ڈالا

نواب صاحب امام باڑے سے باہر آئے اور فرمایا "آج میں خود جلوس مرتب کرواؤنگا"

حیدر نواب نے کہنے کی جسارت کی "حضور ابا جان آپ زحمت کیوں فرمائیں سب سامان ٹھیک ہو جائیگا اور حضور کو بلا لیا جائیگا تعزیہ میں شریک ہونے کو - ابھی کل ہی آپ کے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہو چکی ہے"

"نہیں نہیں میں خاص پھاٹک کے داہنے کمرے میں بیٹھونگا جلوس کی ترتیب اندر ہوگی اور سب میرے سامنے سے نکلے گا"

قصر الفضا کا خاص پھاٹک چار محرابوں پر بنا ہوا تھا - اندر دونوں طرف پانچ زینے اونچی چوکی پر کمرے یا صحنچیاں بنی ہوئی تھیں حضور نے آکر داہنے طرف والی صحنچی میں چوکی پر بیٹھ گئے اور دو مصاحب ان کے پاس کھڑے ہو گئے - منتظمین میں سے ایک شخص اندر کی محراب سے لگا کھڑا تھا کہ حضور کے سوالات کا جواب دے اور ان کے احکام کو دوسرے منتظمین تک پہونچائے - اس شخص سے حضور نے پوچھا کیوں

بھئی ہاتھی کتنے ہیں "
"حضور دس ہی آسکے "
"کل دس۔ خیر کچھ نوبت خانہ اور سبیل آگے بڑھے اور پھر
ہاتھی آئیں "
ہاتھیوں کی قطار نواب صاحب کے سامنے سے گذری - ان
پر لوگ نشان ماہی مراتب وغیرہ لیے بیٹھے تھے سب سے آخر میں
ایک چھوٹا مکنہ ہاتھی تھا جو بڑے لطف سے اپنی سونڈ ہلاتا جارہا
تھا حضور نے دریافت کیا
"کیوں بھئی اونٹ کتنے ہیں "
"پچیس ۲ حضور "
نواب صاحب اونٹوں کو گنتے رہے - ان پر ہاتھوں میں سونے
کے علم لئے ہوئے آدمی بیٹھے تھے اٹھا دیں اونٹ پر آدمی علم نیچے
کئے ہوئے تھا حضور نے زور سے ڈانٹا وہ بے ادب یہ کیسے علم
لئے ہوئے ہے " اسنے علم کو اکلی استادہ کر لیا
اسکے بعد ایک قطار گھوڑوں کی شروع ہوئی - ان پر گورے بیٹھے
ہوئے تھے - حضور نے کہا
"آہیں یہ گورے ہیں "
"جی حضور "
" یہ نئی بات ہے خیر " اتنے میں ہندوستانی سواروں
کی قطار بھی آ گئی تھی اور حضور بولے " اور یہ ہندوستانی ہیں "
"جی ہاں " مگر یہ آواز بینڈ کی آواز میں ڈوب گئی جواب بڑھتا

بجاتے ہوئے اور نوحہ راگ کے ساتھ پڑھتے ہوئے آئے۔ حضور نے پھر آکر
اس علم کو بھی بوسہ دیا مگر ابکی واپس ہو کر صحن زینوں پر ہی کھڑے رہے کیونکہ
اسکے بعد بھی اور علم آ رہا تھا۔ ایک دستہ سفید پوش آدمیوں کا گزر
کر تیسرا علم بھی آ گیا۔ اسکے ساتھ ننگے بدن ماتم دار تھے جو زنجیروں
سے پیٹھ پر ماتم کرتے جا رہے تھے۔ ان کی پیٹھیں زخمی تھیں اور خون بہ
رہا تھا۔ نواب صاحب کا جی بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری
ہو گئے،

اس علم کو چومنے کے بعد نواب صاحب واپس نہیں آئے بلکہ اندر
کی طرف آگے بڑھے۔ اسکے بعد ہی شبیہ ذوالجناح تھی۔ یہ ایک
عمدہ سفید عربی گھوڑا تھا جو شبیہ کے لئے ہی مخصوص تھا۔ اسکے
جسم پر سرخ رنگ کے نشان بنے ہوئے تھے اور یہ دیکھنے میں لہولہو
تھا۔ اسکے بائیں طرف ایک ڈھال اور تلوار لٹک رہی تھی اسپر
ایک آدمی چھتر لگائے تھا اور اسکے بھی اوپر ایک نگیرہ تھا جسکے ڈنڈے
چار آدمی لئے ہوئے چل رہے تھے

اسکے بعد نگیرے کے ساتھ سیاہ پوشش کا تابوت تھا اور اسکے
پیچھے گہوارہ۔ حضور ان سب سے ہاتھ مس کرتے اور اپنے منھ پر پھیرتے
ہوئے آگے بڑھ گئے۔ ایک آدمی سامنے آیا جو موزے اور تلوار لئے کھڑا
تھا۔ نواب صاحب نے جوتے اتار دئے اور موزے پہنے۔ تلوار کمر سے
باندھی۔ تعزیہ سامنے ہی تھا اور اسکے چاروں طرف کافی مجمع تھا۔ جیدار
نواب پاس آ گئے تھے۔ مجمع ہٹایا گیا اور نواب صاحب بیچ میں جاکر تعزیہ
کے سامنے کھڑے ہوئے سب صاحبزادگان اور اعزا موجود تھے

سب ہو لئے پہنے ہوئے اور کمر سے تلوارین باندھے ہوئے تھے سوزخوان مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ اس جگہ پر سوزخوانون نے کچھ بند اور پڑھے نواب صاحب پھوٹ پھوٹ کر رو دیے پھر تعزیہ کچھ قدم آگے بڑھا اور پھر کچھ بند پڑھے گئے سوزخوانون پر سوزخوان بدلتے جاتے اور تعزیہ آگے بڑھتا جاتا۔

قصر البیضا کے سامنے والی سڑک پر کوئی ایک فرلانگ تک تعزیہ گیا تھا کہ نواب صاحب کا جسم کانپنے لگا۔ بڑے نواب عالم نے ادھر سے اور چھوٹے نواب عالم نے ادھر سے سنبھالا۔ سب عزانے ایک زبان ہو کر کہا

"حضور میں اب نہ طاقت نہیں ہے کہ کربلا تک ساتھ چل سکیں حضور اب گاڑی پر سوار ہو لیں"

"نہیں میرا جی چاہتا ہے کہ ساتھ ہی ساتھ چلوں۔ کیا معلوم پار سال کیا ہو۔ اگر رستہ میں مر گیا تو شہید ہونگا"

"ایسی باتیں حضور نہ فرمائیں"

کوئی دس قدم اور آگے گئے ہونگے کہ نواب صاحب کے پیر زور زور کانپنے لگے حیدر نواب تمام جلوس کو دیکھتے ہوئے ادھر بھی آگئے تھے۔ فوراً بھیڑ میں گھس کر آئے اور نواب صاحب کو اٹھا کر بھیڑ سے باہر لے آئے۔ نواب صاحب کو خالی جگہ سڑک پر کھڑا کیا جو لوگ ان کے پاس آگئے تھے ان سے حیدر نواب نے کہا "آپ لوگ تعزیہ میں شرکت کیجئے۔ کوئی بات نہیں ہے حضور ابھی ٹھہر کر آتے ہیں"

نواب صاحب نے فرمایا "میں بارہ دری واپس نہیں جاؤنگا میں
اپنے شہنشاہ کی سواری کے ساتھ پیدل جاؤنگا"
"نہیں ابا جان آپ گاڑی پر دوسرے راستے سے کربلا پہنچ جائیں گے"
حیدر نواب نواب صاحب کو سنبھالے کھڑے رہے اور نوکر
گاڑی لینے دوڑے۔ کچھ دیر میں نواب صاحب کی خاص گاڑی آگئی
حیدر نواب نے نواب صاحب کو گاڑی میں بٹھا دیا۔ ساتھ میر
عنایت حسین اور میر کلو بھی بیٹھے۔ حضور نے فرمایا
"کسی دوسرے راستے سے لے چلو" اور چکر کے راستے سے ہوتی
ہوئی گاڑی نواب صاحب کی کربلا پہنچ گئی

(۱۸)

نواب صاحب کی گاڑی کوئی میل بھر شاہ راہ پر چلی پھر قریب
چار فرلانگ لمبی کچی سڑک طے کر کے کربلا کے پھاٹک پر پہونچی۔ کربلا
کے دارو غہ اور تین یا چار اور لوگ جو محافظ تھے گاڑی کے پاس
دوڑے ہوئے آئے"
نواب صاحب گاڑی سے اتر کر پھاٹک پر آئے۔ جھک کر ہاتھ
سے چوکھٹ کو چھوا اور ہاتھ کو بوسہ دیا اور بڑھتے ہوئے کربلا کے
اندر داخل ہوئے۔ یہاں کوئی تین سو گز چوڑے اور اتنے ہی لمبے رقبہ
پر چاروں طرف جھاڑیاں بنی تھیں اور چاروں طرف سو سو گز چھوڑ کر

ایک عمارت عربی طرز پر بنی ہوئی تھی جسکے بیچ میں ایک بڑا سا گنبد تھا اور اسکے پاس دو مینار۔ عمارت کا رخ پھاٹک کی طرف نہیں تھا بلکہ اسکے خلاف اور قبلہ کی طرف تھا

نواب صاحب معہ اپنے دو مصاحبین اور کربلا کے ملازمین کے داہنی طرف سے گھوم کر کربلا کے سامنے کی طرف آ گئے۔ ادھر سامنے اور پہلوؤں میں زینے بنے تھے جو ایک کافی اونچے برآمدے پر جاتے تھے۔ یہ برآمدہ تین طرف تھا اور اسکے بعد ایک بڑا سا ہال تھا جس کے اندر ایک بڑی سی قبر بنی ہوئی تھی جس پر چاندی کا کٹہرا لگا تھا۔ یہ قبر شبیہ روضۂ حسین تھی۔ نواب صاحب پہلے یہاں آئے اور زیارت پڑھی یہاں سے بائیں ہاتھ والے برآمدے میں آئے جہاں انکے آباؤ اجداد کی قبریں تھیں اور ہر قبر کے سرہانے دیوار پر کتبے کندہ کئے ہوئے تھے۔

نواب صاحب اس برآمدے کے ایک سرے سے دوسرے تک قبروں پر ہاتھ رکھ رکھ کر فاتحہ پڑھتے گئے اسکے بعد اٹھ کر سامنے والے برآمدے میں آ گئے اور یہاں قالینوں کے فرش پر منبر کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔

"نواب اس برآمدے میں ایک جگہ رہ گئی ہے قبر کی میرے لئے ہوگی"

"حضور ایسی باتیں نہ کریں خدا نہ خواستہ۔ آپ سلامت رہیں جب تک گومتی میں پانی ہے" مصاحب گھگھیا کے بولے

"مگر مرنا تو برحق ہے مصاحب گھگھیو"

"جی سرکار مگر خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ آپ کو قیامت تک جیتا رکھے"

"قیامت تک اگر میں جیوں تو ان فوجیوں کے بچے بالے میرے سامنے فنا ہوں اور میں دیکھتا رہوں۔ نہیں بھائی۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اپنے پیاروں کی موت دیکھوں"

دیر تک نواب صاحب تسبیح پڑھتے رہے۔ اس اثناء میں شہر کے کچھ رئیس بھی آگئے اور بیٹھے رہے منصور علی خان معہ اپنے بیٹے کے بھی آگئے اور نواب صاحب سے کچھ قریب بیٹھ گئے۔ اشاروں سے صاحب سلامت اور مزاج پرسی ہوئی۔ نواب صاحب نے تسبیح ہمیں رکھ دی تو منصور علی خان نے پوچھا

"بھائی صاحب اب آپ کا مزاج بالکل اچھا ہے۔ کل کچھ طبیعت ناساز ہوگئی تھی"

"ہاں بھائی اچھا ہوں۔ مگر کچھ طبیعت اچھی نہیں رہتی۔ جو دن بھی رہے ہیں وہ غنیمت سمجھو"

"یہ آپ کیا فرماتے ہیں بھائی صاحب۔ آپ کا دم ہے اب شہر میں پرانی وضع کی یادگار ورنہ اب سب تقریباً بہتر ہوگئے اور یہ انگریزیت اس تیزی سے پھیل رہی ہے۔ ہماری تہذیب اور اخلاق سب پستی میں جا رہے ہیں۔ یہ چودھویں صدی آگئی ہے۔ اس کا جو حال کسی بزرگ نے لکھا ہے سب آثار قیامت کے ہیں"

"وہ ہیں دیکھئے حضور صاف ظاہر ہے ہمارے حضور قیامت تک

جیتے رہیں گے سب سالار اور وار۔ قیامت اب حضور کے سامنے آ ہی جائیگی انشاءاللہ" میر کلو بولے

"حضور دنیا بدل رہی ہے بڑے

ع جب ہم نہ رہے تو کوئی بکھیڑا نہ رہا"

"تھوڑی دیر سب خاموش رہے۔ میر کلو بولے: "حضور اجازت ہو تو میں دیکھ آؤں تعزیہ اب کتنی دور رہے"

"اب قریب ہی آگیا ہوگا۔ جلوس کافی تیز آتا ہے عموماً" میر عنایت حسین بولے

"تو میں حضور ابھی دیکھے آتا ہوں"

حضور نے سر ہلایا اور میر کلو چلتے ہوئے باہر گئے مگر تھوڑی ہی دیر میں لوٹ آئے اور بولے

"حضور بوندیاں پڑ رہی ہیں سب بھیگ جائیں گے پہنچتے پہنچتے"

تب لوگوں نے باہر کی طرف دیکھا۔ ایک صاحب بولے

"یوں ہی اکا دکا ہیں"

ایک اور بولے "ہوا بھی تیز ہے اُڑ جائیں گے بادل۔ انشاءاللہ جلوس اور تعزیے بھیگنے نہ پائیں گے"

"وہاں بھی اگر چھڑ چھڑا کے آگیا برسات کا موسم ہے تو سب کچھ گڑبڑ ہو جائیگا"

"میر کلو آپ بھی ناحق ارے بڑھتے چلے جاتے اب چلے جائے" میر عنایت حسین نے کہا

"اب میں پھر جاؤں۔ آ ہی رہا ہوگا تعزیہ۔ جلدی کا ہے کی ہے"

اس وقت جلوس کا نوبت خانہ شاہ راہ سے پھر سڑک پر آگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نوبت کی آواز سنائی دی۔

"حضور نوبت خانہ تو پہنچ گیا قریب" بیسر کلو اچک کر بولے

"ابھی جلوس آتے آتے کافی دیر لگے گی" بیسر عنایت حسین بولے

کافی دیر کے بعد ایک آدمی آیا اور اطلاع دی کہ تعزیہ قریب ہے۔ نواب صاحب کربلا سے باہر آگئے جلوس سب کربلا کا چکر کر کے واپس ہو چکا تھا۔ تعزیہ اور اسکے ساتھ کے لوگ کچھ فاصلے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ نواب صاحب شریک ہوئے

سوزخوان مرثیہ پڑھتے ہوئے دولہوں کی طرف چلے۔ اس وقت پھر ایکا دکا بوندیاں پڑنے لگیں۔ سب لوگ جلدی جلدی دولہوں کی طرف بڑھے۔ نواب صاحب بہت زیادہ رو رہے تھے اور ان کے صاحبزادے ان کو دونوں طرف سے سنبھالے ہوئے لا رہے تھے

تعزیہ دولہے کے پاس پہنچا اور رحل میں اتار لیا گیا۔ ساتھ کی ساتھ بیبیوں اور تعزیے کیلئے جو چھوٹے چھوٹے تھے دولہوں میں رکھ دئے گئے۔ بوندیاں کچھ تیز ہو گئیں

"حضور جلدی مٹی دیں پانی آ رہا ہے"

حضور نے مٹی دی اور پھر سب نے مٹھی مٹھی بھر مٹی [illegible]

پھینکی ۔ پانی اور تیز ہو گیا حیدر نواب نے کہا "حضور ابا جان آپ اندر تشریف لے چلیں"

"نہیں بیٹے میں فاتحہ پڑھے بغیر نہ جاؤں گا"

اور وہ پانی میں کھڑے رہے اور ان کے ساتھ سب بھیگتے رہے مزدوروں نے جلدی جلدی پھاوڑوں سے مٹی پھینکی اور تعزیہ دب کر دہل میں بیٹھ گیا

میر جعفر علی دہل میں اترے ۔ ایک تربت بنائی مگر پانی کی وجہ سے شمع جلانا اور لوبان سلگانا مشکل تھا دہل کی دیوار میں ایک مزدور نے ایک طاق سا بنا دیا اس میں شمع روشن کی گئی اور لوبان سلگایا گیا سب لوگ فاتحہ پڑھتے رہے ۔ سب کے سیاہ مہین انگرکھے شرابور ہو گئے اور بالوں سے پانی ٹپکنے لگا ۔

سب لوگ بھیگتے ہوئے کربلا کے اندر آئے ۔ سب یوں ہی بھیگے ہوئے بیٹھ گئے اور مجلس شروع ہو گئی ۔ مجلس ختم ہوتے ہی حیدر نواب نے جلدی سے نواب صاحب کو لا کر گاڑی میں بٹھایا اور سب گاڑیاں بند کر دیں ۔ کوچوان سے تاکید کر دی جلدی سے چلو بھیگ گئے ہیں حضور کپڑے بدلنے کی فوراً ضرورت ہے"

(۳۸)

نواب صاحب نے قصر الفضا میں واپس آ کر کپڑے بدلے

"حضور تکان" میر کلو بولے "کل رات بھر جاگنا مجلسیں تعزیہ میں شرکت۔ دفن کروانا۔ اف فوہ حضور کس قدر شدید محنت تو آپ نے اٹھائی"

میر عنایت حسین بولے "حکیم صاحب کو بلوایا جائے کیا معلوم آ گئے کربلا سے واپس یا نہیں۔ ارے بھائی کوئی ہے"

ایک آدمی آواز پر سامنے آیا تو اس سے میر عنایت حسین نے کہا "جاؤ دیکھو حکیم صاحب آ گئے یا نہیں۔ اگر آ گئے ہوں تو کہنا جلد آ کر دیکھیں حضور کی طبیعت بے مزا ہے۔ اور نہ آئے ہوں تو آدمی دوڑایا جائے ان کی تلاش میں"

تھوڑی دیر کے بعد آدمی واپس آیا اور کہا "حکیم صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے۔ آدمی ان کو ڈھونڈھوانے بھیجا ہے"

حضور بیٹھے بیٹھے کچھ غنودگی میں آ گئے اور گاؤ تکیہ پہ سر رکھ دیا مصاحبین نے کہا "حضور آرام گاہ میں تشریف لے چلیں بہت تکان اٹھائی ہے"

"اچھا ...... نوبہار کو بلوا بھیجو اندر سے"

نواب صاحب اٹھ کر آرام گاہ میں آئے اور نوبہار پیچھے پیچھے۔ لیٹ گئے کچھ دیر کے بعد اپنی نبض پر ہاتھ رکھ کر بولے "کچھ حرارت معلوم ہوتی ہے مجھے تو"

"نہیں سرکار۔ خدانخواستہ تکان سے محسوس تکان ہے"

میر کلو بولے "حکیم صاحب دفن کے بعد ہی کربلا گئے تھے۔ وہاں انہیں مجلسیں کرنا تھیں اپنے عزیزوں کی قبروں پر۔ مشہمان کھٹائی

خریدنے میں دیر ہوگئی ہوگی"

نواب صاحب مسکرائے اور بولے "مٹھائی میر کلو کو تو مٹھائی ہی دکھائی دیتی ہے سب میں پہلے"

"سرکار آپ کی دعا سے غریب خانہ پر مٹھائی میٹھی پیڑی ہی کھاتے کھاتے دست آنے لگے"

"میں بھی کچھ مٹھائی زیادہ کھا گیا ادھر چار پانچ دنوں میں۔ قبض ہو گیا اور اب حرارت ضرور ہے مجھے"

نوبہار آگئی۔ نواب صاحب نے منھ اٹھا کر اسکی طرف دیکھا اور بولے "آپ لوگ جائیے حکیم صاحب کو بلوائیے نوبہار یہاں آپٹی پر بیٹھو میری طبیعت اچھی نہیں ہے"

نواب صاحب تھوڑی دیر تک تو نوبہار کی صورت تکتے رہے۔ پھر بولے "نوبہار مجھے دلائی اوڑھا دے سر گھٹا جا رہا ہے"

نوبہار نے چاندانی کی سفید دلائی پائینتی سے اٹھا کر اڑھائی اور پھر پٹی پر بیٹھ گئی

حضور کی آنکھیں کچھ سرخ ہو رہی تھیں اور تکیہ پر سر کو ادھر ادھر کر رہے تھے۔ اکدم سے بولے "نوبہار پیاس لگی ہے"

"حضور پانی نقصان کریگا۔ پان نوش کر لیں"

اور نوبہار نے دو گلوریاں خاصدان سے نکال کر ان کے منھ میں رکھ دیں

"نوبہار" حضور نے کہا "دیکھو تو نے کل جو بات بتائی اسکا کچھ عجب اثر ہے میرے دل پر کیا بتاؤں کیا اثر ہے۔ غصہ کی کوئی ضرورت نہیں

اگر دس برس بیشتر ایسی بات معلوم ہوتی تو میں الگ ہو جاتا۔ آج جو جو لوگ میری وضعداری کی تعریف کر رہے تھے وہ وہ میرے دل پر گھونسے پڑ رہے تھے۔ یہ سب کیا ہوگا"

"حضور اس کا خیال نہ کریں۔ آپ خدا پر چھوڑ چکے ہیں۔ خدا سب اچھا ہی اچھا کریگا"

"تو ٹھیک کہتی ہے۔ یہ بات اب میرے بس کی نہیں"

چبوترے پر پیر کی چاپ سنائی دی۔ نوبہار نے کہا

"حکیم صاحب آگئے"

"میں ہوں حیدر" باہر سے آواز آئی

"آیئے آیئے"

حیدر نواب اندر آگئے اور نواب صاحب کی نبض دیکھ کر بولے "حضور کچھ حرارت معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کو بلا لاؤں"

"نہیں بیٹے نہیں ہرگز ڈاکٹر کا علاج نہ کرونگا۔ شرابوں سے اور غیر ذبیح جانوروں کے خون سے یہ وہ لوگ علاج کرتے ہیں۔ اچھا بیٹے تمہیں بڑی دیر ہوگئی آتے آتے"

"جی ہاں ذرا لوگوں سے ملتا جلتا رہا۔ بڑی کربلا چلا گیا تھا۔ وہاں سب عہدہ دار منتظمین تھے"

"کیا کہتے تھے وہ"

"حضور دو چار باہر کے انگریز آئے ہوئے ہیں سیر کو۔ انہوں نے آپ کے تعزیہ کی اور جلوس کی تصویریں اتار لیں"

"تم نے دیکھیں وہ تصویریں"

"وہ ان کے پاس مشینیں جو اپنی تصویر کھینچنے کی ان کے اندر ہیں ابھی تصویریں۔ اپنے ٹھکانے جا کے نکالیں گے وہ لوگ اندھیارے میں اور پھر بنائیں گے حضور کو میں لا کے دکھاؤں گا۔ مجھے بھی ایک ایک نقل دینے کا وعدہ کیا ہے انہوں نے"

"اچھا۔ تو میرے تعزیے کی دھوم ولایت تک ہو جائیگی"

"جی ہاں سرکار۔ وہاں سب دیکھیں گے اور تعریفیں کریں گے ان کے لئے یہ سب عجب باتیں ہیں"

"خوب خوب" نوبہار بولی "ہمارے حضور کی تعریفیں ملکہ کے دربار میں ہونگی"

اس پر نواب صاحب نے نوبہار کو غور سے دیکھا اور پھر حیدر نواب کو اور پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"بیٹے حیدر"

"جی حضور"

"کچھ نہیں بیٹے خدا مالک ہے ہم سب کا۔ میں نے سب خدا پر چھوڑ دیا۔ تم جاؤ بیٹے کپڑے بدلو۔ ابھی کسی سے کہنا نہیں کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ کہیں میری اچھو کو خبر ہو گئی تو بھڑک جائے گی میری ننھی سی جان۔ حیدر تم کو یاد نہیں اس پلنگ پر ادھر تم اور ادھر وہ دونوں اکثر سو گئے۔ میں نے پھر بھجوایا تم کو اپنے گھر کو لے جانے"

"مجھے کچھ یوں ہی سا یاد ہے ابا جان"

"مجھے سب معلوم ہے بیٹے حیدر میں تم سے بالکل ناراض نہیں

ہوں بیٹے حیدر۔ اس وقت بھی تم ادھر ہو اور انجو ادھر ہیں اور میری وضعداری بیچ میں ہے۔ ہائے۔ مگر خدا مالک ہے۔ جاؤ بیٹے تم کپڑے بدل لو۔ کہیں تمہیں نزلہ نہ ہو جائے خدا نہ خواستہ"
حیدر نواب صاحب پر عجب پریشانی اور شش و پنج کے عالم میں گھبرا کر باہر آ گئے۔ نواب صاحب کی باتیں ان کے لئے پورا معمہ تھیں۔
نواب صاحب نے نوبہار سے کہا "ذرا میرے سر میں تیل دبا دے"

"جی نہیں سرکار نزلہ ہے آپ کو نقصان کریگا تیل۔ میں یوں ہی سر دبائے دیتی ہوں" اور وہ نواب صاحب کا سر دبانے بیٹھ گئی اسے محسوس ہو رہا تھا کہ نواب صاحب کا سر جل رہا تھا اور گرمی کچھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نواب صاحب کروٹیں بدلتے رہے ٹھنڈی سانسیں لیتے رہے اور کبھی کبھی کہتے "نوبہار درود"
اندر خبر ہو گئی تھی بیگمات دیکھنے آئیں اور نواب صاحب کے داہنے بازو پہ امام ضامن باندھے۔ انجمن آرا نے بلک کر پوچھا

"کیا مزاج ہے دادا ابا"
نواب صاحب نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بولے "ٹھیک ہوں میری بچی تو نہ گھبرا۔ اے ذرا سا یوں ہی ہنڈرہ گرم ہو گیا ہے تکان سے۔ تو نہ گھبرا میری بچی" اور پھر دوسری طرف کروٹ لیکر خاموش لیٹے رہے

تھوڑی دیر کے بعد سب بیگمات اپنے اپنے محلوں کو واپس چلی گئیں۔

حکیم صاحب آئے اور نبض دیکھ کر کہا "کچھ تپ ہے معدہ غلیظ ہے۔ آج اجابت نہیں ہوئی حضور"

"نہیں ہوئی"

"کوئی بات نہیں ہے انشاء اللہ ابھی اتر جائیگا نسخے کا بجار ہے ہیں ابھی دوا بنوا کے حاضر ہوتا ہوں"

رات بھر حضور کو بخار تیز رہا۔ غفلت میں پڑے رہے۔ نوبہار چھپر کھٹ کے پاس قالین پر پڑی رہی

(۶۳)

دوسرے دن صبح کو حکیم صاحب نے آکر نبض دیکھی اور کہا "ماشاء اللہ حضور اب تپ تو اتر گئی۔ حرارت ہے پیٹ کی صفائی ہونا ضروری ہے"

حکیم صاحب کے ساتھ دوا ساز ایک کشتی میں دوا کا ایک قدح رکھ کر لایا تھا۔ حکیم صاحب نے دوا میں سے پہلے خود دوا چکھی اور پھر نواب صاحب کو قدح دیدیا۔ نواب سب دوا پی گئے۔ کلی کی اور پان کھا کر لیٹ گئے۔

حکیم صاحب نے کہا "حضور نے جلاب پیا ہے۔ محلوں میں خبر کر دیجئے

پان وغیرہ آئیں"

نوبہار آرام گاہ سے باہر آئی اور خاص محل کی طرف جا رہی تھی

رشیدہ نواب آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ انہوں نے پوچھا "خیریت

ہے نوبہار"

"جی ہاں جلاب پلایا گیا ہے"

"اچھا ایک بات اور تو سن۔ یہ کل حضور کیا کہہ رہے تھے

ہمارے معاملے کی کہیں ان کو خبر تو نہیں ہو گئی"

"ان کو سب کچھ میں نے شب داری کی رات میں بتا دیا"

"ہائیں۔ یہ تو نے کیا کیا؟"

"یہی تو مجھے کرنا تھا"

"تو اب کیا ہو گا"

ہو گا کیا سب دونوں کا بیاہ"

"مجھے چل۔ سو بھی دیکھو"

"میں نے اس طرح سب بتایا کہ حضور بھی مان گئے"

"تو نے کمال کیا معجزہ۔ جادو۔ وہ کس طرح بدل سکتے تھے"

"وہ بدلے نہیں مگر میری بات بھی مان گئے"

"پھر کیا"

"ابھی تک سب کچھ ان کے دماغ میں کھٹک ہے مگر وہ آپ دونوں

کی محبت پر ناراض رکھتے پھر نہیں ہیں۔ دیکھئے کیا کریں گے خدا ان کو

اچھا رکھے جیتا رہے"

"میں تو اس وقت ان کے سامنے جاتے ہوئے کچھ گھبرا رہا

ہوں"

"گھبراہٹ کا ہے کی انکو کئی دن سے معلوم ہے اور آپ جب سے سیکڑوں دفعہ ان کے سامنے جا چکے ہیں"

"جی سر" کہکر حیدر نواب بڑھے اور آرام گاہ میں آ گئے نواب صاحب چھپر کھٹ پر گاؤ سے لگے لیٹے تھے۔ پاس ایک چوکی پر کچھ دوائیں اور خاصدان کھلا ہوا رکھا تھا حکیم صاحب اور دوا ساز رخصت ہوئے۔ نواب صاحب بولے

"بیٹے حیدر دیکھو یہاں لوگ آ جا رہے ہیں سب کھڑے ہی رہتے ہیں مجھے برا لگتا ہے۔ ادھر کی طرف دو چوکیاں یا ایک تخت ڈال دیا جائے اس پر لوگ بیٹھیں گے"

"اگر حکم ہو تو میں بیدرہ بیس کرسیاں نہ اپنے یہاں سے منگا کے یہاں چھوڑ دوں"

"ہاں بیٹے۔ یہ انگریزی سامان بھی کرسیاں مجھے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ کتنی آسانی ہوتی ہے اٹھانے میں رکھنے میں کھسکانے میں تم کرسیاں منگا لو"

"ابھی حضور" اور حیدر نواب نے باہر نکل کر ہمرے کے سپاہی کو حکم دیا کہ ان کے کھانے والے کمرے سے بیس کرسیاں لدوا کے لے آئے۔

حیدر نواب پلٹے۔ نواب صاحب کے مصاحبین سب کے سب آرام گاہ میں جمع ہوتے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نوکر سروں پر کرسیاں رکھے ہوئے آئے اور حضور نے فرمایا "ادھر بچھا دو برابر

برابر کرسیاں تاکہ جو کوئی بیٹھے اسکا اور میرا آمنا سامنا رہے
اور اسی طرح کرسیاں بچھادی گئیں۔ مصاحبین اور حمید نواب
ان کرسیاں پر بیٹھ گئے
نواب صاحب کے سب صاحبزادگان اور دوسرے اعزا
آئے۔ نواب صاحب نے ہر ایک کے سلام کا دعا سے جواب
دینے کے بعد کہا
" بیٹے حیدر یہ کرسیاں تو کم ہیں خدا سلامت رکھے میرے
پروردگار کو "
" حضور بھائی صاحبان سب کرسیوں پر تشریف رکھیں ہم لوگ
قالین پر بیٹھیں گے " حیدر نواب نے کرسیاں اٹھا اٹھا کر بچھا
اور چھپر کھٹ کے قریب سب صاحبزادگان بیٹھے۔ ان کے پیچھے اور
لوگ بیٹھ گئے کچھ باقی کرسیوں پر اور کچھ قالین پر
نواب صاحب کو اجابت معلوم ہوئی۔ دو نوکر جو چھپر کھٹ کی
پائنتی کے پاس کھڑے تھے ان کو سنبھال کر پاس والی محراب کا پردہ
اٹھا کر اندر لے گئے۔ حضور واپس آکر چھپر کھٹ پر لیٹ گئے۔
عرق پیا اور پان چباتے رہے
نو بہار آئی اور بولی " پردہ ہو جائے سب محلات اور صاحبزادیاں
تشریف لا رہی ہیں "
" ہاں بھائی جن جن سے پردہ جائز ہے وہ سب ہٹ جائیں "
سوائے نواب صاحب کے صاحبزادوں کے سب چلے گئے
خاص محل کو ان کی دونوں بہویں سنبھالے ہوئے پہلے آئیں اور

انکے بعد اور سب محلات آئیں۔ صاحبزادگان کرسیوں سے اٹھ کر کنارے کھڑے ہوگئے اور محلات بیٹھ گئیں۔ خاص محل سب سے آگے بیٹھی تھیں۔ لونڈیاں چاندی کی کشتیوں میں پان لئے ہوئے آئیں ان کے آگے انجمن آرا ایک چاندی کا خاصدان لئے ہوئے تھی۔ نواب صاحب نے گردن موڑ کر دیکھا اور انجمن کو دیکھ کر بولے۔

"وا رے۔ یہ میری مزدورنی بھی ایک خاصدان لئے آ رہی ہے
انجمن ان کے پاس آکر کھڑی ہوئی تو فرمایا "یہ تو نے ہی لگائے ہیں پان دیکھوں ہاتھ" اسنے ہاتھ دکھائے تو بولے "ہاں لال ہیں اور خود ہی لے کے بھی آئی ہیں تیرے ہی پان پہلے کھاؤنگا۔ کھول اپنا خاصدان"

انجمن آرا نے خاصدان کھول کر پیش کیا۔ نواب صاحب نے چاندی کے ورق لگی ہوئی گلوریاں اٹھا کر کھائیں پھر حضور کو اجابت معلوم ہوئی اور لونڈیاں ان کو سنبھال کر پاخانے لے گئیں۔ واپس آکر وہ کچھ دیر لیٹے رہے پھر بولے۔

بیگم صاحب کچھ آنکھوں کے آگے اندھیارا سا آگیا تھا جو کہ بیٹھے بیٹھے لگ گیا مگر ہاں ایک بات یاد آگئی۔ وہ میں ابھی کہہ دوں"
خاص محل نے کہا۔۔۔۔ "جلدی کا ہے کی ہے۔ نواب صاحب"

"نہیں نہیں۔ اب زبان پر بات آگئی ہے تو کہہ ہی دوں"

سنجھلی محل نے کہا" نواب صاحب۔ یہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں
ہمارا دل ہلتا ہے"
"خیر سنئے خاص محل آپ اور اکبر تم ادھر آ جاؤ۔ انجو تو ذرا
باہر چلی جا تم باپ ہو انجو کے تم دادی ہو انجو کی شادی جہاں ٹھہری ہے
وہ بہت ناقص جنگجو ہے۔ تم اکبر جہاں جی چاہے وہاں شادی کرنا"
"اے یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو خدا سلامت رکھے
آپ اسکا سہرہ دیکھئے گا"
"حضور یاد اللہ ہے میں نے کبھی آپ کے حکم سے خلد کیا"
"نہیں تم سعید ہو۔ مگر یہ بیاہ تمہاری مرضی سے ہوگا۔ تم باپ ہو
اور بیگم صاحب آپ دخل نہ دیں گی"
"اے نواب یہ باتیں چھوڑئے"، خود محل نے کہا
"ارے بیگم صاحب تمہاری ضد و نہیں دکھائی دیتی"
"ماشاء اللہ واہ ۔ ۔ ۔ آپ کے سامنے آتے شرماتی ہے"، خورد
محل نے کہا
"اچھا - اچھا میں سمجھا - خدا مبارک کرے"
نواب صاحب پھر اجابت کے لئے گئے اور واپس آ گئے کچھ
دیر کے بعد بولے
"اکبر دیکھو میری انجو کی شادی ایسے کے ساتھ کرنا جو پرانے
کی طرح ہر وقت اسکے گرد گھوما کرے"
"خدا کے لئے نواب صاحب ایسی باتیں نہ کیجئے نہیں تو ہم
سب اپنا منہ پیٹ لیں گے"، منجھلی محل نے کہا نواب صاحب پھر

اجابت کے لئے گئے اور واپس آ گئے - اِس دفعہ وہ کچھ ہانپ گئے تھے وہ بولے
"تم لوگ اب اپنی اپنی طرف جاؤ - مردانہ آنے دو - یہ لونڈیاں کچھ مجھے سنبھال نہیں پاتیں"
"حکیم صاحب سے کہا جائے کہ کمزوری بڑھ رہی ہے" بڑے نواب بولے"
دنانہ ہٹ گیا حکیم صاحب پاس آ کر بیٹھے اور نبض دیکھ کر بولے "ابھی کسر کافی ہے پیٹ میں تغیر - چوکی میاں اس محراب کے پاس ادھر لگا دی جائے تاکہ تکان نہ ہو"
چوکی لگا دی گئی اور نواب صاحب چار پانچ مرتبہ اٹھ اٹھ کر گئے ان کا چہرہ زرد ہوتا جا رہا تھا اور چال میں لڑکھڑاہٹ بڑھتی جا رہی تھی - آخر ایک مرتبہ وہ بولے "اب تو نہیں اٹھا جاتا" اور دست پاجامہ ہی میں ہو گیا -
"حکیم صاحب آپ دیکھ رہے ہیں کمزوری شدت سے بڑھ رہی ہے" بڑے نواب بولے -
"نواب عالم میں دوپہر تک کچھ نہ بولوں گا حضور اٹھیں نہ ہمیں کونڈے لگا دیے جائیں گے"
دوپہر تک نواب صاحب کو کثرت سے دست آ چکے تھے اور وہ بے حال ہو گئے تھے حکیم صاحب نے دست روکنے کی دوا دی دست تو تھم گئے مگر ایک نئی صورت پیدا ہو گئی - نواب صاحب تھوڑی تھوڑی دیر تک غافل ہو جاتے پھر آنکھیں کھولتے - کچھ بات کرتے

پھر غافل ہو جاتے اور ہانپنے لگتے

بڑے نواب نے کہا "حکیم صاحب یہ کیا حالت ہے"

"صاحبزادے عالم۔ عمر کا تقاضہ ہے۔ کمزوری ہے۔ میں دو گھنٹے کے بعد غذا دوں گا۔ آپ شلا کھچڑی کے لئے حکم فرمائیں۔ دست روکنے کی دوا ابھی دیتا ہوں"

دو گھنٹے کے بعد حضور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ دست تو بند ہو گئے تھے مگر نقاہت بہت تھی اور غفلت کی کیفیت ویسی ہی تھی۔ نواب صاحب نے آنکھیں کھولیں اور کچھ کہا۔ حکیم صاحب نے کہا "حضور اب کچھ غذا ہو جانا چاہئے"

"لاؤ" نواب صاحب نے کہا

حضور کو گاؤ تکیے سے لگا کر بٹھا یا گیا اور کھچڑی سامنے رکھی گئی۔ حضور نے ایک نوالا منھ میں رکھا۔ پانی مانگا اور پھر بولے "مجھے کچھ بھوک نہیں۔ لٹاؤ لٹاؤ مجھے"۔ تکیہ ہٹا لیا گیا اور حضور پھر غافل ہو گئے

رات بھر یہی حالت رہی۔ گھڑی گھڑی چونکتے اور ایک آدھ بات کرتے پھر غافل ہو جاتے اور ہانپنے لگتے۔ آدھی رات تک سب پاس بیٹھے رہے پھر سب اپنی اپنی طرف چلے گئے۔ حیدر نواب اور حکیم صاحب نے چبوترے پر سو گئے۔ لونڈیاں پہرے بدلتی رہیں۔ نو بہار ابھی کے پیچھے قالین پر بیٹھی رہی۔ کئی دفعہ حضور چونکے اور پکارا "نو بہار" "نو بہار"۔ گو بڑا اثر تھا مگر قبل اسکے کہ وہ کوئی بات کرتے پھر غافل ہو جاتے اور وہ پھر لیٹ رہتی

ایک دفعہ حضور نے بہت زور سے آواز دی "حیدر نواب" اور

آ گئے اور حکیم صاحب کو بھی جگا کر لے آئے ۔ نواب صاحب ہوشیار تھے اور فرمانے لگے

"بھئی ۔ وہ سب ٹھیک ہو جائیگا ۔ کیا ٹھیک ۔ پاس نہیں کوڑی اور گٹے پڑے ہوت ۔ ارے کوئی مسجد بنوائی یا امام باڑہ" اور پھر غافل ہو گئے

حیدر نواب نے باہر آ کر حکیم صاحب سے پوچھا "حکیم صاحب میرا دل نکلا پڑتا ہے ۔ یہ کیا ہوتا جا رہا ہے"

"میاں صاحبزادے کمزوری ۔ صبح کو انشاء اللہ میں طاقت کی دوا دونگا ۔ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے"

(۴۴)

صبح کو حیدر نواب چھپر کھٹ کے پاس کھڑے تھے نواب صاحب چونکے اور بولے ۔

"کون ؟ حیدر ؟"

"جی حضور ! اباجان میں ہوں ۔ آپ کا مزاج کیسا ہے"

"اچھا ہوں بیٹے ۔ تم گھبراؤ نہیں ۔ میں اچھا ہوں ۔ یہ حکیم صاحب ہیں اور یہ دوائی ساز ۔ ہاں ۔ ہاں ۔ ہاں ۔ ہائے ۔ ہائے ۔ نوبہار پانی"

نوبہار نے منہ میں چمچوں کے ذریعہ عرق دیا

نواب صاحب نے فرمایا میں نے نماز صحیح نہیں ادا کی"
حکیم صاحب نے کہا "حضور اشاروں سے ادا کر لیجئے تیمم فرما کے"
ایک آدمی تیمم کی کشتی اور جانماز لایا حضور غافل ہو گئے تھے پھر
آنکھ کھولی تو کروٹ لیکر تکیہ پر سجدہ گاہ رکھی تیمم کیا، اور اشاروں سے
نماز پڑھنے لگے درمیان نماز میں بھی ایک دفعہ غوطے میں آ گئے۔ پھر
جب انہوں نے تمام نماز ختم کی اور پھر تسبیح پڑھتے رہے۔ بس سینہ پر ہاتھ تھا
اور انگلی میں تسبیح کے دانے جب غوطے میں آ جاتے تو ہاتھ رک جاتا پھر جب
ہوش میں آتے تو پھر دانے چلتے ہوئے دکھائی دیتے
نوبہار اور حیدر نواب بھی دیکھتے رہے پھر باہر نکل آئے
نوبہار بولی۔
"نواب میرا دل بہت گھبرا رہا ہے یہ کیا حالت ہے
نواب صاحب کی"
"یہ سانس اکھڑی اکھڑی چل رہی ہے۔ مجھے بھی پریشانی ہے"
"اور تھوڑی دیر میں سب ٹھیک ہو جاتا۔ آپ انگریزی ڈاکٹر
کو دکھائیے"
"کیا فائدہ اسکا علاج تو ہو گا نہیں"
"کچھ تو بتائیے نا دادا"
"وہ تو علاج کریں گے نہیں اور بڑے نواب ویسے ہی مجھے آنکھیں
پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں۔ کل سنا ہے کہ اپنی طرف جا کے میری بابت
کہنے لگے تیسرے خانے میں دیوانے ہم لوگوں سے زیادہ محبت ہے
ان کو"

"وہ ارے کل سے رو رہے بھیا گئے ۔ مجھے آپ سے بتلانے کا موقع ہی نہیں ملا حضور نے بیگم صاحب سے کہا اور چھوٹے نواب سے بھی کہ انجو بیگم کی شادی جہاں اکبر چاہے گا وہاں کرنا۔"

"اچھا ۔ تو اس پر سب کیا بولے"

"سب دلاسا دیتے رہے کہ آپ کو اصتیا رہے آپ کو خدا سلامت رکھے"

"اور چھوٹے بھائی صاحب کہاں کریں گے"

"وہ آپ کے ساتھ ۔ آپ سے میں نے بتایا نہیں تھا ۔ اور نواب صاحب سے پہلے میں سب کہہ چکی تھی"

"اچھا تو یہ سب تیرے مقصد کے موافق ہو رہا ہے"

"ہے تو ۔ مگر میری جیت تو جب ہے کہ یہ بڑے میاں خود آپ دونوں کی شادی کریں ۔ ان کی وضعداری میری محبت کے سامنے سر جھکا دے جب میں جیتوں گی ۔ خدا ان کو زندہ رکھے ۔ نواب کوئی ترکیب کیجئے کہ یہ اچھے ہو جائیں ۔ آپ جائیے ڈاکٹر کو لائیے"

حیدر نواب سول سرجن کو لے آئے ۔ آرام گاہ میں سب صاحبزادگان اور مصاحبین موجود تھے حیدر نواب نے ڈاکٹر کو کرسی پر بیٹھا دیا ۔ نواب صاحب غنودگی میں تھے ۔ جب وہ چونکے تو حیدر نواب نے کہا

"حضور یہ انگریز ڈاکٹر آپ کی مزاج پرسی کو آیا ہے"

"ہوں ہوں" کر کے نواب صاحب نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور کہا "سلام ڈاکٹر صاحب آپ کی عنایت"

ڈاکٹر نے اچھی طرح سے آلہ وں کے ذریعہ دیکھ بھال کی اور بولا
"نباب ساب۔ آپ ہاؤٹ مجبور۔ ہاؤٹ کمزور دو ٹیک
مائیں ملنا سکتا ہم دوا دے آپ کو لئے۔ ہاؤٹ اچھا ہو جائے"
نواب صاحب نے سر ہلایا حیدر نواب نے انگریزی میں ڈاکٹر
سے کہا کہ وہ علاج نہ کریں گے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ حالت قابل
اطمینان نہیں ہے اور نواب صاحب کو سلام بول کر حیدر نواب سے
باتیں کرتا ہوا چلا گیا۔
حیدر نواب آنکھوں میں آنسو بھرے آرام گاہ میں واپس آ گئے
اور بولے
"بھائی صاحبان۔ یہ حضور ابا کا علاج بالکل ٹھیک نہیں ہو رہا ہے
ڈاکٹر کا علاج نہ کیجئے تو شہر میں سیکڑوں حکیم ہیں مشہور مشہور ان کو بلوا
کے دکھائیے"
"فضول کی باتیں" بڑے نواب نے کہا "ہمارے حکیم مناسب
علاج کر رہے ہیں"
حکیم صاحب بولے "خدا سلامت رکھے آپ کو بڑے نواب
صاحب یہ صاحبزادے جن نے کل ان کی کھٹی کا نسخہ لکھا تھا
اس ملون انگریز کی باتوں میں آ گئے۔ وہ اپنی زبان میں نہ معلوم کیا کیا
کہتا رہا نہیں میں جواب دیتا سب رفتہ رفتہ ٹھیک ہو جائیگا مگر کل سے
صورت اب بہتر ہے۔ انشاء اللہ کل تک کمزوری جاتی رہے گی"
بڑے نواب نے حکیم صاحب کی رائے سے بالکل اتفاق
کیا

تھوڑی دیر کے بعد زنانہ کر دیا گیا تھا اور تمام بیگمات اپنے اپنے محلوں سے آ کر آرام گاہ میں بیٹھ گئی تھیں۔ خاص محل بہت پریشان تھیں کیونکہ آج صبح ان کے ہاتھ کی کئی کانچ والی چھوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ نواب صاحب کا حال ویسا ہی تھا۔ کبھی غافل ہو جاتے اور رہتے اور کبھی ہشیار ایک دفعہ نواب صاحب نے آنکھیں کھول کر بیگم صاحب کو دیکھا بیگم صاحب نے پوچھا "کیسا مزاج ہے"

"ٹھیک ہوں بیگم۔ کچھ قرار نہیں اور پیاس بہت ہے"

"کچھ بھوک بھی لگی ہے"

"بالکل نہیں۔ بس پیاس۔ نوبہار پانی"

نوبہار نے عرق دیا

"یہ دیکھئے آپ کی انجمن کھڑی ہے"

"آ بیٹی میرے پاس"

انجمن قریب آ کر چھپر کھٹ پر جھک گئی۔ نواب صاحب نے اسکا منہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ پیشانی پر پیار کیا اور بلک بلک کر رونے لگے

"اے حضور روئیے نہ۔ آپ اسکے سر پہ سہرہ باندھ کر خوشی خوشی رخصت کیجئے گا" سب بیگمات نے کہا

"نوبہار پانی" نوبہار نے نواب صاحب کا منھ پونچھا اور عرق پلایا۔

نواب صاحب نے نوبہار کو دیکھا اور پھر انجمن کو اور بولے،

"اس نوبہار کو میں تجھے دیتا ہوں انجمن یہ تیری لونڈی ہوگی

تیرے جہیز میں جائیگی ''

نوبہار نے کہا "حضور ایسی باتیں نہ کریں۔ میرے مالک۔ خدا وہ دن دکھائے کہ آپ بیگم کا ڈولا رخصت کرنے وقت مجھے حکم دیں کہ جا ڈولے کا پایہ پکڑ کے ساتھ ساتھ حضور ہم سب کی خوشی پہلے آپ کی زندگی میں ہے۔ آپ کی خوشی میں ہے ''

نوبہار کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔ نواب صاحب نے اسے غور سے دیکھا اور کہا

"اچھا اچھا میں سمجھا سمجھا "

انجمن آرا پاس کھڑی غور سے نواب صاحب کی سانس کو دیکھ رہی تھی۔ سفید ڈاڑھی عجیب طرح ہلتی تھی۔ کلوں میں ہوا ابھرتی تھی اور پھر وہ پچک جاتے تھے۔ سانس منہ سے کچھ زیادہ تیزی اور کچھ آواز کے ساتھ نکلتی تھی۔ یہ پورا حال اس کے لیے ہیبت ناک تھا وہ کانپنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر نواب صاحب نے آنکھیں کھولیں اور کچھ بڑبڑائے

"ہاں ... گذر گیا زمانہ ... پانچ لاکھ کیا رقم۔ ہمارے گھر کی مہریاں بھی پرواہ نہ کریں۔ جواہرات ہو ... ارے۔ اچھا میری پیاری بچی تو میرے پیچھے آجا۔ مجھے دس لینے دے اسے ''

"کیا فرما رہے ہیں دادا ابا آپ "

نواب صاحب نے انجو کی طرف دیکھا "کچھ نہیں بیٹی گھر میں جاؤ آرام کرو۔ میں اچھا ہوں "

بڑے نواب نے اشارے سے سب محلات کو ہٹوا یا سب اپنی

اپنی طرف چلی گئیں،

دن بھر نواب صاحب کا یہی حال رہا۔ جوق جوق لوگ آئے امام ضامن باندھتے گئے اور مزاج پرسی کرکے جاتے گئے،

دوپہر کو روز فریادی ماتم تو ہوتا ہی تھا۔ سہ پہر کو میر کلو ایک رمال کو بلا لائے اور لالہ بدن سہاری ایک پنڈت اپنے ساتھ لائے۔ پنڈت نے وہ دن حضور پر کٹھن بتائے اور اسکے جد صحت کی امید دلائی۔ رمال نے صدقہ بتایا جان کے بدلے جان۔ حضور نے کہا

"مرغی - آدمی کی جان"

"سب سے بہتر تو یہی ہے" رمال نے کہا

نوبہار بولی "میری گردن حاضر ہے۔ میں حضور پر نثار ہونے کو تیار ہوں"

نواب صاحب نے نوبہار کو دیکھا اور بولے "نہیں نہیں تیرے بغیر میری زندگی کیا نہیں ایسا نہ ہوگا"

حیدر نواب آگے بڑھ کر آئے اور بولے "میری جان قربان کردو حضور ابا کے اوپر سے"

"یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹے حیدر تم جیو سلامت رہو - بڑھو - تم ہی سے میرا نام ہوگا اب اور بیٹے تمہاری جان سے ایک جان وابستہ ہے وہ بہت پیاری ہے نہیں - نہیں - مجھ بڈھے کو مر جانے دو اب اس زمانہ میں ......"

حضور بے ہوش ہو گئے۔ بڑے نواب غضبناک ہو رہے تھے رمال کی طرف رخ کرکے بولے

"یہ کیا لغویت آپ کر رہے ہیں۔ جان کا بدلا جان۔ کسی جانور
دانور کی جان دے دی جائے صدقے ہیں۔ خواہ مخواہ کے لئے تماشہ
کر رہے ہیں آپ"
"حضور میرا مقصد یہی تھا۔ جانور ہی دیا جاتا ہے وہ بات
بڑھ گئی۔ آدمی کے بدلے اونٹ یا گھوڑا دے دیا جا سکتا ہے،
بڑے نواب نے حکم دیا کہ ایک گھوڑا دے دیا جائے نواب
صاحب پھر چونکے تو بڑے نواب نے کہا،
"ابا جان فال مین گھوڑا نکلا مین نے گھوڑا دلوا دیا"
رات کو پھر نخل سے نوکر دان میں اناج اور بکرے وغیرہ
نواب صاحب کی چھپر کھٹ کے چاروں طرف گھمائے گئے
پھر صبح کو خیرات کے لئے الگ کر دئے گئے
رات بھر نواب صاحب کی حالت ایسی ہی رہی

(۸۵)

آج نواب صاحب کی حالت میں نمایاں تبدیلی تھی غفلت زیادہ
زیادہ دیر رہنے لگی تھی اور جب آنکھیں کھولتے تو ہاتھ پاؤں چلاتے
اور اکثر کروٹ بھی بدلتے اور پھر غافل ہو جاتے۔ حیدر نواب
یہ حال دیکھ کر چھوٹے نواب عالم کے یہاں گئے چھوٹے نواب نے
صورت دیکھ کر کہا

"کیوں بیٹے اسقدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو"

"بھائی صاحب رات بھر نیند نہیں آئی۔ سینہ پر ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ حضور اباجان کی حالت تو چل کر دیکھئے میرا دل قابو میں نہیں ہے بھائی صاحب۔ خدا کے لئے شہر کے اور حکیموں کو بلوائیے۔ یہ کیا ہو گا" اور حیدر نواب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے

چھوٹے نواب نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ دلاسا دیا اور بولے

"چلو چلو واللہ ہے میں ابھی شہر بھر کے حکیموں کو بلواتا ہوں ابھی علاج بدلواتا ہوں واللہ ہے۔ وہ انگریز ڈاکٹر کیا کہہ گیا"

"اسنے کہا تھا کہ طاقت رتی رتی کم ہو رہی ہے اور وہی میں دیکھ رہا ہوں برابر بھائی صاحب"

"اچھا چلو چلو"

حیدر نواب اور چھوٹے نواب آرام گاہ میں آئے۔ حضور بے ہوش پڑے تھے۔ حیدر نواب کھڑے ہو کر غور سے دیکھنے لگے نواب صاحب کی سانس اسطرح چل رہی تھی جیسے کہ بہت تھک کر کانپ رہے ہوں۔ گالوں میں گڑھے پڑ گئے تھے یہ گڑھے ابھرتے اور پھر بیٹھ جاتے۔ گورے چہرہ پر گلابی بکھر اور ان میں سیلاہٹ صاف نمایاں تھی۔ یہ حالت دیکھتے دیکھتے حیدر نواب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے

اتنے میں لوگوں کے دبے پاؤں آنے کی آواز میں امین اور سب صاحبزادگان اور اعزا چپکے چپکے آئے۔ تھوڑی دیر بعد نواب صاحب نے آنکھیں

کھولیں۔ سب نے تسلیمیں کیں انہوں نے جواب دیا اور بولے۔

"کیوں۔ تم لوگ سب پریشاں کیوں ہو"

"حضور کو اپنی طبیعت کیسی معلوم ہوتی ہے" چھوٹے نواب نے پوچھا

"آج کچھ دل قابو میں نہیں ہے - - - پانی لاؤ نوبہار"

نوبہار نے عرق دیا

"حضور آپ کی رائے ہو تو اور معالجوں کو بھی بلا لیا جائے" چھوٹے نواب بولے

"ہاں اور اطبا کو بھی بلواؤ"

"ابھی ابھی سب بڑے حکیموں کو بلوایا جاتا ہے" بڑے نواب نے کہا

حکیم صاحبان کے لئے گاڑیاں بھیجی گئیں سب لوگ منتظر بیٹھے تھے۔ زنانہ نہیں ہونے دیا گیا۔ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں ایک درجن سے اوپر اطبا آرام گاہ میں جمع ہو گئے ہر ایک نے نبض دیکھی حال پوچھا اور پھر سب مشورے کے لئے الگ چلے گئے۔ واپس آ کر سب سے بزرگ حکیم نے کہا "ہم سب کی رائے ہے کہ قلب پر جو اثر ہے اس کو روکا جائے"

بڑے نواب بولے "تو نسخہ تحریر کریں آپ"

"ہاں صاحبزادے صاحب۔ آپ نے بڑی دیر میں اطلاع کی ہم کو۔ نواب صاحب بہت ہلکان ہو گئے ہیں۔ کمزوری۔ ماشاءاللہ سن کا تقاضہ۔ اس پر بے تکا علاج خیر نواب صاحب کی جوانی کی

کھلانی بلائی ہے۔ خدا سے امید ہے۔ ہم نسخہ لکھتے ہیں"

اطبا نے متفق الرائے ہو کر قسم قسم کی دوائیں لکھیں۔ کچھ پنکھے پر ڈال کر جھلنے کی کچھ سونگھانے کی کچھ پلانے کی۔ یہ سب دوائیں ہوئیں اور دوپہر تک نواب صاحب چونچال ہو گئے۔ شہر کے لوگ آتے گئے اور امام ضامن باندھ باندھ کر چلے گئے

ٹھیک دوپہر کو اندر زور یادی ماتم کی آواز آئی۔ نواب صاحب نے فرمایا "میری انجو ماتم کر رہی ہے۔ قرآن اسی کے سر پہ کھلا رکھا ہوگا"

ماتم کے بعد آرام گاہ میں پردہ ہو گیا۔ نواب صاحب چونچال تھے سب بیگمات کو یہ حال دیکھ کر تسکین ہوئی۔ بڑی بیگم نے فرمایا "دشمنوں نے فال دکھوائی تھی۔ بس آج کا دن مشکل کا ہے"

"آج تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے مجھے ہوا"

"بڑی ساعت نکل گئی اب گھڑی پہ گھڑی اچھے ہوتے جائیں گے حضور"

سب بیگمات نے کہا "الٰہی ثمہ آمین"

بیگمات دیر تک بیٹھی رہیں۔ تو شکر ہوتے رہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں دبائے رہے۔ نواب صاحب چونچال رہے کبھی کبھی ذرا اگر دن اٹھتے اور ٹھنڈی سانسیں بھرتے پھر انہوں نے فرمایا "مجھے نیند آ رہی ہے"

اور بیگمات سب اپنی اپنی طرف چلی گئیں

نواب صاحب کئی گھنٹے غافل پڑے رہے۔ سانس کی حالت

تھے۔ حیدر نواب بیقراری کے ساتھ نواب صاحب کو دیکھتے رہے

حکیموں نے نبض دیکھی۔ نبض کی حالت یہ تھی کہ ایکدم سے بہت تیز چلتی پھر ڈوبنے لگتی تھی اور پھر تیز ہو جاتی تھی۔ سب نے یہ رائے دی کہ قلب کا دورہ پڑ گیا

"تو کوئی خطرہ ہے" بڑے نواب بولے

خاص حکیم نے جواب دیا "خطرہ۔ اب آپ خطرہ پوچھتے ہیں صاحبزادے یہ پرانا مرض نواب صاحب کو کافی عرصے تھا۔ میں نے علاج کیا عرض کیا کہ مستقل علاج ہو مستقل علاج میرا نہیں ہوا بلکہ اس میرے نالائق شاگرد کا ہوا جو مرض پالتا رہا اور باتیں بناتا رہا۔ پھر جلاب اس بڑھاپے میں نہ دینا چاہئے تھا۔ یہ تو محض تھکن کیوجہ سے تپ آگئی تھی جو صبح کو اتر بھی گئی۔ اب کیا ہے تجھیر خدا سے سب امید ہے"

حکیم سب بیٹھے رہے۔ دوائیں دی جاتی رہیں۔ نواب صاحب کی بیقراری کچھ کچھ کم ہوئی سانس کی حالت ٹھیک نہیں ہوئی اور نبض کا بھی وہی حال رہا۔ اس درمیاں میں نواب صاحب نے بے بس ہو کر بہت سے آنکھیں پھیریں

غروب آفتاب کے وقت نواب صاحب کچھ زیادہ زور زور سے کراہے اور پانی مانگا۔ حکیموں نے کہا عرق نہیں پانی ہی دیا جائے پانی پینے کے بعد حضور نے کچھ ہاتھ پیر چلائے۔ بائیں طرف کروٹ لی اور فوراً ہی بحق رحمت ہو گئے ابکی انہوں نے عجیب طریقہ سے

آنکھیں پھیریں۔ نوبہار بولی
"بسم اللہ بسم اللہ یا علی۔ یا علی"
خاص حکیم نے نبض پر ہاتھ رکھا۔ نبض چھوٹ چکی تھی۔ حکیم صاحب
بولے "دعا کیجئے۔ اب دعا کا وقت ہے دعا کا۔ مولانا سرہانے لیسین
پڑھئے" اور خود کلمہ شہادت زور زور سے پڑھنے لگے
نواب صاحب کے حلق میں گھور تھا۔ عرق اتار منہ میں ڈالا گیا
نواب صاحب کو ایک ہچکی آئی اور پھر کچھ نہ تھا
نوبہار چلائی "وا رے" اور پھر کھٹ کی پٹی پر اپنا سر اس زور سے
دے مارا کہ سر پھٹ گیا
مولوی صاحب سرہانے بیٹھ کر سورہ لیسین پڑھنے لگے۔ آدمی
منہ اور پیر باندھنے لگے اور پھر ایک دوشالہ ان پر ڈال دیا گیا
اطبا رخصت ہوئے۔ حیدر نواب چھوٹے نواب سے لپٹ
کر روتے ہوئے بولے "ہائے بھائی صاحب۔ ہائے یہ کیا ہوا۔ ابا
جان کو کیا ہو گیا"
چھوٹے نواب نے تسکین دی "تم کیوں روتے ہو بیٹے تمہارا
باپ تو میں ہوں۔ میرا باپ گزر گیا مجھے رونا چاہیئے" اور وہ بھی
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے
سب لوگ پیٹ پیٹ کر رو رہے تھے اور رونے کی آواز
محل میں پہونچی
نوبہار چھپر کھٹ کے پاس زمین پر مچھلی کی طرح پھڑک رہی تھی
حیدر نواب اس کا یہ حال دیکھا قریب گئے اور اسکو بانہہ پکڑ کر اٹھایا

اس کے چہرہ پر خون ہی خون پایا تھا۔ اسے گھبرا کر اسکو اٹھا لیا۔ اسکے ماتھے پر زخم تھا۔ رومال بھگو کر اسکے سر پر رکھا اور اپنا انگرکھا پھاڑ کر پٹی باندھی۔ تو بہار بار بار یہی کہہ رہی تھی۔ مجھے بھی ان کی پائنتی دم دے دینے دو۔ اب میں جی کے کیا کرونگی "

حیدر نواب نے کہا " میں ابھی محل کے اندر سے آتا ہوں تو اپنا کیا حال کر لیا "

" نہیں۔ نہیں۔ تو اب میں کہیں نہیں جاؤنگی۔ بس ان کی پائنتی جاؤنگی "

حیدر نواب اسکو پکڑ کر زینے کے نیچے اتار لائے اور خاص محل کی طرف بڑھے۔ سامنے کیا دیکھتے ہیں کہ انجمن آرا بے تحاشا دوڑتی ہوئی آرہی ہے اور اسکے پیچھے کئی نوکرانیاں لپکتی ہوئی اور کہتی ہوئی " ارے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ "

نو بہار انجمن آرا کو دیکھتے ہی بولی " ارے میری بیگم حیدر نواب آپ ہٹ جائیے " اور دوڑ کر وہ انجمن آرا کے چمٹ گئی اور اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ ڈھانک لیا

سب مرد ہٹ ہٹ کر بارہ دری کے سامنے والے چبوترے پر آ گئے اور آرام گاہ میں بیگمات آ کر بیٹھ بیٹھ کر رونے لگیں

(۸۶)

اندھیارہ گہرا ہوتا جارہا تھا۔ بارہ دری کے خاص چبوترے پر زمین کا فرش ہو گیا تھا اور یہاں گھر کے سب مرد بیٹھے تھے۔ آرام گاہ میں بھیڑ پڑی تھی۔ فضیلت دوڑی ہوئی آئی اور چلا کر کہنے لگی "وہ چھوٹے نواب صاحب تشریف لائے۔ ہماری بیگم بے ہوش ہو گئیں۔ نوبہار گود میں لئے بیٹھی ہے باہر چبوترے پر زمین پر۔"

حیدر نواب بولے "وہ بھائی صاحب ڈاکٹر کو لے آؤں"

"ہاں جلدی جاؤ بیٹے" چھوٹے نواب نے کہا اور خود اٹھ کر ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے ادھر کے چبوترے پر آئے زمین پر نوبہار بیٹھی تھی اور انجمن اسکی گود میں تھی۔ ہرمزی خانم دعا پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ اور سب عورتیں اندر رونے پیٹنے میں مصروف تھیں

حیدر نواب آدھ گھنٹے کے اندر ڈاکٹر کو لے کر آگئے۔ اس اثناء میں انجمن آرا کو ایک پلنگڑی پر لٹا دیا گیا تھا اور نوبہار پاس زمین پر بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر آیا۔ دو عورتیں پردہ تان کر کھڑی ہو گئیں۔ ڈاکٹر کے پیچھے حیدر نواب بھی اسکا بیگ لئے ہوئے تھے

ڈاکٹر نے دیکھ بھال کے بعد ایک دوا دی جس کے پلانے کے بعد انجمن آرا کی طبیعت بحال ہوئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھی۔ نوبہار کو دیکھا اور اسکے گلے میں باہیں ڈال دیں

ڈاکٹر یہ کہکر چلا گیا کہ انجن کو یہاں سے ہٹا یا جائے چھوٹے نواب سکو محل میں پہونچا کر واپس آ لے۔

بڑے نواب کی یہ رائے تھی کہ تجہیز و تکفین اسی وقت ہو اور اس رائے سے سب نے اتفاق کیا کیونکہ شرع سے میت کو جتنی ہی جلدی اٹھا یا جائے اتنا ہی اچھا

تجہیز و تکفین کا سامان کرنے کو آدمی دوڑائے گئے۔ بڑے نواب آرام گاہ میں آگئے عورتیں سب ہٹائی گئیں۔ اندھیارہ پورے طور پر چھا چکا تھا۔ ہر جگہ روشنیاں رکھی گئیں۔ آرام گاہ میں جھاڑ روشن کر دیا گیا۔ مولوی باقر نواب صاحب مرحوم کے سرہانے اور چار اور قرآن خوان ادھر ادھر بیٹھ کر تلاوت کرنے لگے۔ لوبان سلگا یا گیا اور اسکی دھونی پھیلنے لگی

اندر محل میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد رونے کا شور اٹھتا۔ شہر میں بھی خبر پھیل گئی تھی اور سواریاں آنا شروع ہو گئیں تھیں۔ زنانی سواریاں خاص محل میں اترتیں اور مرد آرام گاہ میں جاکر بارہ دری کے سامنے والے چبوترے پر بیٹھ جاتے

اکثر لوگوں نے رائے دی کہ جنازہ کل صبح اٹھا یا جائے اور خاص جلوس کے ساتھ تاکہ شہر بھر شریک ہو سکے۔ مگر بڑے نواب ان سب کو یہ کہکر جواب دیتے

بھائی اب ہمارے لئے صبح کہاں۔ ہمارا تو سورج غروب ہو گیا۔ اب شام ہی شام ہے اپنی تو"

(۸۷)

دس بجے رات تک بارہ دری کا سامنے والا چبوترا پورا آدمیوں سے بھر گیا تھا جن میں بڑھئیوں نے صندوق تیار کر لیا تھا۔ اور خیاط نے اس کی سیاہ پوشش بھی سی لی تھی۔ چاندی کے ڈنڈوں پر کارچوبی مخمل کا ایک شامیانہ بھی بن کر تیار ہو گیا تھا
میر کلو اس تمام مجمع سے الگ اپنی سیدانی صاحب سے یوں باتیں کر رہے تھے اور ان کے دوست چھوٹک ان کے پاس کھڑے تھے
"دیکھو بھئی سیدانی صاحب۔ اب تم ہمارا کہا سنا معاف کر دو"
"کیوں آخر"
"اب ہم اس محل میں نہیں ٹھہر سکتے۔ اب یہاں ہمارے لئے جگہ نہیں"
"تو تم مجھے چھوڑ جاؤ گے"
"چھوڑ کے اک دن جانا ہی ہے۔ کسی دن ہم بھی حضور رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مرے ہوئے چلے جائیں گے اور تم رنڈاپے ہوئی رہ جاؤ گی اس وقت کیا کرو گی۔ خاص محل کی طرف دیکھنا۔ تو تم ابھی سے خاص محل کی طرف دیکھو۔ ہمارے لئے اب یہاں جگہ ہی نہیں تین روز سے

والاجاہ مرحوم مغفور کی طبیعت علیل تھی ہم وہ کس مپرسی کے عالم مین رہے کہ نہ پوچھو"

"اچھا تم جا کہان رہے ہو"

"ہم دہیں کربلا میں جا بیٹھے۔ ہم اور ہمارا یہ یار چھوٹک اسکے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے اور ہمارے آگے پیچھے نے دنے کے بس تم ہو اور تمہارا ٹھکانا خاص محل مین ہو ہی گیا۔ لہذا اب ہم چلے"

"اور وہ جو تھانیدار ہونے والے ہو تم"

"نہیں۔ اب ہم تھانیداری کیا لعنتی بھی نہیں کریں گے۔ صدمہ سے ہمارا دل ٹوٹ گیا۔ ہائے حضور ہائے ہائے۔ ہائے" اور میر کلو منھ کھول کر رونے لگے اور پھر بولے "بھئی، سیدانی حضور تو ہماری ساری دنیا کو برباد کر کے چلے گئے۔ بس اب کچھ نہیں ہم اب یہان نہیں ٹھہرینگے بس واللہ۔ اور ہمارا یہ دوست ہے یہ ہمارا آخری دم تک ساتھ دیگا۔ اسکا دل تو بہت دنوں سے ٹوٹا ہوا ہے۔ تم سے الگ ہونا بڑا شاق گذر رہا ہے مگر قسمت کو کیا کیا جائے۔ یوں ہی لکھا تھا ہماری قسمت مین"

"یہ تو تم عجب طرح کی باتین کر رہے ہو"

"اب جو کچھ ہو مگر ہونا یہی ہے قسمت۔ حکم خدا"

اس قسم کی باتین کر کے میر کلو اور چھوٹک بارہ دری کے پاس آئے۔ یہان غسال صندوق لئے ہوئے آرام گاہ مین جا رہے تھے اور سب صاحبزادگان ان کے ساتھ ساتھ تھے

آرام گاہ سے صندوق لیجا کر خاص محل کی دیوڑھی پر رکھ دیا گیا

پوشش اتار کر اور مشعلین لو نڈیوں کے ہاتھ میں دیکر سب مرد چلے گئے صرف صاحبزادگان کھڑے رہے۔ تمام بیگمات یہاں آئیں مختلف طریقوں سے بین کر کر کے روتی رہیں "

نوبہار سر پیٹتی بندھی ہوئی انجمن آرا کو سنبھالے ہوئے صندوق کے پاس آ کر بولی "دیکھ لیجئے بیگم جی بھر کے۔ دیکھ لیجئے ہیں آپ سے کم نہیں چاہتی تھی ان کو مگر جو مشیت ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ نواب صاحب مرحوم کا چہرہ روشنی میں چمک رہا تھا چہرہ پر رعب و دبدبہ اور کاں پان تھی ماتھے پر عبادت کا نشان دکھائی دے رہا تھا۔ انجمن بولی

"نو بہار معلوم ہوتا ہے میرا کلیجہ جیسے کھنچا جاتا ہے اس طرف جی چاہتا ہے اپنے کلیجہ کو اس صندوق میں رکھ دوں "

"بیگم میری بھی یہی حالت ہے مگر ہم کر ہی کیا سکتے ہیں سوائے صبر کے اپنے دل کو سنبھالے ہوں آپ بھی سنبھالیئے یہ محبت کا بندہ۔ وضعداری کا بندہ دونوں میں کامل طور پر کامیاب جا رہا ہے "

انجمن اور نوبہار ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگیں۔

صاحبزادگان آگے آئے اور بولے "بس بس۔ ہو گیا رات ڈھل رہی ہے "

خواتین سب روتی پیٹتی گرتی پڑتی ہٹ گئیں۔ غالوں نے آ کر صندوق پر پوشش چڑھائی اور صندوق کو اٹھا کر پھاٹک کی طرف بڑھے۔

بارہ دری کے پاس لا کر دن بہاری لال راز و قطار روتے ہوئے

ہاتھ پر ایک عمدہ دوشالہ ڈالے کھڑے تھے۔ بڑے نواب نے
بڑھ کر ان کے ہاتھ سے دوشالہ لیا۔ صندوق نیچا کیا گیا اور اس پر دوشالہ
ڈال دیا گیا۔ چار اور غسال شامیانہ لئے ہوئے آگے اور صندوق
پر سایہ کر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے۔ صندوق کے آگے ایک نقیب
بلند آواز میں سورہ رحمٰن پڑھتا جاتا تھا۔ جب کچھ ٹھہرتا تو صندوق
اور شامیانے والے غسال کلمۂ شہادت پڑھتے

صندوق کے پیچھے ننگے سر اور گریبان چاک لئے ہوئے نواب
صاحب کے سب صاحبزادے اور عزیز تھے اس کے بعد عام
بھیڑ تھی

قصر الفضا کے پھاٹک پر سب سپاہی کھڑے زار و قطار
رو رہے تھے۔ ٹھاکر بلدیو سنگھ بڑے نواب سے لپٹ گئے
اور بولے

"بھیّا۔ ہائے مورے بھیّا۔ آج ٹھاکر کہیر اجین ختم ہوئی گوا
بابو مرے بکھرت بناب صاحب کہیرے ہاتھ مان دے گئے رہیں
آج اوکین لوٹ گوا۔ آج سب مسلمان سپاہی جائیں مٹی کے سرے
ساتھ ہم سب جلنہ بچی با۔ آج آکھری کام آئے یو ٹھاکر کہیر
کیا ہمیں ہم بتا کر چا جا۔ کیا ہو گیا"

جنازہ قصر الفضا سے باہر گیا اور سب بھیڑ بھی نکل گئی۔ سب
سے آخر میں میر کلو اور چھوٹک آئے چھوٹک کے سر پر گٹھری رکھی
ہوئی تھی اور میر کلو ساتھ تھے۔ ٹھاکر بلدیو سنگھ نے پوچھا
"وہ یو گٹھری مان کا ہی ہے جات ہتو"

"ارے میاں ٹھاکر صاحب یہی کچھ تصرفات ہیں۔ نذر مرہ کی ہم دونوں اب واپس نہ آئیں گے وہیں کربلا میں دھیے بیٹھیں گے حضور مرحوم کی قبر کی اب مصاحبت رہے گی"

"ہاں اہا تم کا معلوم کا لئے جات ہو، آج پچاس برس ہوئے گئے نوکری کرت، آج آٹھ دن ہم سے منہ ہاں کا لک لگوا کے اب تک کون تنکا تا نہیں جائے یاد ہے"

"بھائی ہمارا ہی دونوں کا سامان ہے سب۔ ہم بھلا کہاں جا سکتے ہیں ہم تارک الدنیا ہو رہے ہیں ہمیں کیا ضرورت کسی چیز کی۔ اچھا چھوٹک۔ ٹھاکر صاحب کو دکھا دو سب گٹھری کھول کے باندھ لیں گے ہم سے واللہ"

"اچھا اچھا جاؤ تم کچھ نہ لے جیسی ہو اور اگر کچھ او پیچ بھی تو تمری گردن نجھو سکت ہیں ہر کھت جاؤ۔ جاؤ ہم آدمی چلنیھت ہیں۔ جاؤ"

جنازہ تو دریا کی طرف گیا تھا۔ میر کلو اور چھوٹک سیدھے کربلا کی طرف روانہ ہوئے

(۸۸)

دریائے گومتی پر ایک مقام غسل میت کے لئے مخصوص تھا یہاں پہلے ہی سے آدمی مشعلیں اور نہلانے کے لئے موجود دے تھے۔ کنارے

پر اتھلے پانی میں دو بڑے بڑے تخت بچھے تھے جن کے پائے نصف سے زیادہ ڈوبے ہوئے تھے۔ متعدد غسال ان تختوں کے پاس کپڑے اتارے کھڑے تھے

جنازہ یہاں پر پہونچا۔ صندوق زمین پر رکھا گیا اور نواب صاحب کی لاش اس میں سے نکال کر تختوں پر لٹائی گئی۔ کپڑے پھاڑ کر اتارے گئے اور ایک نئے کپڑے کی تہمد باندھ دی گئی غسال اپنے کام میں مصروف ہوئے

ایک جگہ دریا کے ریتے پر فرش بچھا دیا گیا تھا۔ سب لوگ آ آ کر اس پر بیٹھتے گئے

چھوٹے نواب ان سب سے الگ ایک چھوٹے سے ٹیلہ پر اکڑوں گھٹنے پر ٹھڈی ٹیک کر بیٹھ گئے۔ یہاں سے میت بالکل سامنے دکھائی دے رہی تھی اور مشعلوں کی روشنی میں کچھ عجیب ہی سی معلوم ہو رہی تھی۔ میت کی طرف ان کا دل کھنچا جاتا تھا مگر وہ بہت کم رو سکے تھے اور اب ان کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ اس والد کی روح کو ڈھونڈتے رہے جس میں ان کو ایک عظمت پنہاں نظر آتی۔ اس مٹی میں بھی جو کچھ ہی دیر کے بعد بالکل مٹی میں مل جانے والی تھی ایک خاص شان۔ خاص حسن، خاص تہذیب اور ایک خاص نوعیت کے تاثرات ہوتے تھے

ادھر سے نگاہ ہٹا کر انھوں نے دریا کا جائزہ لیا۔ اس کنارے پر سب اندھیرا تھا۔ ایک دو پیڑ کے گہرے سیاہ خاکے کچھ دھندلے دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ اندھیرے میں

کی اُس منزل کی طرف جا رہی ہے۔ آدمی ہر طرح چھوٹے ہوتے
چلے جا رہے ہیں ایک زمانہ میں بالشت بالشت بھر کے
ہو کر رہ جائیں گے اور پھر نا معلوم کیا ہوگا

اس وقت آٹھ آدمی نواب صاحب کی لاش کو تخت پر سے اٹھا
رہے تھے یہ آٹھ آدمی ایک مردہ آدمی کے اٹھانے کے لئے!
یہ لوگ لاش کو لئے ہوئے دریا میں اترے اور غوطے دیتے رہے پھر
اکر تخت پر لٹا دیا۔ یہ سب آدمی ہانپ گئے تھے۔ اف فوہ ان
کو گلیور اور بالشتیوں کا قصہ یاد آیا۔ یہاں نواب صاحب
دیو تھے اور یہ لوگ بالشتیے۔ ہائے یہ دیو ختم ہوئے جا رہے ہیں
اور یہ بالشتیے باقی رہے جاتے ہیں! کاہے کے لیے؟ دیو ان کے مرنے نہلانے
کے لیے۔ انسان مرنے کے لیے پیدا ہوتا ہے اور سوسائٹی اس لئے
ہے کہ مرے ہوئے کو نہلائے

اب میت کے سرہانے ایک غسال کھڑا ہو کر دعائیں پڑھ رہا
تھا اور دوسرا لگن سے بھر بھر کر پانی چھوڑتا جاتا تھا۔ یہ مذہب ہے
غسال میت کو مخاطب کر رہا تھا۔ خوب انسان مردہ کو بھی زندہ ہی
تصور کرتا ہے زندہ انسان موت کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔ موت کے
بعد ایک الگ دنیا ہے مگر ہے ضرور۔ یہاں سے مختلف زیادہ آرام
کی جگہ مگر ہے ضرور کسی چیز کا کوئی ختم نہیں۔ بالکل نہیں۔ انسان
ختم کو نہیں تصور میں لا سکتا حقیقت میں ہر چیز ختم ہے۔ ہر چیز مٹ
جانے والی سب ناپائدار۔

دو غسال میت کے پاس سے اٹھ کر ادھر کی طرف آئے۔ ایک

بولا "یار کچھ پان تمباکو ہے۔ تھک گئے یار" دوسرا ہنسا اور بولا "تم کو ہر وقت یہی رہتا ہے۔ آؤ یہاں اب ہمارا کام نہیں ہے چلو ادھر بازار سے پان وان کھا آئیں" اور یہ دونوں گلے میں ہاتھ ڈالے چلے گئے۔ واہ کیسے مگن ہیں یہ لوگ۔ سُنتے ہیں کہ روز مردے دیکھتے دیکھتے ان لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ مگر اب تو میرا بھی دل سخت ہو گیا۔ میری وہ حالت نہیں جو چار گھنٹے پیشتر تھی۔ انسان میں افسوس اور غم کا بھی مادہ ایک حد تک ہے۔ یہ حد جب گزر جائے بس جب ہی دل اس کی طرف سے سخت ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کی یہ خصوصیت نہ ہوتی تو وہ روتے روتے مر جاتا۔ اور ہنستے ہنستے بھی مر جاتا۔ انسان کے اندر بیلنس BALANCE ہے اور یہی اس کی زندگی ہے جب یہ بگڑ جائے تو موت کیا انسان ختم ہو جاتا ہے؟ انسان کیا معلوم کیا ہوتا ہے۔ مذہب تو یہی کہتا ہے کہ ختم نہیں ہوتا۔

اب نواب صاحب کی لاش کو کفنایا جا رہا تھا سفید کفن پر روشنی ایک عجیب نور بکھیر رہی تھی۔ عجیب قسم کی سفیدی۔ اس میں شعاعیں ہیں۔ ایک پل کے لیے تمام آسمان اور زمین ایک سفیدی معلوم ہوئے۔ یہ سفیدی میرے لیے ایک عجیب تجربہ ہے یہ وہم ہے یا حقیقت؟ حقیقت تو ہے کیونکہ میں اس کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ سفیدی کوئی چیز ضرور ہے۔ یہ سفید روشنی بھی تو ایک چیز ہے۔ اس مٹ جانے والی دنیا میں یہی سب کچھ ہے۔ یہی۔ یہی۔ یہی۔

اتنے میں خاص غسال نے آواز دی کہ میت تیار ہے اور سب لوگ اٹھ بیٹھے حیدر نواب کو خیال ہوا کہ یہ سب باتیں جو وہ سوچ رہے تھے سب گنجلک ہی رہیں۔ ابھی ان کو ان معاملات پر دوسرے لوگوں کے خیالات کا

کافی علم نہ تھا خیر انھوں نے کہا کہ اچھا ان سب باتوں پر اچھی طرح پڑھنے کے بعد نتائج نکالیں گے اگر آگے فرصت ملی۔ خیر ایک بات کا یقین تھا۔ ایک زمانہ ختم ہو گیا تھا اور اس زمانے کا آخری فرد مردہ کی صورت میں سامنے تھا۔

(۸۹)

غسل کے بعد جنازے کو کربلا کی طرف لے چلے نواب صاحب کی موت کی خبر تمام شہر میں پھیل چکی تھی اور اس قدر رات گئے ہوتے پر بھی ہر طرف سے لوگ جوق جوق شرکت کے لیے آرہے تھے۔ اب صندوق کو غسال نہیں بلکہ تمام لوگ کاندھا دیتے ہوئے لیے جارہے تھے۔

ہر طبقہ کے آدمی ہزاروں کی تعداد میں ساتھ تھے۔ امرائے شہر صاحبزادوں کے ساتھ ساتھ تھے۔ اوسط طبقہ کے لوگ پیچھے تھے اور اس کے بعد لاتعداد غربا تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے ساتھ کسی نہ کسی وقت نواب صاحب نے کوئی احسان نہ کیا تھا۔ نواب صاحب مرحوم کی فیاضی سے شہر کا ہر غریب مرد اور عورت کبھی نہ کبھی ضرور مستفید ہو چکا تھا۔ یہ لوگ رو رو کر سب احسانات بیان کرتے جاتے تھے اور بے بسی سے کہتے جاتے تھے کہ اب ہماری کون مدد کرے گا۔ حیدر نواب اس مجمعۂ کثیر میں کبھی آگے آجاتے کبھی بالکل پیچھے ہو جاتے۔ غربا کی باتیں اور گریۂ و زاری سن کر حیدر نواب کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ نواب صاحب ایک فرد ہی نہ تھے

بلکہ ایک سوشل انسٹیٹیوشن تھے جو عرصہ سے کمزور ہوتے ہوتے آج بالکل
ختم ہو گئی تھی۔

ان کا خیال قصر القضا کی طرف گیا اور وہ ان کو ایک مکمل دنیا دکھائی
دیا۔ انکی نظر اس دنیا کے چند ہی افراد پر تھی مگر حقیقت میں اس دنیا کے
اندر ہر قسم کے لوگ تھے اور سب کا وجود نواب صاحب اور انکی نوابی
سے وابستہ تھا۔ اب نواب صاحب کے ختم ہو جانے پر نوابی بھی جاتی
رہے گی اور پوری دنیا تہ و بالا ہو جائے گی۔ ہائے یہ دنیا نہ مٹتی۔ مگر کیسے
نہ مٹتی۔ اسے مٹنا ہی تھا۔ وہ مٹ کر ہی رہی۔

ہر طرف سے آدمی آتے ہی گئے اور بھیڑ بڑھتی ہی گئی۔ حیدر نواب کے
دل میں یہ خیال قوت پکڑتا گیا کہ یہ سب ایک فرد کو نہیں بلکہ ایک تہذیب
ایک طرز عمل ایک معاشرت کو رونے آئے ہیں۔ انہیں خیال آیا کہ آخری
وقت تک نواب صاحب نے ڈاکٹر کے علاج سے انکار کیا۔ پھر انہیں خیال
آیا کہ نواب صاحب نے شاید اپنی جان انکی اور انجمن کی محبت پر قربان کر دی۔
نواب صاحب کو سب ہی کچھ معلوم ہو گیا تھا مگر وہ منصور علی خاں کو بات دے
چکے تھے اور اب انکار کرنا تہذیب وضعداری اور اخلاق سب کے خلاف تھا۔
شاید ان کے دماغ میں وضعداری اور محبت کے درمیان شدید جنگ جاری
تھی اور اسی جنگ نے انہیں فنا کر دیا۔ شہید وضعداری یا شہید محبت۔
وہ ایک بدلتے ہوئے زمانہ میں آئے۔ پرانے زمانے کی مکمل ساخت اس نئے
زمانہ میں ڈال دی گئی تھی۔

آخر کار جنازہ کربلا میں پہونچا۔ مقررہ مقام پر قبر کھودی جا چکی تھی۔
پورا صحن آدمیوں سے بھر گیا تھا اور کثرت سے آدمی باہر تھے۔ آسمان پر چمک

ہو رہی تھی اور بادل گھرتا آ رہا تھا۔

نماز جنازہ ہو ہی رہی تھی کہ اکا دکا بوندیاں پڑیں صندوق لاکر قبر کے پاس ہی رکھا گیا۔ پانی تیز ہو گیا۔ لوگ کربلا کے برآمدوں میں صحنچیوں میں جہاں جہاں بھی جس کو جگہ ملی آ کر کھڑے ہو گئے۔ کربلا کے داہنے برآمدے کے کونے پر قبر تھی اور صندوق سے نواب صاحب کا جنازہ نکال کر غسالوں نے قبر میں رکھا۔ مشعلوں کی روشنی اس طرح پڑ رہی تھی کہ قبر اندر سے بالکل روشن تھی۔ دیر تک قبر کے اندر ایک غسال میت کا شانہ ہلاتا رہا اور اوپر ایک عالم تلقین پڑھتے رہے۔ پانی بہت زور سے برس رہا تھا اور بجلی کڑک رہی تھی۔

تلقین کے بعد غسال نے کفن ہٹا کر نواب صاحب کا منھ کھول دیا۔ سب صاحبزادگان نے جھک جھک کر قبر میں دیکھا اور زور زور سے رونے لگے۔ حیدر نواب بھی قبر کے پاس آئے۔ انہوں نے نواب صاحب کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ ماتھے پر نشان عبادت خاص طور پر نمایاں تھا۔ چہرہ پر ایک خاص رعب تھا اور اس رعب کے پیچھے ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں محبت چھپی بیٹھی تھی۔ ان کو محسوس ہوا جیسے کہ اب یہ بند آنکھیں کھلتی ہیں اور یہ ہونٹ مسکراتے ہیں اور ان سے "بیٹے حیدر" آواز نکلتی ہے۔ مگر وہ چہرہ بالکل ساکت و بے حرکت تھا۔ حیدر نواب کو خیال آیا کہ کیا محبت کا خاتمہ ہو گیا۔ سفید کفن پر مشعلوں کی روشنی ایک عجیب نور پیدا کر رہی تھی۔ اس روشنی نے انکو [illegible] دیا۔ غسال نے منھ ڈھانک دیا۔ قبر پر پٹیاں رکھ دی گئیں۔ مگر ان کی آنکھوں کے سامنے وہ پر رعب چہرہ اور وہ کفن کی روشنی رہی۔

بڑے نواب نے مٹی دی اور رو کر بولے "حضور ابا جان آج آپ کے فرض سے

ادا ہوتا ہے یہ غلام" اور سب صاحبزادوں نے بھی اس طرح کے کلمے کہتے ہوئے
مٹھی مٹھی بھر خاک قبر میں ڈال دی۔ حیدر نواب نے بھی جھک کر ایک مٹھی
مٹی اٹھائی۔ نواب صاحب کے چہرہ کا رعب اور انکے کفن کا نور حیدر نواب
کی نگاہوں میں پھر رہا تھا۔ مٹھی سے مٹی انہوں نے بھی قبر میں ڈال دی۔
اسوقت بڑی شدت سے گرج ہوئی اور دیر تک ہوتی رہی۔ سب ڈر رہے
تھے کہ اب کربلا پر بجلی گری اور اب گری۔ ایک لمحہ کے بعد بجلی کے کہیں دور
مگر زیادہ دور نہیں گرنے کی آواز آئی۔ حیدر نواب اپنے تخیل میں
اس قدر محو تھے کہ وہ چونکے تک نہیں۔

قبر بھر گئی۔ اس پر چادر ڈالی گئی اور سب لوگوں نے آ کر ہاتھ رکھا اور
فاتحہ پڑھا۔ حیدر نواب نے بھی فاتحہ پڑھا۔ مگر انکی آنکھوں کے سامنے وہی
تاثر گھوم رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ یہ تاثر ان کے ذہن پر ہمیشہ ثبت رہے گا
اور انکے مرنے کے بعد شاید کوئی شخص اسی طرح انکے جنازے کا تاثر یوں ہی حاصل
کرے اور وہ بھی ایسی ہی طرح یاد کیے جائیں۔ مگر ایسا شخص کون ہوگا وہی جس سے
وہ سچی محبت کرتے ہونگے جسکی محبت میں وہ اپنی جان کو بھی عزیز نہ رکھیں گے
شہید۔ شہید کبھی نہیں مرتے۔ شہید کبھی نہیں مرتے۔

قبر کے پاس سے لوگ ہٹ گئے قرآن خوان وہاں جا کر تلاوت کرنے لگے
بارش رفتہ رفتہ رک رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں مطلع صاف ہو گیا۔ آسمان پر
تارے دکھائی دینے لگے سب لوگ کربلا سے باہر آ گئے

۹۰

نواب صاحب مرحوم کے صاحبزادگان اور اقربا آگے آگے اور تمام

مجمع پیچھے پیچھے شاہراہ پر پہونچے یہاں ایک یکہ کھڑا تھا اور اسکے پاس ایک شخص تھا جو کوئی ہندو فقیر معلوم ہوتا تھا۔ اس شخص نے کچھ قدم آگے آکر کہا۔

"بڑے نواب عالم میاں"

"ارے چاچا جی یہ آپ ہیں۔ یہ کیا" بڑے نواب نے لالہ مدن بہاری کو پہچانتے ہوئے کہا۔

لالہ جی نے کنجی کا گچھا بڑے نواب کے ہاتھ میں دیا اور بولے۔

"یہ ہے آپکی امانت اور یہ ہے میرا یکہ۔ اب میں چلا گنگا جی"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں چاچا جی"

لالہ جی آکر یکے پر بیٹھ گئے اور بولے "اب میں اس قالب بے روح قصر الفضا میں قدم نہیں رکھ سکتا اب میں اس شہر میں بھی نہیں رہ سکتا جسکی روح فنا ہو چکی۔ اب میرا یہ راستہ ہے اور گنگا جی کا کنارہ اور پرم آتما کی یاد۔ آپ کو خدا سلامت رکھے اقبال بلند کرے" اور یکہ والے سے بولے "چل مداری" اور مداری نے یکہ دوڑا دیا بڑے نواب یکہ کی طرف دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ اندھیارے میں غائب ہو گیا۔

پورا مجمع آگے بڑھا۔ شہر میں آکر لوگ مجمع سے الگ ہو ہو کر جاتے رہے ایک جگہ پر پہنچ کر نواب منصور علی خاں نے کہا۔

"صاحبزادے میں تو اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ سکندر آپکے ساتھ جائیگا"

قبل اسکے کہ بڑے نواب کچھ کہتے چھوٹے نواب نے کہا "نہیں بھائی صاحب کوئی ضرورت نہیں ہے انکو تکلیف دینے کی واللہ۔ یہ اسقدر کمزور ہیں۔ گھر جاکر آرام کریں۔ واللہ کوئی ضرورت نہیں ہے انکی فضول انکو تکلیف دینا ہے"

منصور علی خاں نے انکا منھ دیکھا ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لڑکے کو ساتھ لیتے ہوئے رخصت ہوئے دو قدم آگے بڑھ کر چھوٹے نواب نے

ادھر اُدھر دیکھا اور بولے "ارے حیدر کہاں ہو۔ میرا حیدر نواب کہاں ہو"
"جی بھائی صاحب حاضر ہوں" حیدر نواب نے کہا۔
"ارے یہ تم سب کے پیچھے پیچھے کیوں چل رہے ہو۔ واللہ تمہیں آج سو وقت سے دیکھا ہی نہیں اِدھر آؤ میرے پاس"
"حضور بھائی صاحب" حیدر نواب پاس آکر بولے "مجھے اپنی اوقات کا خیال ہے۔ حضور نواب صاحب مرحوم نے مجھے سر چڑھایا تھا۔ اب میں آپ لوگوں کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں ہوں۔ میں غیر کفو ہوں"
"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو واللہ۔ میں نے تم کو کبھی اپنے بچے سے کم سمجھا یہ خبط ہو گیا ہے تم کو واللہ۔ میرے کوئی لڑکا نہیں تم میرے لڑکے ہو"
حیدر نواب نے چھوٹے نواب کے پیر پکڑ لیے۔ چھوٹے نواب نے انکو اُٹھا کر گلے سے لگایا اور بولے "ارے تو میرے پیروں پر پڑتا ہے۔ تو میرے کلیجہ کی ٹھنڈک ہے۔ مجھے کوئی غیر کفو و کفو کا خیال نہیں مجھ میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں"
بڑے نواب بالکل خاموش تھے۔ اور سب لوگ بھی خاموشی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ سب قصر الفضا کے نکڑ پر پہونچے۔ چھوٹے نواب نے آسمان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"صبح ہونے والی ہے شاید کیوں"
"بھائی صاحب ابھی کچھ دیر ہے"
"صبح کاذب" دو چار لوگوں نے کہا۔
"صبح کہاں" بڑے نواب نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ہمارا سورج اب نکلے گا۔ آج شام غروب ہو گیا ہمیشہ کے لیے"
سب لوگ قصر الفضا کے پھاٹک پر پہونچے یہاں ٹھاکر بلدیو سنگھ ادھر کے

دیہاتیوں کے خاص طریقہ پر ڈنڈہ کندھے پر رکھے ہوئے اور سہمیں گٹھری لٹکتی ہوئی کھڑے تھے۔ وہ پھاٹک سے دو قدم آگے آکر بولے۔

"ارے بڑے بھئیا۔ تم آئے گئو۔ مٹی ماں ملائے آیئو مورے نباب کا کھیر، ٹھاکر کا بچن کھتم۔ اب میں جات ہوں اپنے گاؤں۔ یو آئے تمرا کلعہ۔ اتی جندگی ماں ایک کھطا بھئی"

"تم بھی ہمیں چھوڑ رہے ہو ٹھاکر چاچا"

"ہائے ایک کھطا بھئی۔ اکھئے نئے ہائے۔ اب ہیاں رہنے والا ناہیں ہے آدمی سے بچائے سکت اگنی سے کو بچئی ہے۔ ادھر دھرا ہے کے یو کلنک کا ٹیکہ لاگے کا رہ گوا رہئے ہائے رے"

"کیا ہوا چاچا"

بارہ دری پر بجوری گری۔ ہائے سامنے ناگیر "چونترا اور سب بھسم ہوئی گوا"

"آئیں"، "ارے"، "کب؟"، "وہ بجلی یہاں گری"، "یہ کیا ہوا؟" "ہائے" اس طرح کے فقرے کہتے ہوئے سب جلدی جلدی اندر چلے۔ بڑے نواب نے مڑ کر ٹھاکر سے پوچھا۔

"مگر اس میں تمہاری کیا خطا"

"نائیں بھئیا۔ اب یو ٹھہرنے والی جگہیاں ناہیں ہے۔ تم جو سب اب یہاں کیری چھاجت ہمرے بس کیری بات نائیں۔ اب ہمرا ٹھاکر کیر اسر ابچنو کھتم ہوئی گوا۔ اب ہم جات۔ تم سب جیو کھوس رہو"

یہ کہکر ٹھاکر سڑک پر چلدیے۔ بڑے نواب بھی جلدی جلدی اس بارہ دری کی طرف بڑھے جسکا سامنے والا حصہ بجلی سے تباہ ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی مصنف و پبلشر نے اعوذ صفدر پریس اور سرفراز پریس میں طبع کرا کے شائع کیا